سلسلۂ نصابیات تعلیم جامعۂ عثمانیہ

جغرافیۂ خلافتِ مشرقی

میسوپوتامیا۔ ایران اور وسطِ ایشیا
از ابتدائے فتوحاتِ اسلامی تا عہدِ امیر تیمور

تصنیف
جی۔ لی اسٹرینج

ترجمہ
محمد جمیل الرحمٰن ایم۔ اے ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔
مددگار پروفیسر تاریخ کلیہ جامعہ عثمانیہ

۱۳۴۹ھ م ۱۳۳۹ف م ۱۹۳۰ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

یہ کتاب کیمبرج یونیورسٹی پریس کے ایجنٹس مسرز میکملن اینڈ کمپنی کی اجازت سے
جن کو حق اشاعت حاصل ہے اُردو میں ترجمہ کرکے
طبع وشائع کی گئی ہے

فہرست مضامین جغرافیہ خلافت مشرقی

دیباچہ از مصنف

صفحات ذیل میں اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ ایک معقول حجم کی کتاب میں اُن کل معلومات کو قلمبند کر دیا جائے جو عہد وسطےٰ کی عرب، ایرانی اور ترکی علماء جغرافیہ کی ایسی تالیفات میں متفرق جگہ ملتی ہیں جو انھوں نے میسوپوٹیمیا اور ایران اور قریب کے ممالک وسط ایشیا کے حالات میں لکھی تھیں۔ جن اسناد کا حوالہ اس کتاب میں دیا گیا ہے ان کا سلسلہ ابتدا کے مسلمان مصنفوں سے شروع ہو کر ان ارباب قلم پر ختم ہوتا ہے جنھوں نے ممالک مذکورہ کی اس جدید تنظیم و ترتیب کے حالات لکھے ہیں جو تیمور کی وفات پر یا یہ کہئے کہ وسط ایشیا میں ملک گیری کی آخری لڑائیوں کے بعد پیش آئے تھے۔ کیونکہ پندرھویں صدی عیسوی یعنی نویں صدی ہجری کے ابتدا (جس میں یہ واقعات پیش آئے تھے) ایشیا کا عہد وسطےٰ بھی خاتمہ کو پہنچ جاتا ہے

اس کتاب کی نسبت بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ میری تالیف "بغداد بدور خلافت عباسیہ" (" Baghdad " Under the Abbasid Caliphate) جو سنہ ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی تھی اُس کا یہ تتمہ ہے اور کتاب فلسطین بدور مسلمین (Palestine under the Moslims) جو سنہ ۱۸۹۰ء میں میں نے شائع کی تھی اس میں جو جغرافیہ بیان کیا تھا اسی جغرافیہ کو

اس کتاب میں آگے بڑھایا ہے۔

اس خیال سے کہ کتاب کی ضخامت اوسط درجے کی رہے عرب کا جغرافیہ اور حرمین شریفین یعنی مکہ اور مدینہ کے حالات چھوڑنے پڑے گو یہ دونوں مقدس شہر عباسیوں کے دور خلافت میں زیادہ تر زمانہ تک ان ہی کے زیر انتظام رہے۔ ممکن ہے کہ کوئی لایق مصنف جو اس مضمون کے متعلق مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہو، عرب اور اس سے قریب بحیرۂ قلزم کے پار تک مصر کا جغرافیہ عہد فاطمیین کا لکھے اور مصر سے آگے شمالی افریقیہ کے ملکوں اور اُن سے آگے خلافت اندلس کا جغرافیہ لکھ کر جو مدت کے لحاظ سے کم مگر شان و عظمت کے اعتبار سے نہایت ممتاز خلافت تھی اسلامی ممالک کا دائرہ پورا کردے۔

اگر مسلمانوں کی تاریخ کو فی الحقیقت دلچسپ بنانا منظور ہے اور یہ بھی منظور ہے کہ اسلامی تاریخ صحیح طور پر سمجھ میں آئے تو پھر لازم ہے کہ عہد وسطےٰ میں ممالک مشرق قریب کے تاریخی جغرافیہ کو بغور تحقیق کر کے سپرد قلم کیا جائے۔ اس مضمون میں میری کوشش پہلی کوشش ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بات کہ کس قدر کام اور انجام دینا ہے، اور اس کتاب سے بہتر طریقہ پر انجام دینا ہے۔ میں پہلا شخص ہوں جو اس کمی کو محسوس کر رہا ہوں۔ بہرکیف آئندہ تعمیر کے لئے زمین صاف اور ہموار ہوگئی ہے۔ ہر بیان کی سند کتاب کے اسی صفحہ کے نیچے حاشیہ پر درج کرتا گیا ہوں۔ پُرانے مصنفوں کی بعض غلطیوں کی صحت بھی کی ہے، اور اس کام کی ابتدائی ہے کہ عہد وسطےٰ میں جو ملک خلافت عباسیہ کے زیر نگیں تھے ان کے جغرافی حالات کو احاطہ کر لیا جائے۔ لیکن میرا کام محض سرسری ہے، جامع نہیں۔ کتاب کی ضخامت کو کم رکھنے کے لئے میں یہاں تک مجبور ہوا کہ مسلمان مصنفوں نے جو سیاحت نامے شائع کیے تھے۔ ان کا پورا ترجمہ نہ کر سکا۔ اس بارے ضرورت شدید ہے کہ سپرنگر (Sprenger) کی کتاب Post und Reise Routen des Orients کو حال کی تصحیح شدہ عربی نسخوں سے مقابلہ کر کے صحت کے ساتھ دوبارہ شائع کیا جائے گو اس میں شبہ نہیں ہے کہ پروفیسر دی خویہ نے ابن خرداذبہ اور قدامہ کی تصانیف کے ساتھ جو سیاحت نامے شامل کئے ہیں، وہ اس ضرورت کو بہت کچھ رفع کرتے ہیں۔

ہر صوبہ کی تجارت اور مصنوعات کے متعلق مُسلمانوں کی تصانیف میں جس قدر معلومات بہم پہنچی وہ اس کتاب میں لکھتا گیا ہوں لیکن اس خاص مضمون پر جو کچھ لکھا گیا ہے

وہ کم اور غیر مبسوط ہے، اس مضمون پر کہ مشرقی ممالک اسلامیہ کی پیداوار زمانہ وسطےٰ میں کیا تھی، اے، فون کریمر (A. Von Kremer) کی کتاب میں جو باب Hande und Gewerb) یعنی صنعت و پیداوار پر لکھا گیا وہ میرے علم میں بہترین ہے۔

اس کتاب میں ایک فہرست بقید سنین ایسے مسلمان جغرافیہ نویسوں کے پورے ناموں کی، جن کے نام حواشی میں محض ان کے ابتدائی حروف سے لکھے گئے ہیں، فہرست مضامین کے بعد درج کر دی گئی ہے۔[1] ان کے علاوہ جن کتابوں کا ذکر حواشی میں آیا ہے ان کا پورا نام وہاں لکھا ہے جہاں ان کے مصنف کا نام پہلی مرتبہ آیا ہے اس کے بعد اگر کتاب کا نام معلوم کرنے کی ضرورت ہو تو اشاریہ کی مدد سے اس مقام کو نکال کر جہاں کتاب کا نام پہلی بار آیا ہے اس نام کو بہ آسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

اس کتاب کے پہلے باب میں جو بطور مقدمہ لکھا گیا ہے، عرب جغرافیہ نویسوں کی کتابوں کا مختصر سا حال لکھ دیا گیا ہے۔ لیکن یہ چیز میں نے اپنی تالیف "فلسطین بدور مسلمین" میں زیادہ تفصیل سے لکھی ہے۔

تاریخیں سنہ ہجری میں لکھی گئی ہیں اور ان کے مطابق جو سنہ عیسوی نکلتا ہے۔ وہ سنہ ہجری کے آگے خطوط ہلالی میں لکھ دیا ہے۔ مشرقی ناموں کو انگریزی میں لکھنے کا جو طریقہ میں نے اختیار کیا ہے اُس کی صراحت کی ضرورت نہیں کیونکہ طریقہ وہی ہے جو اب بالعموم رائج ہے۔ یہ بات خیال میں رہنی چاہئے کہ عربی کا جو حرف انگریزی میں W کے برابر ہے اس کا تلفظ فارسی میں انگریزی کے V کا سا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ عربی حروف ظ، ذ، ض کا تلفظ آج کل کے ایرانی بالکل حرف ز کی طرح اور عربی ث کا تلفظ مثل س کے کرتے ہیں۔

جس کتاب کے ذرائع تالیف تمام تر مشرقی ہوں اس کتاب میں بلاشبہ بہت سی غلطیاں ناظرین کو ملیں گی۔ اس کے علاوہ جس کتاب میں حوالے بکثرت آئے ہوں اُس کا غلطیوں سے بچا رہنا بھی ممکن نہیں۔ اگر کوئی صاحب کسی غلطی کی تصحیح فرما دیں، یا کہیں کوئی فروگذاشت معلوم کریں تو اطلاع پانے پر میں اُن کا نہایت ممنون ہوں گا۔

[1] ترجمہ کے حاشیوں میں ہر جگہ مصنفوں کے پورے نام درج کئے گئے۔ مترجم

میری بڑی آرزو یہی ہے کہ تاریخی جغرافیہ کے میدان میں تحقیق و تفتیش کی ترغیب اور لوگوں کو بھی ہو، اور جس وقت اس پورے مضمون کے احاطہ کرنے میں کوئی دوسرے تصنیف اس کتاب پر سبقت لے گئی تو میں سمجھوں گا کہ اس کتاب نے اپنا فرض ادا کر دیا اور بہتر چیزوں کے لئے راستہ کھل گیا۔

فلارنس، اٹلی
مئی ۱۹۰۵ء

جی لی اسٹرینج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ منجانب مترجم

جغرافیہ اس علم کا نام ہے جس میں کرۂ ارض کی سطح، اس کی شکل وصورت جیعیص اور آب وہوا سے بحث ہوتی ہے۔ اسی ضمن میں ہر وہ چیز شامل ہے، جو سطح ارض کے اوپر ہے۔ یعنی کرۂ زمین کی ہر نوع کی آبادی کے حالات اور کوائف بھی اس علم کا جزہیں۔ بلاشبہ اس آبادی کا بہترین جز انسان ہے، اور چونکہ انسان ہی ہر چیز پر متصرف ہے، اور اُسے سمجھتا، اور استعمال کرتا ہے، اس لئے غالباً ہر لحاظ سے یہ کہنا درست ہے کہ علم جغرافیہ میں کرۂ ارض پر خصوصیات کے ساتھ اس لحاظ سے بحث ہوتی ہے کہ وہ انسان کا گھر ہے اور یہ کہ وہ اس میں کہاں کہاں اور کیونکر رہتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ یہ ہے جغرافیہ کا عام اور عظیم مقصد۔

لیکن اس مقصد کے حصول کے لئے ایک طرف تو ہمیں علم ہیئت وہندسہ سے مدد لے کر یہ تشخیص کرنا پڑتا ہے کہ اس کرۂ ارض کی ایک سیارہ کے لحاظ سے کیا حیثیت ہے، باقی نظام شمسی، اور افلاک کا اُس سے کیا علاقہ ہے، اور یہ ان سب کے وجود سے کس طرح متاثر ہوتا ہے؟ دوسری طرف ہمیں علم طبقات الارض کے مطالعہ سے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ ہماری زمین کے مختلف حصے کس کس زمانہ میں کسی کس حالت سے گزر چکے ہیں، تاکہ ان حالات وکیفیات سے یہ معلوم ہوسکے کہ انھوں نے انسان کی زندگی اس کے طرز عمل اور اس کے

سوانح حیات پر کیا اثر کیا؟ اور کیونکر وہ تمام تغیرات پیدا ہو گئے جن کا علم ہم کو تاریخ کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے؟

یہی وہ مقام جہاں جغرافیہ اور تاریخ ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں، اور اس میں شاید ہی کسی کو شک ہوگا کہ کسی قوم کی تاریخ کا مطالعہ ہرگز مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس حصۂ زمین کے جغرافیہ کا علم بھی پوری طرح حاصل نہ کر لیا جائے جس سے اس قوم کو تعلق ہو، اور خاص کر اس قوم کی تاریخ جسے زمانۂ ماضی سے واسطہ اور علاقہ ہو۔

مسلم اقوام کی تاریخ بھی اسی ضمن میں آجاتی ہے۔ ان کی تاریخ کے مطالعہ کی تکمیل کا خیال اور ارادہ ہی اس کتاب کے پیش کرنے کا اصلی محرک ہے، اور اس امر کے قبول کرنے میں کسی کو عذر نہ ہوگا کہ اس کی سخت ضرورت ہے کہ تاریخ اسلام کے اس ضروری حصہ کو مکمل کر دیا جائے۔ یقیناً اس حقیقت کو دہرانے کی ضرورت نہیں کہ اسلامی تاریخ کو دلچسپ بنانے اور اس کو قرار واقعی طور پر سمجھنے کے لئے مشرق ادنیٰ کی جغرافیائی کیفیت کا مکمل طور پر مطالعہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ لہٰذا یہ امید بے محل نہ ہوگی کہ اس مختصر مگر جامع کتاب کی قدر کی جائیگی۔ جس میں لی اسٹرینج کی انگریزی کتاب Lands of the Eastern Caliphate کا اردو ترجمہ "جغرافیہ خلافت مشرقی" کے عنوان سے پیش کیا جاتا ہے۔

اس ضمن میں یہ بتا دینا بھی بے جا نہ ہوگا کہ اس کتاب کے علاوہ اسی انگریز مصنف کی ایک اور کتاب (Palestine under the Moslems) کا ترجمہ جامعۂ عثمانیہ کے شعبۂ تالیف و تراجم میں کیا جا رہا ہے، اور عنقریب شایع ہو جائے گا۔ اس سے قبل اندلس کا جغرافیہ جناب مولوی عنایت اللہ صاحب کے قلم سے "اندلس کا تاریخی جغرافیہ" کے نام سے سنہ ۱۳۴۵ھ میں شایع ہو چکا ہے۔ اس طرح اس سلسلہ کی تکمیل کے لئے صرف افریقیہ اور مصر کا جغرافیہ باقی رہ جاتا ہے، جس کے شائع ہو جانے کے بعد قدیم مسلم دنیا کی تاریخی جغرافیہ کے علم کا پورا سامان مہیا ہو جائے گا۔

ترجمہ کے متعلق اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ شروع سے آخر تک لی اسٹرینج کے بیانات وغیرہ کا عربی مصنفوں کی کتابوں سے مقابلہ کر کے ترجمہ کیا گیا ہے۔ بعض بعض مقامات میں حسب ضرورت چند الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے، اور احتیاط کے خیال سے ایسے الفاظ اور جملوں کو اس شکل کے خطوط وحدانی میں درج کیا گیا ہے: [ ]۔ اسی طرح حاشیوں میں

بھی یہ خیال رکھا گیا ہے کہ جو حاشیے مترجم کی جانب سے بڑھائے گئے ہوں ان کو نشان ع۔ن سے اور مصنف کے اصلی حواشی کو نشان س۔ن سے ظاہر کیا جائے تاکہ دونوں میں بآسانی تمیز ہو سکے۔

مجھے فخر ہے کہ میرے کرم فرما جناب مولوی عنایت اللہ صاحب ناظم شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی نے، جو عالم اسلامی کے جغرافیہ کے علم و مہارت میں ہمارے ملک میں اپنی آپ ہی نظیر ہیں، اور جن کی نظر اس علم کی پوری وسعت، گہرائی اور باریک سے باریک تفصیل پر پہنچ چکی ہے، اس کتاب کی نظر ثانی فرما کر اس کے وثوق اور اعتبار میں ایک گراں قدر اضافہ کر دیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کن الفاظ سے ہ ولوں کہ ان کی اس تکلیف اور توجہ کے شکریہ سے عہدہ برآ ہو سکوں۔

بہر حال مجھے کامل اطمینان ہے کہ اب یہ ترجمہ حتی المقدور ہر لحاظ سے مکمل اور قابل اعتبار ہے۔ تاہم اب بھی جو خامیاں اس میں رہ گئی ہوں ان کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ الا ما شاء اللہ فقط

حیدرآباد دکن
مورخہ ۵ شہریور ۱۳۲۷ ف

محمد جمیل الرحمن

9



نقشہ سرحدات خلافت عباسیہ ۔ جس کی حدیں بڑی سرخ لکیر میں دکھائی گئی ہیں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

باب اول

مقدمہ

میسوپوٹیمیا اور ایران، خلافت عباسیہ کے دوران میں ان کے
صوبے۔ شمال مغربی اور شمال مشرقی صوبہ۔ بغداد سے اسلامی سلطنت کی سرحد
تک شاہراہیں۔ مسلمان جغرافیہ نویس اور ان کی تصانیف۔ ان کے علاوہ
دوسرے اسناد۔ عربی، ایرانی اور ترکی صوبوں کے اسمار مقامی

ملوک ساسانیہ کی قلمرو میں میسوپوٹیمیا اور ایران دونوں ملک شامل تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جس وقت عرب دنیا کو فتح کرنے کے لئے اٹھے تو انھوں نے ساسانیوں کی سلطنت کو بالکل نیست و نابود کر دیا۔ دوسری بڑی طاقت یعنی بازنطینی سلطنت پر حملہ کرنے میں ان کو صرف اس قدر کامیابی ہوئی کہ مختلف نواح میں اس سلطنت کے زرخیز خطوں کو، بالخصوص ایسے ملکوں کو جو بحیرۂ روم کے جنوبی اور مشرقی ساحلوں سے ملحق تھے، فتح کرلیا۔ لیکن اس سلطنت کے دیگر مقامات پر قیصران قسطنطنیہ نے خلفائے اسلام کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا، اور اس سلسلۂ مقاومت کو کئی صدی تک برابر جاری رکھا۔ چنانچہ یہ سلطنت عباسیوں کی خلافت ختم ہو جانے کے بعد دو سو برس تک زندہ رہی[1]۔

---

[1] بحیرۂ روم کے مشرقی ساحل سے ملحق ملکوں میں شام و فلسطین تھے، اور جنوبی ساحل والے ملکوں میں مصر، بارمریکہ، ماتر ینیکا، افریقیہ، نومیدیا، اور موریتینیا کے وسیع علاقے تھے۔ بحیرۂ روم کے جزیروں میں، جو عربوں نے بازنطینی سلطنت سے صدر اسلام میں ہی فتح کئے، قبرص،

برعکس اس کے مملکت بنی ساسان کا بالکل قلع قمع کر کے اس کے تمام ملکوں پر عربوں نے تصرف کر لیا۔ ایران کے آخری تاجدار کا تعاقب کیا اور آخر کار وہ قتل ہوا، اور اب تمام ایران پر اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔ مزید برآں خلفاء اسلام کی سلطنت نے قدیم ایرانی سلطنت کے نظم و نسق کو جس حالت میں پایا تھا اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ خود ان کا نظم و نسق اسی طرز اور نمونے کا ہو گیا جس طرز اور نمونے پر شاہان ایران نے اپنی سلطنت کی افتاد ڈالی تھی۔ حکومت کی یہ شان خاص کر خلفاء عباسیہ کے دور میں پیدا ہوئی۔ جنھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کچھ اوپر سو برس بعد اپنے حریفوں یعنی بنی امیہ کو مسند خلافت سے معزول کر کے دار الخلافہ کو شام سے میسوپوٹیمیا منتقل کیا، اور ساسانی بادشاہوں کے قدیم مستقر طیسفون کے قریب دجلہ کے کنارے شہر بغداد کی بنا ڈالی۔

(۲) تعمیر ختم ہوتے ہی بغداد مشرق میں خلافت کا مرکز بن گیا۔ لیکن عباسیوں کے پہلے ہی خلیفہ کا زمانہ تھا کہ اسلامی سلطنت ایک تن واحد کی شکل میں حقیقتاً تو کجا برائے نام بھی باقی نہ رہی۔ ہسپانیہ نے خود مختار ہو کر علیحدگی اختیار کر لی، اور کچھ زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا کہ قرطبہ میں خلفاء بنو امیہ اور بغداد میں خلفاء بنی عباس دو مقابل کے حریف بن گئے۔ آگے چل کر عباسیوں کی سلطنت کو سو برس سے کچھ زائد گذرے تھے کہ مصر ان کے قبضے سے نکل گیا، اور جس زمانہ میں قرطبہ کے اموی بادشاہ نے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا ہے تو اسی زمانے میں مصر میں فاطمیین کا دخل ہو گیا۔ انھوں نے

افریقیہ، اور روڈس، تھے ان تمام ملکوں کے متعلق یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ کل بازنطینی سلطنت میں شام و فلسطین، مصر، افریقیہ، نومیدیا، اور موریتینیا، کے علاقے دنیا کے سب سے زیادہ شاداب و سرسبز خطوں میں سے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسلامی فتوحات کے بعد رومی سلطنت کی حالت ایک جسم بے جان کی سی رہ گئی تھی۔ اموی اور عباسی خلافت کے دوران میں جو حملے مسلمانوں نے اس سلطنت پر کئے ان میں سے ایک کا بھی جواب وہ نہ دے سکی اور عباسی خلافت کے آخری حصے میں قسطنطنیہ کو اپنے بچاؤ کے لئے یورپ سے مدد مانگنے کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ اگر یہ مدد صلیبی جنگوں کی صورت میں اسے حاصل نہ ہو جاتی تو یقیناً اسی زمانے میں سلجوقیوں کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہو جاتا۔ (مترجم)۔

بھی خلیفہ کا لقب اختیار کیا اور خلافت بغداد سے آزاد ہوگئے۔ شام نے زیادہ تر مصر کا تتبع کیا، اور اب عرب کا ملک عباسیوں اور فاطمیین میں متنازع فیہ رہنے لگا۔ نواح مشرق میں بہت سے ملک عباسیوں کی اطاعت سے باہر ہوکر خود مختار ہوگئے، لیکن یہاں کوئی خلافت قائم نہ ہوئی، اس لئے سمجھنا چاہئے کہ وہ تمام بڑے بڑے علاقے جن سے آل ساسان کی قلمرو مراد تھی اگر حقیقت میں نہیں تو کہنے کو تو ضرور عباسی خلفاء کے تحت میں رہے۔ یہی وسیع قلمرو، جس کی مشرقی سرحد وسط ایشیا کے بیابانوں اور افغانستان کے پہاڑوں سے، اور جس کی مغربی سرحد بازنطینی سلطنت سے ملی ہوئی تھی، بہت سے صوبوں میں منقسم تھی، جن کے حالات اس کتاب کے آیندہ ابواب میں لکھے جائیں گے۔ عربوں کے زمانہ حکومت میں ان صوبوں کے نام اور ان کے حدود اربعہ (جہاں تک تحقیق ہوا ہے) اکثر وہی ہیں جو شاہان ایران کے زمانے میں، تعجب حقیقت یہ ہے کہ مشرق اتنا کم بدلتا ہے کہ اکثر صورتوں میں ان صوبوں کے ناموں اور حدود میں اس وقت تک کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔ حالانکہ سیاسی حالات، اور خاص کر معاشی اور مادی کوائف ملک، جیسا کہ قیاس ہو سکتا ہے، ان تیرہ سو برس میں بہت کچھ تبدیل ہوتے رہے ہیں۔

قبل اس کے کہ اس مضمون پر آگے کچھ لکھا جائے سہولت اس میں معلوم ہوتی ہے کہ جن مختلف صوبوں کے حالات آیندہ ابواب میں بیان ہوئے ہیں ان کی خلاصہ کیفیت، اسی ترتیب سے جس ترتیب سے ان کا اندراج آگے چل کر ہوا ہے، یہاں بیان کردی جائے۔

وہ وسیع نشیبی علاقہ، جس کو یونانی میسوپوٹیمیا کہتے تھے، در حقیقت دریائے فرات اور دریائے دجلہ کا علیہ ہے۔ عباسی خلفاء کے عہد میں دریائے فرات کے آخری حصہ کا گذرگاہ وہ نہ تھا جو فی زمانہ ہے۔ (اس کی پوری کیفیت دوسرے باب میں تحریر کی گئی ہے) نقشہ پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائیگا کہ بنجر اور خشک بادیہ عرب فرات کے مغربی کنارے تک پہونچا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ (۴)
فرات کے داہنی جانب سے کوئی معاون دریا اس میں شامل نہیں ہوتا لیکن دجلہ کی کیفیت اس سے بالکل مختلف ہے۔ ایران کی بلند زمینیں اور کوہستان اس دریا کے مشرقی کنارے سے بہت فاصلے پر اپنا سلسلہ قائم کرتے ہیں۔ بہت سی ندیاں اور نالے

ایران کے پہاڑوں سے اتر کر دجلہ کے بائیں جانب سے اس کے معاون بن جاتے ہیں میسوپوٹیمیا میں آب پاشی کا پورا نظام، جس سے یہ خطہ دنیائے معلوم میں سب سے زیادہ زرخیز بن گیا تھا، ساسانیوں کا ترکہ تھا جو مسلمانوں کو پہونچا۔ اس نظام آب پاشی کو ہم آیندہ توضیح سے بیان کریں گے۔ فی الحال مختصر طور پر اتنا بتا دینا کافی ہے کہ عربوں نے دِجلہ اور فُرات کے درمیانی طویل قطعۂ ارض کو فُرات کے زائد پانی سے اس طرح سیراب کیا تھا کہ اس قطعے کے عرض میں سے بہت سی نہریں فُرات سے دِجلہ کو نکال دیں۔ جن میں فُرات کا زائد پانی بہ کر ادھر اُدھر کی زمینوں کے لئے آب پاشی کا کام دیتا رہا۔ دِجلہ کی مشرقی سمت میں جو علاقے ایران کے پہاڑی سلسلہ تک پھیلے ہوئے تھے وہ کچھ تو ان ندیوں سے، جو ان پہاڑوں سے اترتی تھیں، اور کچھ ایسی نہروں سے سیراب ہوتے تھے جو دِجلہ کے بائیں جانب سے کسی مقام سے نکال کر پھر کسی دوسرے مقام پر دِجلہ سے ملا دی گئی تھیں، اور مشرق کے پہاڑوں سے نکلے ہوئے متعدد چھوٹے چھوٹے دریاؤں سے جب وہ طغیانی میں آتے تھے خود دِجلہ کو مدد ملتی تھی۔

عربوں نے میسوپوٹیمیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا، ایک اَعْلیٰ (بالائی) اور دوسرا اَسْفَل (زیرین)۔ ان میں سے اَسْفَل صوبے سے مراد وہ زرخیز زرعی قطعۂ ارض تھا، جو قدیم زمانہ میں بابلونیا کہلاتا تھا۔ میسوپوٹیمیا کے اسی اسفل حصے کو عرب "العِرَاق" کہتے تھے، اور اس کی شمالی سرحد کو (جو مختلف وقتوں میں بدلتی رہی) ایک ایسا خط سمجھنا چاہئے جو فُرات کے ایک مقام سے دِجلہ کے ایک مقام تک شرقاً غرباً کھینچا گیا ہو، اور یہ مقام ہر دو دریا پر وہاں سمجھا جائے جہاں سے پہلی مرتبہ یہ دونوں دریا آپس کے فصل کو کم کر کے میسوپوٹیمیا کی ہموار زمین پر بہنا شروع کرتے ہیں عباسیوں کے زمانے میں عراق کا سب سے زیادہ ممتاز شہر ظاہر ہے کہ بغداد تھا، لیکن اس خاندان کے صاحب خلافت ہونے سے سو برس پہلے صدر اسلام میں ہی مسلمانوں نے میسوپوٹیمیا کے اس حصے کو فتح کرتے ہی تین بڑے شہر یعنی واسطؔ کوفہ اور بَصرہ آباد کئے تھے، صدہا برس تک نہایت معمور اور بارونق رہے یہ سب شہر مع اَنبار کے جو ساسانیوں کے وقت کا تھا، فُرات کے کنارے بغداد کے علاقے میں تھے، اور عباسیوں کے عہد میں باعتبار آبادی و عراق کے بڑے پررونق

شہروں میں شمار ہوتے تھے۔
زرعی اور زرخیز زمینوں کی سرحد سے شمال کی جانب میسوپوٹیمیا کا اعلیٰ
(بالائی) حصہ تھا اور کہیں کہیں پتھریلے میدان پھیلے چلے گئے تھے، جہاں قدیم زمانے میں نینوہ
کی سلطنت تھی اس بالائی میسوپوٹیمیا کو عرب الجزیرہ کہتے تھے، گو اس کے
لئے زیادہ مناسب لفظ "شبہ جزیرہ" یا "جزوی جزیرہ" ہو سکتا تھا، کیوں کہ (۴)
یہ وسیع علاقہ اگر کلیۃً نہیں تو تقریباً چاروں طرف سے پانی سے گھرا ہوا ہے، اور یہ پانی
فُرات اور دِجلہ کے بالائی حصوں یا اُن ندیوں اور نہروں کا ہے جو ان دونوں
دریاؤں کو پتھریلے علاقے کی جنوبی سمت میں ملاتی تھیں۔ جزیرہ کا علاقہ شمال میں ان
پہاڑوں تک چلا گیا تھا جہاں سے دِجلہ اور فُرات کے دونوں بڑے دریا
نکلے تھے۔ یہ صوبہ تین علاقوں میں منقسم تھا، اور ان علاقوں کے نام ان عرب قبائل کے
ناموں پر تھے جو آل ساسان کے عہد میں یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ اس صوبہ
کے خاص شہر مَوصِل، آمِد اور رَقّہ تھے۔ موصل شہر نینوہ کے ویرانوں
کے قریب، اور آمِد دِجلہ کے بالائی حصہ کے کنارے واقع تھے۔ رَقّہ کا
شہر فُرات کے کنارے اس مقام پر تھا جہاں اس دریا نے بادیۂ عرب کی سرحد
کے قریب ایک بڑا خم کھایا ہے۔ رَقّہ سے ٹھیک مغرب میں بادیہ کے بالکل سرے پر
دمشق کا شہر آباد تھا۔
آگے کے ایک باب میں ان کوہستانی علاقوں کا حال درج ہے جہاں سے
دریائے فُرات کے شمالی سرے والے دو توام دریا نکلتے ہیں (اور جن سے دریائے
فُرات وجود میں آیا ہے) یہ ملک وہ تھا جس کے لئے خلافت اور بازنطینی سلطنت
میں جنگیں برپا رہیں۔ جنگ و پیکار کی موجیں کبھی چڑھیں اور کبھی اتریں، اور ان ہی
کے مطابق کبھی مسلمانوں نے عیسائیوں سے اس ملک کے قلعے اور شہر چھین لئے، اور کبھی
عیسائیوں نے مسلمانوں سے انھیں پھر چھین لیا۔ یہاں عربوں کی حکومت کبھی مستقل طور
سے قائم نہیں ہوئی، اور اسی وجہ سے اس ملک کے مفصل حالات ایک بڑی حد تک
شروع زمانے کی مستند تصانیف میں نہیں ملتے۔ یہی کیفیت قلت معلومات کی بلکہ اس سے
بڑھ کر، اس صوبے کے بارے میں ہے جسے مسلمان "روم" (یعنی رومیوں کا ملک)

بنتے تھے۔ یہ ملک پانچویں/گیارھویں صدی کے آخری حصہ تک بازنطینی سلطنت کا سالم جزو رہا۔ کیونکہ کوہ ٹارس Taurus کا وسیع سلسلہ اس صوبے اور خلافت کے درمیان حد فاصل کے طور پر حائل رہا۔ تقریباً ہر سال اسی سلسلۂ کوہ کے دروں سے مسلمان آناطولیہ کے علاقے پر فوج کشی کیا کرتے تھے۔ کئی بار انھوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا، مگر بے سود۔ ایسے وقت بھی آئے کہ مسلمانوں نے ایشیائے کوچک کے مرتفع علاقوں کے شہر، جن میں قلعے بھی تھے، فتح کر کے ان میں اپنی فوجیں متعین کر دیں۔ لیکن بجز ان وقتی اور عارضی فتوحات اور چند روزہ قبضے کے عباسیوں کو اس ملک کے فتح کرنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ ایشیائے کوچک میں انھوں نے متعدد بار فوج کشی کی، لیکن ملک پر قبضہ نہ ہو سکا۔ اور اسلامی حکومت وہاں اس وقت تک قائم نہ ہوئی جب تک خلافت عباسیہ کے زمانۂ انحطاط میں سلجوقی ان کوہستانی علاقوں کو بازنطینی سلطنت سے چھین کر وہاں آباد نہ ہو گئے۔ اس وقت ایشیائے کوچک یا رُوم اسلامی ممالک میں شمار ہونے لگا، اور یہ کیفیت اب تک چلی آتی ہے۔

الجزیرہ یا بالائی میسوپوٹیمیا کے مشرق میں آذربائجان کا علاقہ تھا، جس کا قدیم نام اتروپاتینی تھا۔ اس کی شمالی سرحد دریائے آرس اور جنوبی سرحد سَفِید رُود سے قائم ہوتی تھی۔ یہ دونوں دریا بحیرۂ خزر (۵)
میں گرتے ہیں۔ اس علاقے کے قدرتی مناظر میں آب شور کی ایک جھیل ہے جسے اُرمِیَّہ کہتے ہیں۔ اسی کے قریب تَبْرِیز اور مَرَاغہ کے شہر اپنے اپنے علاقوں کے صدر مقام تھے۔ ایک دوسرا شہر اَرْدَبِیل مشرق کی جانب بحیرۂ خَزَر کے کنارے کے قریب واقع تھا۔

اس کے آگے کتاب کا جو باب آتا ہے اس میں شمال مغربی سرحد کے چند چھوٹے چھوٹے علاقوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے گیلان یا جیلان کا ذکر ہے، جو بحیرۂ خزر کے کنارے اس مقام پر ہے جہاں کوہ اَلْبُرْز کے سلسلے نے جو ایران کے کوہستانی علاقوں کی سرحد ہے، سَفِید رُود یکلخت باہر آ کر زرعی زمینوں میں، جو خود اسی کی ساختہ ہیں، بہتا ہوا اپنے دہانے ہاتھ کو ایک چھوٹے سے ڈیلٹا کی شکل دے کر بحیرۂ خزر میں گر جاتا ہے۔ اس کے بعد مُوغان کا صوبہ ہے جو ارس اور کُر کے وسط ہوتے دریاؤں کے دہانے پر ہے۔ پھر اَرّان کا

علاقہ ہے جو ان دونوں دریاؤں کے بیچ میں واقع ہے۔ شِروان کا علاقہ دریائے کُر کے شمال میں ہے، اور گرجستان کا علاقہ وہ ہے جس میں اس دریا کا منبع اور شروع کا رہ گذر پڑتا ہے۔ اخیر میں اسلامی ارمینیا ہے، جو دریائے ارس کے منبع اور شروع کے رہ گذر پر حاوی ہے۔ یہ ایک پہاڑی ملک ہے، جو جھیل وَان کے گرد واقع ہے +

علاقۂ آذربائیجان کے جنوب مشرق میں مِیدِیا کا علاقہ ہے جسے عربوں نے اَلجِبَال کا نہایت ہی موزوں نام دیا تھا، کیونکہ یہاں کے پہاڑ زیریں میسوپوٹیمیا کے نشیبی قطعات سے گویا سر پر کھڑے نظر آتے ہیں، اور ان کے سلسلے ایک کے پیچھے ایک مشرق کی سمت میں وسطِ ایران کے بادیہ کی سرحد تک چلے گئے ہیں۔ علاقۂ جبال کا مغربی حصہ بعد کے زمانے میں جب کُردوں کو شہرت اور قوت حاصل ہوئی، کُردِستان کہلانے لگا، اور ازمنۂ وسطیٰ کے آخری دور میں نام کی ایک غلطی سے جس کا حال اس کے موقع پر بیان ہوگا اس علاقہ کو عراق عرب کے مقابلے میں جس سے مراد میسوپوٹیمیا کا زیریں حصہ تھی، اکثر عراق عجم کہنے لگے تھے۔ صوبہ جبال میں بہت سے بڑے بڑے شہر تھے۔ مغرب میں کرمان شاہ اور ہَمَدَان اس کے شہر تھے (ہَمَدَان وہی ہے جو قدیم زمانے میں اکبٹانا کہلاتا تھا) شمال مشرق میں رَے (جس کا پرانا نام رھیگس تھا) اور جنوب مشرق میں اِصْفَہَان کا شہر آباد تھا۔ بعد کے زمانے میں ایران کے مغلوں نے اس صوبہ کے شمالی قطعات میں سُلطانیہ کا شہر آباد کیا، جو ایک وقت میں اس لحاظ سے بغداد کا قائم مقام ہوگیا کہ اس نواح میں وہ مغلوں کی اس سلطنت کا جس میں میسوپوٹیمیا اور ایران دونوں شامل تھے، دارالسلطنت قرار پایا۔ صوبہ جبال کے پہاڑوں سے بہت سے دریا (٦)
نکلتے تھے۔ ان میں ایک کا دُجَیل ہے جسے عرب دُجَیل (یعنی چھوٹا دجلہ) کہتے ہیں۔ یہ دریا ایک طولانی مسافت میں بہت سے پیچ و خم کھاتا ہوا خلیج فارس کے شمالی سرے پر دِجلہ و فُرات کے متحدہ دہانے پر سمندر میں گرجاتا ہے۔

صوبۂ خُوزِستان میڈیا کے جنوب اور زیریں میسوپوٹیمیا (عراق) کے مشرق میں واقع ہے + اس علاقے سے مراد وہ سرزمین ہے جس میں دریائے

کارُون یا دُجَیل کا آخری حصہ مع اس کے متعدد معاون دریاؤں کے گذرتا ہے یہ علاقہ بہت زرخیز تھا، اور تُستَر اور اَهوَاز اس کے بڑے شہر تھے۔ اس کی زمینیں، جن میں آب پاشی بکثرت ہوتی تھی، بڑی سیر حاصل تھیں۔ خُوزِستان کے مشرق میں خلیج فارس کے ساحل سے ملا ہوا فارس کا بڑا صوبہ یعنی (پرسیس) ایرانی شہنشاہیت کا گہوارہ واقع تھا۔ عباسیوں کے عہد میں بھی اس کی تقسیم ان ہی پانچ کُورون یا اضلاع میں برقرار رہی جو بنی ساسان کے بادشاہوں کے زمانے میں قائم ہو چکی تھی۔ فارس چھوٹے بڑے شہروں سے پٹا پڑا ہے۔ ان میں شِیراز، جو مستقر حکومت تھا، اِصطَخر (پرس پولس)، یَزد، اَرَّجان، اور دَارابجِرد بڑے شہر تھے۔ خلیج فارس کے جزائر علاقۂ فارس میں شمار ہوتے تھے، اور جن میں سے قیس، ھُرمُز کی ترقی سے پہلے تجارت کا بڑا مقام تھا۔ اس علاقے کے قدرتی مناظر میں بَختَگان کی جھیل بڑی چیز ہے، اس کا پانی کھاری ہے۔ یہ جھیل اور اور پانی کے چھوٹے چھوٹے قطعات پہاڑوں کی وسیع و عریض وادیوں میں واقع ہیں۔ یہ پہاڑ صوبہ جبال کے کوہستانی سلسلوں کی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، شاخیں ہیں۔ فارس میں دارابجرد کا ضلع مغلوں کے زمانے میں ایک علیحدہ صوبہ شمار ہونے لگا اور اس کا نام ساتویں (تیرھویں) صدی میں شَبانکارہ ہو گیا۔ یَزد کا علاقہ بھی زمانۂ وسطیٰ کے آخری دور میں صوبۂ جبال میں شامل کر لیا گیا۔

فارس کے مشرق میں کِرمَان کا صوبہ کم زرخیز اور دریاؤں سے تقریباً محروم ایران کے بادیہ کے کنارے واقع تھا۔ عباسیوں کے عہد میں اس صوبہ کے دو دار الحکومت سیرجان اور کرمان کے شہر تھے۔ ان کے علاوہ دو اور بڑے شہر، ایک ھُرمُز سمندر کے کنارے، اور دوسرا جِیرُفت اندرونی ملک میں، واقع تھے۔ یہ اخیر کا شہر اس زمانے میں بہت بڑی تجارت گاہ تھا۔ ایران کی سطحات مرتفع میں وسط ملک کا صحراءِ اعظم مناظرِ قدرت میں سب سے نمایاں چیز ہے۔ یہ شور ریلا اور بنجر قطعۂ زمین جنوب مشرقی سمت میں پھیلتا ہوا ملک میں وتراً واقع ہے۔ تہامہ کے پہاڑوں کے نیچے سے، جن کی پشت پر بجانب شمال بحیرۂ خزر ہے، ایک چوڑی پٹی کی شکل میں یہ صحرا بڑھنا شروع ہوتا ہے، بلکہ یہ بہیئت مجموعی

اس کی مثال ایک ایسی نشیبی زمین کی سمجھنی چاہئے جو سروں پر کسی قدر مدوّر اور بیچ میں مستطیل ہو۔ اس کا نیچے والا سرا یعنی جہاں یہ سرا ختم ہوتا ہے، مَکران کی پہاڑیوں تک پہونچتا ہے۔ مَکران کا علاقہ بحر ھند کے ساحل سے ملحق ہے۔ اس بادیہ میں چھوٹے چھوٹے سرسبز و شاداب نخلستان، جیسے کہ خشک ریگستانوں میں ہوا کرتے ہیں، بہت کم ہیں۔ اس کے اکثر بنجر حصے سفید شورے سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ موسم سرما میں اس بادیہ سے گذرنا دشوار نہیں ہوتا۔ طول (۷)
میں اس کے دونوں کناروں کے قریب جو شہر شہر آمنے سامنے آباد ہیں، ان کے درمیان جو راستے بادیہ میں سے ہو کر نکلے ہیں وہ بخوبی واضح اور نمایاں ہیں۔ برخلاف اس کے صوبجات کِرمان و فارِس، جو اس کے جنوب مغرب میں ہیں، اور مشرقی صوبے، جو مشرق کی سمت میں اس کی حدود سے باہر ہیں (یعنی خراسان، اور خراسان سے جنوب مشرق میں سیستان) ان کے مابین کسی مسلسل آمد و رفت کے لئے یہ صحرا ایک سخت رکاوٹ ہے؛ اور یہ رکاوٹ ایران کی تاریخ میں از اول تا آخر اپنا اثر دکھاتی رہی ہے۔ مسلمان جغرافیہ نویسوں نے اس بڑے ریگستان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کو بیان کرنے کے بعد کتاب کے اسی باب میں صوبہ مَکران کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ یہ صوبہ مشرق کی طرف ھندوستان سے جا ملتا ہے، اور ان پہاڑوں تک پہنچتا ہے جو دریائے سندھ کی گھاٹی پر چھائے ہوئے ہیں۔ اس پہاڑی علاقے کے ایک حصہ کا نام بلوچستان ہے۔ ان علاقوں کی نسبت پوری پوری معلومات ان تصانیف میں نہیں ملتیں جو ہماری کتاب کا ماخذ ہیں۔

صوبۂ مَکران کے شمال اور صوبۂ کِرمان کے سامنے والے تنگ حصہ صحرا کے اس پار سجستان یا سیستان کا وسیع صوبہ ایک بہت بڑی مگر کم گہری جھیل کے مشرق میں واقع ہے۔ اس جھیل کا نام زَرَہ ہے۔ دریائے ھِلمند اور اور بہت سے دریا افغانستان کے بلند پہاڑوں سے جو کابُل اور غزنہ کے شمال میں ہیں، جنوب مغربی سمت میں بہتے ہوئے اس جھیل میں گرتے ہیں۔ یہیں قندھار کا شہر دریائے ھلمند کے دو معاون دریاؤں کی درمیانی ہموار زمین پر واقع ہے۔ جہاں دریائے ھلمند جھیل زَرَہ میں گرتا ہے وہیں سیستان کا صدر مقام زَرَنج واقع ہے؛ اس جھیل کے شمال مغرب میں بادیہ کے بالکل کنارے

ایک پہاڑی علاقہ ہے جس کو اَبْ قُوہِسْتان کہتے تھے۔ اس کے بڑے شہر تُون
اور قاین تھے، جن کا ذکر مشہور سیاح مارکوپولو نے تونوکین کے نام سے کیا ہے۔
اس طرح پر سجستان اور قوہستان سے ایران کے مشرقی
صوبہ یعنی خراسان کی جو اس ملک کا وسیع ترین صوبہ تھا، سرحد
قائم ہوتی تھی۔

لیکن اس صوبے کا ذکر کرنے سے پہلے بہتر یہ معلوم ہوگا کہ قُومِس، طَبَرِسْتان
اور جُرجان کے تین چھوٹے چھوٹے صوبوں کے حالات جو آگے کے باب کا موضوع ہیں،
بیان کر دیئے جائیں۔ قُومِس کا صوبہ جس کا صدر مقام دامغان تھا، رے کے مشرق
میں ایران کے بادیہ کی شمالی سرحد سے ملا ہوا طولاً واقع تھا۔ اور کوہ اَلبُرز کے
سلسلے کی جنوبی پہاڑیاں اس میں شامل تھیں۔ یہ سلسلۂ کوہ ایران کی سطح مرتفع کو بحیرہ
خزر سے جدا کرتا ہے۔ ان پہاڑوں اور زیادہ تر ان کے شمالی حصے سے جو بحیرہ خزر
کی طرف ڈھلوان پر واقع ہے، طَبَرِسْتان کا صوبہ مراد تھا، جس کا دوسرا نام
مازَنْدَران تھا۔ صوبہ طبرستان مغرب میں گیلان اور سفیدرود
کے ڈلتا سے شروع ہو کر بحیرہ خزر کے جنوب مشرقی کنارے تک پہنچا تھا۔ یہاں
طبرستان کی سرحد جُرجان یا گُرگان سے مل جاتی تھی جسے قدیم زمانے (۸)
میں ہرکانیا کہتے تھے۔ صوبہ جُرجان میں دو وادیاں شامل تھیں جو دریائے
اَترَک اور دریائے جُرجان سے سیراب ہوتی تھیں۔ اور اسی دریائے جُرجان
کے کنارے صوبہ کا صدر مقام جُرجان واقع تھا۔ صوبہ جرجان سمت
مشرق میں بحیرہ خزر سے شروع ہو کر اس صحرا تک پہنچتا تھا، جو خراسان کو دریائے
سیحون کے ڈلٹا والے مزروعہ قطعات سے الگ کرتا تھا۔ سیحون کے ڈلٹا والی
مزروعہ زمینوں سے مراد خوارزم کا صوبہ ہے۔

خراسان کے موجودہ صوبے کو اس وسیع قطعۂ زمین کا محض نصف
سمجھنا چاہئے جو عباسیوں کے عہد میں بلکہ اس کے بعد بھی صوبہ خراسان کے نام سے
پکارا جاتا تھا۔ کیونکہ اس عہد میں اس صوبے میں وہ ملک شامل تھا جو اب افغانستان کا
شمالی مغربی علاقہ سمجھا جاتا ہے۔ زمانہ وسطیٰ کے خراسان کی سرحد مشرق میں بدخشان

تک اور شمال میں دریائے سیحونؔ اور [illegible] خوا[illegible] تھے مسلمان جغرافیہ نویس خراسانؔ کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ہر ایک حصہ اپنے صدر مقام کے نام مشہور تھا۔ یہ چار حصے نیشاپورؔ، مروؔ، ہراتؔ اور بلخؔ تھے۔ طبعی لحاظ سے خراسان کے بڑے مناظر اس کے دو دریا، ہرات رُوذ اور مرو رُوذؔ تھے جو اس ملک کے پہاڑوں سے جسے اب افغانستانؔ کہتے ہیں نکل کر اور شمالی سمت اختیار کرکے چلتے چلتے خوارزم کے ریگستان میں غائب ہو جاتے ہیں، اور کسی سمندر یا جھیل میں نہیں گرتے۔

اس سے آگے کے باب میں دریائے جیحونؔ کے بالائی گذرگاہ اور چند چھوٹے چھوٹے صوبوں کا حال آتا ہے جو بدخشانؔ سے مغرب میں پھیلے ہوئے دریائے جیحونؔ کے شمال میں اس کے داہنے کنارے والے معاون دریاؤں پر واقع ہیں۔ اس کے بعد دریائے جیحونؔ کے ڈیلٹا کا حال آتا ہے جو بحیرہ آرال کے جنوب میں ہے۔ اس ڈیلٹا کے قطعات سے مراد صوبۂ خوارزم ہے۔ اس صوبہ کا پرانا صدر مقام اُرگنجؔ تھا۔ کتاب کے اسی باب میں چند صفحات اس بحث کی نذر ہوئے ہیں کہ دریائے جیحونؔ کا قدیم گذرگاہ کدھر تھا۔ جیحونؔ اتر کر اس دریا اور سیحونؔ کی درمیانی زمین میں سُغدؔ کا صوبہ تھا جس کا قدیم نام سگدیانیا تھا۔ اسی صوبہ سُغدؔ میں دریائے سُغدؔ پر سمرقندؔ اور بخاراؔ کے دو بڑے شہر آباد تھے۔ یہ حالات کتاب کے سب سے آخری باب میں دریائے سیحونؔ کے کنارے والے چھوٹے چھوٹے صوبوں کی یعنی فرغانہؔ کے صوبے سے شروع کرکے شاشؔ اور اسبیجابؔ کے صوبوں تک بیان ہوئے ہیں۔ فرغانہؔ کا صوبہ چین کے ریگستان کی سرحد کے قریب ہے اور اس کا صدر مقام اخسیکثؔ تھا۔ شاش کا نام آجکل تاشقندؔ ہے اور اسبیجابؔ اس کے شمال میں واقع ہے۔ اسبیجاب سے دریائے جیحونؔ بہت ہی خشک اور بنجر ریگستانوں سے بہتا ہوا بحیرہ آرال کے شمالی حصہ میں گر جاتا ہے۔ مشرق بعید کے ان شمالی ملکوں کا حال جو وسط ایشیا سے بھی باہر نکلے ہوئے ہیں ابتدائی زمانے کے عرب جغرافیہ نویس لکھتے ہیں، لیکن بہت مجمل اور مختصر۔ یہ ممالک دراصل ترکی ممالک تھے، جب مغلوں نے ان پر یورشیں کیں تو وہ نظروں میں ابھرنے لگے۔ افسوس ہے کہ اس زمانے کے حالات صحیح صحیح دریافت نہیں ہوتے۔ عرب جغرافیہ نویس یہاں ہم کو اکثر مایوس کرتے

ہیں۔ ایرانی اور ترکی مصنفوں کی طرف اگر رجوع کیجئے تو وہ عربوں کی قائم مقامی کا پورا حق ادا نہیں کرتے۔

مسلمانوں میں ہر صاحب نصاب کا مذہبی فرض ہے کہ وہ اپنی عمر میں ایک مرتبہ ضرور حج کرے۔ عباسیوں کے عہد میں جب اسلامی سلطنت اپنی انتہائی وسعت کو پہنچ گئی تو سڑکوں کا ایک مکمل سلسلہ قائم کرکے حج میں بہت سہولتیں پیدا کی گئیں۔ یہ سب سڑکیں بغداد پر ختم ہوتی تھیں، اور یہیں مشرق بعید کے حاجی حجاز جانے کے لئے دِجلہ کو عبور کیا کرتے تھے۔ سڑکوں کے اس سلسلے کو جو عربوں کو ساسانیوں سے ملا تھا، جغرافیہ نویسوں نے اپنے اپنے زمانے کی کیفیت کے مطابق تفصیل سے بیان کیا ہے، اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان بڑی بڑی سڑکوں کا جو متذکرۂ صدر صوبوں میں سے گذرتی تھیں، یہاں مختصراً ذکر کر دیا جائے۔

سڑکوں میں سب سے زیادہ مشہور سڑک خُراسان کی تھی، جو مشرق کی طرف گئی تھی۔ اور بغداد کو دریائے سیحون کے سرحدی شہروں سے، جو چین کی سرحد پر واقع تھے، ملا دیتی تھی۔ اور یہی سڑک وہ ہے جس کا حال دوسری سڑکوں کے مقابلے میں غالباً سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ یہ سڑک مشرقی بغداد سے چل کر ایک وسیع زمین پر سے گذرتی تھی، اور بے شمار ندیوں کو عبور کرتی ہوئی جن پر نہایت عمدہ پل بندھے ہوئے تھے، حُلوان تک پہنچتی تھی، جو اس درّہ کوہ کے نیچے واقع تھا جہاں سے ایران کی سطحات مرتفع کو راستہ جاتا تھا۔ حُلوان سے یہ سڑک صوبہ جبال میں داخل ہوتی تھی اور بڑی چڑھائی کے بعد کُردستان کے صدر مقام کِرمان شاہ تک آتی تھی۔ شمال مشرق میں صوبہ جبال کو قطع کرنے کے بعد ہمدان سے ہوتی ہوئی وہ رَے پہنچتی تھی۔ رَے سے آگے بڑھ کر یہ سڑک قریب قریب مشرقی رُخ اختیار کرتی ہوئی قومس کے صوبے میں سے اس طرح گذرتی تھی کہ طبرستان کے پہاڑ اس کے بائیں جانب، اور ایران کا صحرائے اعظم اس کے جنوب میں رہتا تھا، اس کے بعد یہ سڑک بسطام کے قریب ہو کر خراسان کے صوبے میں داخل ہو جاتی تھی۔ آگے چل کر وہ نیشاپور اور نیشاپور سے طوس اور طوس سے مرو میں آتی تھی، اور مرو سے آگے ریگستان کو طے کرکے دریائے جیحون کے کنارے آمل کے مقام پر پہنچتی تھی، اور آمل سے صوبہ سُغد میں پہلے بخارا اور پھر سمرقند

آتی تھی۔ سَمَرقَند سے شرق کی جانب کچھ فاصلہ پر زامِین کے مقام پر اس سڑک کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں۔ بائیں طرف والی شاخ شاش (یا تاشکند) کو جاتی تھی؛ اور وہاں سے دریائے جَیحُون کے حصۂ زیرین پر اُتْرار کے گھاٹ پر جہاں دریا پایاب تھا، پہنچتی تھی۔ دوسری سڑک زامِین سے چل کر دائیں ہاتھ کو مُڑ کر فَرغانہ اور بالائی سَیحُون کی طرف جاتی تھی۔ اور فَرغانہ کے صدر مقام اَخسِیکَت تک آنے کے بعد اُوزکَند پہنچتی تھی جو چین کے ریگستان کے کنارے واقع تھا۔

(۱۰) غرض خُراسان کی عظیم الشان سڑک اپنے پورے بعد و مسافت میں یہ تھی جو اوپر بیان ہوئی۔ اور اب تک ڈاک کی سڑکیں جو ایران سے گذرتی ہیں، اور جن کا مرکز اب قدیم رَیْ کے قریب طہران شہر ہے، اسی طول وطویل راستے کی پابند ہیں جن کو شروع زمانے کے عرب جغرافیہ نویسوں نے بیان کیا ہے + عباسی خلافت کے خاتمے کے بعد تاتاریوں نے سُلطانِیہ کا شہر آباد کر کے اسے اپنا دار السلطنت قرار دیا تو سڑکوں کے نظام میں بھی کسی قدر تبدیلی کر لی۔ لیکن یہ تبدیلی اس سے زیادہ نہ تھی کہ ہمدان سے ایک سیدھی سڑک سُلطانِیہ کو نکال دی؛ اور سُلطانِیہ کچھ مدت کے لئے ان اطراف میں سڑکوں کا مرکز ہونے کے سبب سے رَیْ کا قائم مقام ہو گیا۔

عباسی خلافت کے ابتدائی عہد میں خُراسان کی سڑک پر جتنے بڑے بڑے شہر تھے وہاں سے دائیں بائیں ایران کے مختلف حصوں کو سڑکیں جاتی تھیں مثلاً کِرمان کے قریب ایک مقام سے ایک سڑک شمال کی طرف تبریز کو اور جھیل اُرمِیَہ کے کنارے دوسرے شہروں کو جاتی تھی، اور اسی سڑک کو آگے بڑھا کر آذَربِیجان اور آذربیل کے دریائے اَرَس کے کنارے کے شہروں تک پہنچایا گیا تھا۔ ہمدان کے جنوب مشرق میں ایک سڑک اِصفہان کو جاتی تھی؛ اور رَیْ سے شمال مغرب کی طرف زَنجان تک جو مقامات راستے میں پڑتے تھے۔ ان کے فاصلے بیان کئے گئے ہیں۔ صوبۂ خراسان کا شہر نیشاپور بہت سی سڑکوں کا مرکز تھا۔ وہاں سے جنوب کی طرف ایک سڑک طَبَس کو جاتی تھی؛ جو قُوہِستان کے صوبے میں ایران کے ریگستان اعظم کے بالکل کنارے واقع ہے۔ نیشاپور سے ایک سڑک قایِن کو نکلی تھی۔ اور نیشاپور ہی سے ایک اور سڑک جنوب مشرق میں ہرات کو جاتی تھی۔ اور ہرات سے یہ سڑک صوبۂ سیستان کے شہر زرنج

کو پہنچتی تھی۔ ہمدان سے ایک سڑک دریائے ہمدان کے کنارے کنارے مرو الروذ تک آتی تھی۔ یہاں وہ اس سڑک سے مل جاتی تھی جو ہرات سے آکر آگے بلخ اور دریائے سیحون پار والے مشرقی سرحد کے مقامات تک گئی تھی۔ آخیر میں بخارا سے شمال مغرب کی جانب خوارزم کے صوبے میں شہر اُرگنج کو اور جنوب مغرب کی جانب دریائے سیحون کے شہر ترمذ کو جو بلخ کے سامنے تھا، سیدھی سڑکیں گئی تھیں۔

خراسان کی سڑک کا پورا سلسلہ یہاں ختم ہو جاتا تھا۔ اب ہم کو پھر سڑکوں کے مرکز کی طرف عود کرکے، یعنی بغداد واپس آکر، بڑی سڑکوں کا حال جو یہاں سے مختلف اطراف میں گئی تھیں، لکھنا ضروری ہے۔ بغداد سے دجلہ کے کنارے کنارے اس کے بہاؤ کے رخ ایک بڑا راستہ واسط سے گذرتا ہوا بصرہ گیا تھا۔ بصرہ خلیج فارس کی تجارت کا بڑا بندرگاہ تھا۔ بیچ میں جس قدر بڑی منزلیں اور مرحلے آتے تھے ان کے فاصلے خشکی اور تری دونوں راہوں کے اعتبار سے عربی جغرافیہ نویسوں نے بیان کیے ہیں۔ واسط اور بصرہ دونوں شہروں سے خوزستان کے شہر اہواز کو جدا جدا راستے سے پہنچ سکتے تھے۔ اہواز سے بڑی سڑک مشرق کی سمت میں سیدھی صوبہ فارس کے شہر شیراز کو گئی تھی۔ شیراز خود بہت سی سڑکوں کا مرکز تھا، یہاں سے شمال میں اصفہان اور اس کے آگے رے کو سڑک جاتی تھی، ایک سڑک شمال مشرق میں یزد ہوتی ہوئی صحرا کو طے کرکے طبس سے نیشاپور کو راستہ تھا، مشرق میں کئی راستوں سے سیرجان اور کرمان کو پہنچ سکتے تھے، اور پھر کرمان سے مشرق ہی کی طرف، صحرا سے گذرتا ہوا سیستان (سجستان) کے شہر زرنج کو راستہ جاتا تھا، جنوب مشرق اور جنوب میں (11)
شیراز سے ایک ایک راستہ خلیج فارس کے دو بندرگاہوں کو گیا تھا، ان میں سے ایک دارابجرد ہوتا ہوا ہرمز کے قریب سورو تک گیا تھا، اور دوسرا سیراف پہنچتا تھا، جو ایک زمانے میں فارس کا خاص بندرگاہ تھا۔

اب اگر ہم ایک مرتبہ پھر بغداد پہنچتے ہیں، جو راستوں کا مرکز ہے، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ والی حاجیوں کی سڑک بغداد سے مغرب سے چل کر جنوب کی سمت میں ریگستان عرب کے کنارے کوفہ پہنچتی تھی اور عرب کے ریگستان کو تقریباً خط مستقیم طے کرتی ہوئی حجاز پہنچ جاتی تھی۔ حاجیوں کی ایک دوسری سڑک پہلی

سڑک کے متوازی جاتی تھی، پھر یہ کیفیت نہ رہتی تھی لیکن دونوں سڑکیں مَکّۂ مُعَظّمہ سے شمال میں جہاں مَکّۂ مُعَظّمہ صرف دو منزل رہ جاتا تھا مل جاتی تھیں۔ بَغداد سے شمال مغرب میں ایک سڑک دریائے فُرات کے کنارے شہر اَنبار کو جاتی تھی، اور پھر اسی دریا کے چڑھاؤ کے رخ دریا کے کنارے رَقّہ پہنچی تھی۔ رَقّہ سڑکوں کے لئے ایک مرکزی مقام تھا۔ یہاں سے کئی سڑکیں شام کے ریگستان کو طے کرتی ہوئی دِمَشق کو گئی تھیں، بہت سی اور سڑکیں تھیں جو شمال میں رومی سرحد کے شہروں کو جاتی تھیں آخیر میں بَغداد سے شمال کی طرف دِجلہ کے چڑھاؤں کے رخ دریا کے دونوں طرف کنارے کنارے مُوصَل کو سڑکیں گئی تھیں۔ ان میں ایک آمِد پہنچتی تھی، اور دوسری جنوب مغرب میں دریائے فُرات کے کنارے کے شہر قَرقِیسیا جاتی تھی۔ آمِد سے بہت سی سڑکیں رومی علاقہ کے سرحدی قلعوں اور شہروں کو گئی تھیں۔

عباسیوں کے عہد کی سڑکوں کا سلسلہ مختصراً یہی تھا جو اوپر بیان ہوا۔ بَغداد اس سلسلہ کا مرکز تھا۔ اور برید کے ذریعے دار الخلافہ کو سلطنت کے دور و دراز حصوں سے ملائے رکھتا تھا۔ اس سلسلہ کا ذکر عرب کے جغرافیہ نویسوں نے بالتفصیل کیا ہے۔ بہتر ہو گا کہ حوالے اور سند کی غرض سے یہاں ان جغرافیہ نویسوں کا مختصر حال بہ ترتیب وقت لکھ دیا جائے جن کی تصانیف کو مستند سمجھ کر ہم نے ان سے اس کتاب کے آیندہ ابواب میں استفادہ کیا ہے[1]

ہمارے قدیم تر مصنفوں کا زمانہ تیسری (نویں) صدی ہے اور عربوں کی کتب جغرافیہ، جو انھوں نے ابتداء میں لکھیں کتب مسالک کی صورت رکھتی تھیں، یعنی ان میں مختلف سیر و سفر کے دوران میں، جو جو مقامات آئے ہیں وہ مقامات، ان کے راستے اور باہمی فاصلے نہایت تفصیل سے درج ہوئے ہیں۔ اور کہیں کہیں مختصر حالات ان شہروں کے

[1] مزید تفصیل کے لئے دیکھو مصنف کی کتاب Palestine under the Muslims (لنڈن سنہ ۱۸۹۰ء) مقدمہ کتاب! اور ابو الفداء کی جغرافیہ کے فرانسیسی ترجمہ (مترجمہ ایم رینو Reinaud کا مقدمہ۔ (پیرس سنہ ۱۸۴۸ء) +

بھی بیان کئے گئے ہیں، جہاں سے زمانہ سفر میں گذر ہوا ہے۔ ہر صوبے کی آمدنی اور پیداوار
بھی اپنی اپنی جگہ بیان ہوئی ہے۔ ان کتب مسالک میں سے اس وقت ہمارے پاس چار موجود
ہیں۔ یہ سب نہایت ضروری اور قابل قدر ہیں۔ اگر ایک میں کچھ کمی محسوس ہوتی ہے تو دوسری اُسے
پورا کردیتی ہے۔ کیونکہ ان کتابوں کے اکثر مقامات اور عبارتیں ہم تک ناقص صورت میں پہنچی ہیں۔ ان (۱۲)
تیسری (نویں) صدی کی کتب مسالک کے مصنف ابن خُرداذبہ، قُدامہ یعقوبی
اور ابنِ رُستہ ہیں۔

ان میں پہلے دو مصنفوں کی کتابیں مضمون کے لحاظ سے تقریباً ایک ہی ہیں۔
ابن خرداذبہ صوبہ جبال کا حاکم برید اور قدامہ دیوان الخراج
کا ایک اہل کار تھا۔ ان دونوں کی کتابوں میں خُراسان کی بڑی سڑک اور اور بڑی
سڑکوں پر جن کی ابتدا بغداد سے ہوئی تھی جو جو مقامات دوران سفر آئے ہیں، ان کے
فاصلے منزل بہ منزل درج کئے گئے ہیں۔ اس کیفیت کا خلاصہ ہم اوپر کے پیراگرافوں میں تحریر
کر چکے ہیں۔ دقت یہ ہے کہ یعقوبی کی تصنیف ہم تک مکمل حالت میں نہیں پہنچی۔ بہر حال
بغداد کے مفصل حالات کے لئے ہم اسی مصنف کے ممنون ہیں۔ جب ان حالات کو اور جو
حالات ابن سراپیون نے بغداد کے لکھے ہیں ملا کر پڑھا تب ممکن ہوا کہ عباسیوں
کے دار الخلافہ کی مقامی کیفیت کی پوری پوری تحقیق ہو سکے۔ اس کے علاوہ یعقوبی
نے اور بہت سے شہروں کی نسبت قابل قدر معلومات پیش کی ہیں۔ صوبہ عراق میں سے
جو بڑی سڑکیں گذری ہیں، ان کے حالات صرف اسی مصنف کی کتاب میں تفصیل سے ملتے
ہیں۔ اس کے ہم عصر ابن سراپیون کی کتاب کا محض ایک حصہ ہم کو ملا ہے، لیکن اس
حصے کا مضمون مع بغداد کے حالات کے جو اس نے تحریر کئے ہیں میسوپوٹیمیا
کے دریاؤں اور نہری سلسلوں کو سمجھنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ پھر اس کے
علاوہ اس نے دوسرے صوبے کے دریاؤں کو بھی مختصراً بیان کیا ہے۔ ابنِ رُستہ
نے بھی یعقوبی کے انداز پر اپنی کتاب لکھی ہے، اور بہت شہروں کے مزید حالات لکھے ہیں،
لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس نے مشہد کے قریب طُوس تک خراسانی
شاہراہ کا نہایت ہی تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، اور اُس کی بعض شاخوں کا بھی خصوصاً
ان کا جو اصفہان اور ہرات، باقی تینوں ذکر کیا ہے۔ ابنِ رُستہ ہی کتاب میں بغداد سے

جنوب کی طرف کُوفَہ اور بَصْرَہ جانے والی سڑکوں، اور بَصْرَہ سے مشرق میں شِیرازؔ کی سڑک کا حال ملتا ہے۔ اس نے ان تمام سڑکوں کے متعلق نہ صرف فاصلوں اور منزلوں کا حال لکھا ہے، بلکہ زمین کی صحیح صحیح کیفیت بھی، جس پر سے یہ سڑکیں گذرتی تھیں، بیان کی ہے، اور بتلایا ہے کہ زمین اگر پہاڑی ہے تو راستہ میں اتار ہے یا چڑھائی یا سڑک ایسی زمین پر سے گذرتی ہے جو ہموار ہے۔ اِبْن رُسْتَہ کے بیانات اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل قدر ہیں کہ ان سے پرانے راستوں کی ٹھیک ٹھیک شناخت ہوسکتی ہے، اور بہت سے معدوم شہروں کا اصلی موقع محل بھی تحقیق ہوسکتا ہے۔ ایک دوسرا مستند مصنف ابن فقیہ ہے جو ابن رُسْتَہ کا ہم عصر تھا، اس نے فن جغرافیہ پر ایک عجیب مخلوط قسم کی کتاب لکھی ہے۔ افسوس ہے کہ اس کتاب کا محض ایک ملخص ہم تک پہنچا ہے۔ اس ملخص میں بعض حالات ایسے ملتے ہیں کہ ان سے پرانے مصنفوں کے بیانات میں اگر کمی پڑ گئی ہو تو وہ پوری ہوسکتی ہے۔ اور اگر غلطیاں ہوئی ہوں تو ان کی صحت ہوسکتی ہے۔ [۱]

جغرافیہ کو باقاعدہ لکھنے والے مصنف چوتھی (دسویں) صدی سے شروع ہوتے (۱۳)
ہیں یہ لوگ اسلامی سلطنت کے ہر ایک صوبے کا حال یکے بعد دیگرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ لیکن بڑی شاہ راہوں کا حال مختصر لکھتے ہیں اور وہ بھی صرف ان ٹکڑوں کا جو کسی صوبے میں سے گذرتی تھیں۔ ان مصنفوں کی کتابیں بہرصورت گذشتہ کتب مسالک سے بہت کچھ آگے قدم بڑھائے ہوئے ہیں، اور ان ہی کی بدولت ہم وہ تمام تفصیلی حالات لکھنے پر قادر ہوئے ہیں

---

[۱] ابن خرداذبہ، قدامہ، یعقوبی، ابن رستہ، اور ابن فقیہ کی تصنیفات پروفیسر ڈی خویہ نے اپنے سلسلہ (Bibliotheca Geographorium Arabicorum) کی جلد ۵، ۶، اور ۷ میں بعد تصحیح چھپوائی اور شائع کی ہیں۔ جلد ششم میں اس نے فرانسیسی ترجمہ اور مقدم الذکر دو مصنفوں کے متعلق نہایت مفید حواشی کا اضافہ کیا ہے۔ ابن سراپیون کا متن جس میں میسوپوٹیمیا کا حال ہے سنہ ۱۸۹۵ء (صفحہ ۹) کے۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ میں طبع ہوچکا ہے۔ موجودہ کتاب میں جس قلمی نسخے کا ذکر ہے وہ برٹش میوزیم میں موجود ہے (ADD. 23,379)۔ یعقوبی جغرافیہ کے علاوہ ایک تاریخ کا مصنف بھی ہے، جس کا متن پروفیسر ایم۔ ٹی۔ ہاؤتسما نے سنہ ۱۸۸۳ء میں شائع کیا تھا۔ اس میں بھی اکثر نہایت مفید جغرافی معلومات ملتے ہیں + ۱۲

جو آیندہ ابواب میں نظر آئیں گے۔ ان میں سب سے پرانے مصنف اصطخری، ابن حوقل اور مُقدّسی ہیں یہی وہ مصنف ہیں جن کے ہم اس کتاب کے لکھنے میں سب سے زیادہ احسانمند ہیں۔ ابن حوقل کی کتاب گویا اصطخری کی کتاب کا جدید نسخہ ہے جس میں کہیں کہیں ترمیم و اضافہ پایا جاتا ہے۔ اصطخری نے جو پرسی پولس (اصطخر) کا رہنے والا تھا، اپنے وطن کی سرزمین، یعنی صوبۂ فارس کا حال بہ نسبت ابن حوقل کے زیادہ تفصیل سے لکھا ہے، برخلاف اس کے ابن حوقل نے فارس کے لئے اپنی کتاب کا اسی قدر حصہ وقف کیا ہے جو کتاب کے حجم کے لحاظ سے وہ دوسرے صوبوں کے حالات کے مقابلے میں کر سکتا تھا۔ ان دونوں مصنفوں کے معاصر مقدسی نے اپنی کتاب خاص اپنے ہی ڈھنگ پر لکھی ہے۔ عربی جغرافیہ نویسوں نے جس قدر کتابیں لکھی ہیں ان میں مُقدسی کی تصنیف کا اعلیٰ ترین تقریباً درست اور طبع زاد ہونا یقینی ہے۔ مقامات کی کیفیت، باشندوں کی معاشرت، ان کے رسم و رواج، زمین کی پیداوار، مقامی مصنوعات، اور پھر ہر صوبے کی خصوصیات کا احتیاط کے ساتھ خلاصہ لکھنا حقیقت میں ایسی تحریریں ہیں جن کو عہد وسطیٰ کی عربی ادبیات میں بہترین سمجھنا چاہئے۔

یہاں اتنی بات اور یاد رکھنی چاہئے کہ اس کتاب کے نقشوں میں جو اسمائے اماکن درج ہیں ان میں اکثر ایسے ہیں جن کے صحیح موقع و محل کو نقشہ پر تعین کرنے میں بھی ہم ان ہی تینوں باقاعدہ جغرافیہ نویسوں کے مرہون احسان ہیں۔ یہ مصنف اپنی کتاب کی ہر فصل کے اخیر میں ایک فہرست فاصلوں یا منزلوں کی، یا یوں سمجھئے کہ بڑی سڑکوں کے حصوں کی، درج کرتے ہیں، جن کا ذکر وہ کر چکے ہیں اور جو صوبۂ زیر بحث میں گذرتی ہیں۔ ان بڑی سڑکوں کے علاوہ وہ اس فہرست میں ان متعدد چھوٹی چھوٹی سڑکوں کے فاصلے بھی بیان
کر دیتے ہیں۔ جو ان بڑی سڑکوں سے پھٹ کر قریب کے شہروں کو گئی ہیں۔ اب جب ہم (۱۴)
ان فاصلوں کو خطوط سے اور ان منزلوں کو نقطوں سے تعبیر کر کے ان کا ایک نقشہ بنا لیتے ہیں، اور ایسے نقطوں سے، جن کے موقعے صحیح معلوم ہیں مساحت بالمثلث کے قاعدے کے مطابق مثلث بنانے شروع کرتے ہیں تو ان ہی فاصلوں کی بدولت جو عرب کے جغرافیہ نویسوں نے لکھے ہیں، ہم بعض ایسے شہروں کے موقعے بھی قریب قریب صحت کے ساتھ دریافت کر لیتے ہیں، جن کو برباد ہوئے ایک زمانہ دراز گذر چکا ہے، اور جن کے نشانات تک بھی باقی نہیں ہیں مثلاً فارس میں توّج نام

ایک شہر تھا جس کے کھنڈر اب تک شناخت نہیں ہو سکے۔ مگر اس طریقے کے مطابق جو اوپر بیان ہوا، ہم اس کے موقع کی نسبت اتنا بتا سکتے ہیں کہ فلاں قلیل حدود کے رقبہ کے اندر اندر وہ ضرور کسی جگہ واقع ہوگا۔ ایک اور مصنف مسعودی ہے، جو چوتھی (دسویں) صدی میں گذرا ہے۔ اس کی دو تصانیف ہم تک پہنچی ہیں۔ پہلی تصنیف مروج الذہب ایک بڑی حد تک تاریخی کتاب ہے، اور دوسری کتاب۔ التنبیہ والاشراف ہے جس کو ایک یادداشت یا بیاض کہنا مناسب ہوگا۔ اس میں عجیب عجیب مضامین کہیں صراحت اور کہیں وضاحت سے بیان ہوئے ہیں[1]۔

جب ہم پانچویں اور چھٹی (گیارھویں اور بارھویں) صدی میں پہنچتے ہیں تو دو سیاحوں کے سفرنامے، جنھوں نے سفر حج بھی کیا تھا دستیاب ہوتے ہیں۔ ان سیاحوں کے بیانات ایسے مقامات کے متعلق جہاں سے ان کا گذر ہوا تھا، نہایت ہی قابل قدر ہیں۔ ناصر خسرو پانچویں (گیارھویں) صدی کے درمیانی حصے میں خراسان سے مکۂ معظمہ گیا اور وہاں سے وطن کو واپس آیا۔ جاتے وقت وہ مصرؔ و شامؔ میں سے گذرا، اور واپسی میں عرب کے ملک کو طے کیا۔ اس نے اپنا روزنامچہ سفرنامہ کی شکل میں فارسی زبان میں لکھا تھا۔ یہ کتاب فارسی کی قدیم ترین تصنیف ہے جو ہم تک پہنچی ہے۔ اس کے ایک صدی بعد اندلسی عرب۔ ابن جُبَیرؔ حج کے لئے غرناطہ سے چلا۔ میسوپوٹیمیا اور اس میں خصوصًا بغدادؔ کا جو حال اس نے لکھا ہے وہ اس قسم کی تحریروں میں سب سے زیادہ دلچسپ ہے۔ چھٹی (بارھویں) صدی کے شروع کی ایک اور فارسی تصنیف فَارسْ نَامَہْ ہے۔ اس میں میسوپوٹیمیا کے صوبے کو نہایت تفصیل اور

---

[1] اصطخری، ابن حوقل اور مقدسی کی کتابیں پروفیسر ڈی خویہ کے مذکورۂ بالا سلسلہ کی پہلی، دوسری، اور تیسری جلدوں میں شائع ہوئی ہیں (لیڈن ۱۸۷۰–۱۸۷۷ء) مسعودی کی کتاب التنبیہ والاشراف کا متن بھی اسی سلسلہ کی آٹھویں جلد ہے (لیڈن ۱۸۹۴ء) اس کتاب کا فرانسیسی ترجمہ Baron Carra de Vaux نے ۱۸۹۶ء میں پیرس سے شائع کیا تھا۔ مروج الذہب کا عربی متن مع فرانسیسی ترجمے کے بربیر ڈے مینارڈ (Berbier de Maynard) اور پیوٹ ڈی کورٹیل (Pavet de Courteille) نے پیرس سے ۱۸۶۱ء میں شائع کیا تھا۔

صراحت سے بیان کیا گیا ہے اور جہاں تک اس صوبے کا تعلق ہے، کتاب نہایت کارآمد اور گراں بہا ہے۔ اسی چھٹی (بارھویں) صدی کے درمیانی حصے کی تصنیف ادریسی کا باقاعدہ جغرافیہ ہے۔ ادریسی صقلیہ (سسلی) کے نارمن بادشاہ راجر دوم کے دربار میں معزز سمجھا جاتا تھا۔ اس نے اپنی کتاب عربی میں لکھی ہے لیکن خرابی یہ ہے کہ اس نے تمام دنیائے معلومہ کو اقلیموں میں یعنی خطوط العرض کے مطابق تقسیم کر کے ہر ایک اقلیم کا حال الگ الگ لکھا ہے۔ اس طریقے سے (۱۵)
ملکوں کی تقسیم بڑے بے ڈھنگے طور پر ہوئی ہے۔ مثلاً میسوپوٹیمیا کے کچھ حصے کو اقلیم ثالث میں اور کچھ حصہ کو اقلیم رابع میں شمار کیا ہے۔ ایک دوسری خرابی یہ ہے کہ ادریسی کو ایران یا بحیرۂ روم کے جانب مشرق جو ملک واقع ہیں ان کا ذاتی علم نہ تھا۔ لیکن ایشائے کوچک میں اس نے سیاحت کی تھی اور یہ علاقہ اس وقت بازنطینی سلطنت کا ایک صوبہ تھا۔ دنیا کے اس حصے کا حال ادریسی نے جو کچھ لکھا ہے وہ ضرور گراں بہا ہوتا، لیکن اس میں بڑی کمی یہ ہے کہ مقامات کے نام (کتابت کی غلطیوں کی وجہ سے) اکثر موقعوں پر ایسے آئے ہیں جو صاف صاف پڑھے نہیں جاتے، یا ان کی شکل ایسی بگڑ گئی ہے کہ ان کا پہچاننا قطعی ناممکن ہو جاتا ہے۔[۱]

ساتویں (تیرھویں) صدی کا زمانہ تاتاریوں کی یورش اور عباسی خلافت کے خاتمہ کا زمانہ ہے۔ اسی صدی کے دوران میں یاقوت حموی نے اپنی ضخیم جغرافیہ معجم البلدان

---

[۱] ناصر خسرو کا سیاحت نامہ پہلے شیفر نے پیرس میں ۱۸۸۱ء میں بعد تصحیح شائع کیا تھا۔ ابن جبیر کا سفرنامہ سب سے پہلے پروفیسر ڈبلیو رائٹ نے لیڈن سے ۱۸۵۲ء میں شائع کیا۔ فارس نامہ اب تک نہیں چھپا۔ چنانچہ اس کتاب کا ہم نے قلمی نسخہ جو برٹش میوزیم میں موجود ہے استعمال کیا ہے (Or. 59835) شریف ادریسی کی کتاب کا عربی متن مع فرانسیسی ترجمہ کے اے۔ جوبرٹ (A. Jaubert) کے شائع کیا تھا (پیرس ۱۸۳۶ء) ہم نے اس کتاب کے استعمال کرنے میں یہ احتیاط کی ہے کہ ہر موقع پر مطبوعہ نسخے کا قلمی نسخے سے مقابلہ کیا ہے۔ ادریسی کا قلمی نسخہ جو ہمارے پیش نظر رہا وہ پیرس کی (Bibliothebue Nationale) میں محفوظ ہے۔ دیکھو عربی قلمی نسخوں کی فہرست نمبر (۲۲۲۱) اور (۲۲۲۲)۔

شائع کی تھی۔ یہ درست ہے کہ یہ کتاب بجائے ایک مستقل تصنیف ہونے کے محض ایک تالیف ہے، کیونکہ یاقوت نے اسے پرانے جغرافیہ نویسوں کی کتابوں کی مدد سے لکھا تھا۔ لیکن بہرکیف اس میں خود مصنف کی طول طویل سیاحتوں کے متعلق معلومات کا سرمایہ ایسا موجود ہے کہ اگر ضروری احتیاط اور تنقید کے بعد اس کو کام میں لایا جائے تو پھر یہ تالیف حقیقت میں نہایت بیش بہا اور لاجواب ثابت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یاقوت نے تقریباً تمام سابق عربی جغرافیہ نویسوں کی تصانیف سے عبارتیں بکثرت نقل کی ہیں۔ ان میں سے بعض تصانیف ایسی ہیں، مثلاً ابن مہلہل مشہور سیاح کی کتاب جو اس نے ۳۳۰ھ (۹۴۲ء) میں لکھی تھی جن کا علم ہم کو صرف ان خلاصوں یا انتخابوں کو دیکھ کر ہوا، جو یاقوت نے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں۔ فن جغرافیہ کے اس بڑے قاموس کا ملخص اصل کتاب کے شائع ہونے کے (۷۵) برس بعد تیار کیا گیا۔ اس ملخص کا نام المَراصِد (رصد خانے) ہے۔ اس ملخص میں اس کے مصنف نے، جو میسوپوٹیمیا کا رہنے والا تھا، بغداد کے گرد و نواح کے اکثر مقامات کی تصحیح مستند ذرائع سے کی ہے، یہ تصحیح قابل قدر ہے۔ تقریباً اسی زمانہ میں قَزوِینی گذرا ہے، اس نے علم کائنات پر دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے، جس میں مختلف شہروں اور صوبوں کی پیداوار اور تجارت کے متعلق نہایت دلچسپ حالات ملتے ہیں۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے ابتدائی زمانہ میں شامی شہزادہ ابوالفداء کا باقاعدہ جغرافیہ لکھا گیا۔ ابوالفداء نے گو اپنے سابقین کی کتابوں سے استفادہ کرکے یہ تالیف تیار کی ہے، لیکن اس میں ایسے واقعات اور حالات بھی درج ہیں جو خود مؤلف نے ملکوں (۱۶)
کا سفر کرکے بذات خود مشاہدہ کئے تھے[1]

[1] یاقوت حموی کی معجم البلدان کا عربی متن وسٹنفلڈ نے بعد تصحیح شائع کیا ہے (لائپزگ ۱۸۶۶–۱۸۷۳ء)۔ ایران کے شہروں کے حالات کا فرانسیسی ترجمہ مع ستوفی اور دیگر اسناد کے اضافوں کے مینارڈ نے (Dictionaere de la Perse) میں شائع کیا ہے (پیرس ۱۸۶۱ء)۔ مَرَاصِدُ الاطلاع یعنی معجم البلدان کے ملخص کو جوئن بال نے شائع کیا (لیڈن ۱۸۵۲ء)۔ قَزوینی کی کتاب بھی وسٹنفلڈ کی ہی تصحیح کے بعد شائع ہوئی ہے (گاٹنگن ۱۸۴۸ء)۔ ابوالفداء کی جغرافیہ ریناڈ اور ڈی سلین نے پیرس سے ۱۸۴۰ء میں شائع کی تھی۔ اور ریناڈ نے ۱۸۴۸ء میں اس کا فرانسیسی ترجمہ کیا، جس کے مقدمے میں اس نے عرب جغرافیہ نویسوں کے مفصل حالات لکھے۔ اس ترجے

ابن بطوطہ بربری کے حالات سفر بھی اسی زمانہ یعنی آٹھویں (چودھویں) کے نصف اول کے ہیں۔ درازئی سفر کے اعتبار سے ابن بطوطہ مشہور سیاح مارکو پولو باشندۂ وینس کا ہم سر تھا۔ اس نے اپنا سفرنامہ (رحلتہ) عربی زبان میں لکھا تھا۔ اس کے ہم عصر مستوفی نے فارسی میں مغلوں کی سلطنت ایران (میسوپوٹیمیا مع ایران) کا حال لکھا ہے، جس سے مغلوں کے آباد ہونے پر ایل خانیوں کی حکومت میں ملک کی حالت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مستوفی نے تاریخ میں ایک اور کتاب بھی لکھی ہے، جس کا نام تاریخ گزیدہ ہے مغلوں کے عہد کی حکومت کے بارے میں یہ کتاب بہت قابل قدر ہے۔ علاوہ ازیں اس میں بہت اعلیٰ درجے کا جغرافی مواد بھی موجود ہے[۱]

تیموری عہد کے حالات کے لئے سب سے پہلے علی یزدی کی تاریخ ہے، اور اس کے بعد حافظ ابرو کا مصنفہ جغرافیہ ہے؛ یہ دونوں کتابیں فارسی میں ہیں اور ان کی تصنیف کا زمانہ نویں (پندرھویں) صدی کا نصف اول ہے۔ تیمور کی فتوحات کے بعد ملک کی جو حالت ہوئی اس کے معلوم کرنے کے لئے دو ترکی کتابوں کا ذکر کر دینا ضروری ہے، جن میں سے ایک تو شرقی ترکی میں اور دوسری عثمانی ترکی میں لکھی گئی تھی۔ ان دونوں کی تصنیف کا زمانہ گیارھویں (سترھویں) صدی کا نصف اول ہے۔ ان میں سے پہلی (یعنی تاریخ ترک و مغل) کا مصنف
خوارزم کا شہزادہ ابوالغازی ہے اور دوسری کتاب جہان نما ہے، (۱۷)
"جو کشف الظنون" کے مصنف حاجی خلیفہ (خلیفہ) کی تصنیف ہے[۲]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ؛ + ترجمہ کی تکمیل ایس گیورڈ (S. Guyard) نے کی +

[۱] ابن بطوطہ کا سفرنامہ مع فرانسیسی ترجمے کے ڈفرمری اور سنگیونٹی (Defer mery and Sanguinetti) نے شائع کیا ہے (پیرس ۱۸۵۳-۱۸۵۹ء) مستوفی کی فارسی جغرافیہ نزہۃ القلوب، ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۴ء) میں بمبئی میں چھپی تھی؛ "تاریخ گزیدہ کا حوالہ برٹش میوزم کے قلمی نسخے سے دیا گیا ہے۔ اور حسب ذیل نسخوں کو بغرض مقابلہ پیش نظر رکھا گیا ہے (ADD. 7630 + ADD. 22,693) اور ایجرٹن کا نسخہ ۶۹۰ +) [نزہۃ القلوب اور تاریخ گزیدہ دونوں گب میموریل میں شائع ہو چکی ہیں۔ (مترجم)]

[۲] علی یزدی کی تصنیف ظفر نامہ "کلکتہ سے ۱۸۸۵ء میں سلسلہ ببلیوتھیکا انڈکا" میں شائع ہوئی تھی۔ اس کا فرانسیسی ترجمہ Petis de la croix نے کیا ہے اور اس کا نام

بہت سے موضوعات کی تفصیل کو روشن کرنے کے لئے متعدد عرب مورخوں کی تصانیف سخت ضروری ہیں۔ شروع زمانے کے مورخ تاریخ اور جغرافیہ کو ایک ہی کتاب میں شامل لکھتے تھے۔ اس کی ایک مثال امام بلاذری کی کتاب فتوح البلدان ہے، جو تیسری (نویں) صدی کے درمیان لکھی گئی تھی۔ اس کتاب میں مصنف نے یکے بعد دیگرے مشرق اور پھر مغرب کی تمام اسلامی فتوحات کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے کہ جب پہلی مرتبہ مسلمان دیگر اقوام و مذاہب پر غالب آئے تو ملک کی کیا حالت ہوئی نہایت کارآمد ہے۔ تاریخوں میں یعقوبی کی تاریخ کے علاوہ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، ابن مسکویہ کی تاریخ ہے، جس کا زمانہ تیسری (نویں) صدی سے شروع ہوتا ہے اس کتاب کا اب تک صرف چھٹا حصہ طبع اور شائع ہوا ہے[۱]+ حمزۂ اصفہانی کی تاریخ میں، جو چوتھی (دسویں) صدی کے نصف میں لکھی گئی تھی، بہت مفید اطلاعات موجود ہیں۔ یہ کتاب گو عربی میں لکھی گئی تھی لیکن اس کی بنیاد یقیناً بہت سی فارسی کتابوں پر رکھی گئی ہے جو اب مفقود ہیں۔ اکثر واقعات اس میں ایسے ہیں کہ اگر وہ بیان نہ کئے جاتے تو ان کو معلوم کرنے کا کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا، اور ہم ان سے لاعلم رہ جاتے +

عربی تاریخوں میں بہر کیف سب سے زیادہ مکمل تاریخ امام طبری کی ہے، اس میں چوتھی (دسویں) صدی کے آغاز تک کے حالات درج ہیں، اور یہی زمانہ مصنف کی زندگی کا ہے۔ جغرافیہ میں بھی یہ کتاب بہت مستند ہے عباسی عہد کے آخری حصہ کے لئے اِبنِ اَثِیرؔ

(Histoire de Timour Bec) ہے، یہ ترجمہ پیرس سے ۱۷۲۲ء میں شائع ہوا +
حَافِظ اَبْرُوْ کی کتاب اب تک شائع نہیں ہوئی، ہم نے اپنی کتاب میں برٹش میوزیم کے قلمی نسخے (ADD. 15,00) سے حوالے دئیے ہیں۔ جہاں نما کا ترکی متن ابراہیم آفندی نے قسطنطنیہ سے ۱۱۴۵ھ (۱۷۳۲ء) میں اور ایک حصے کا لاطینی ترجمہ نار برگ (Norberg) نے ۱۸۱۸ء میں شائع کیا تھا۔ ابوالغازی کی تاریخ (Baron Desmaison) نے سینٹ پیٹرس برگ سے ۱۸۷۱ء میں شائع کی تھی +

[۱] ابن مسکویہ کی کتاب تجارب الامم مارگولیتھ اور آمدروز کی تصحیح کے بعد ۱۹۱۴ء میں شائع ہو چکی ہے (مترجم)

کی کتاب ہے؛ اسی زمانے کے لئے ایک مختصر مگر عجیب کتاب ہے جسے بالعموم "الفخری" کہتے ہیں۔
ابن اثیر کے مختصر بیانات کو مکمل کرنے کے لئے ابن خلدون کی "تاریخ یعنی کتاب العبر"
کا مطالعہ بھی اکثر بکار آمد ثابت ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات بیان کو مفصل کرنے کے لئے
ابنِ خلکان کی کتاب "وفیات الاعیان" سے جس میں مشہور مسلمانوں کی زندگی کے
حالات ایک لغت کی کتاب کی طرح لکھے گئے ہیں، مدد ملتی ہے۔ یہ تمام کتابیں عربی میں ہیں؛
فارسی تاریخوں میں میر خوند کی "روضۃ الصفا" اور اس کے پوتے خواند میر کی
"حبیب السیر" قابل ذکر ہیں۔ کیونکہ ایرانی صوبوں سے متعلق یہ کتابیں بالخصوص بہت
(۱۸) ضروری معلومات مہیا کرتی ہیں۔ دو اور فارسی تاریخیں جو ایشیائے کوچک اور
کرمان کے آل سلجوق کے حالات میں ہیں، قابل قدر سمجھنی چاہئیں؛ اور آئندہ صفحات میں
ہم نے کئی موقعوں پر ان کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ ان کے مصنفوں کے نام ابن بی بی
اور ابن ابراہیم ہیں۔[۱]

---

[۱] امام بلاذری کی کتاب فتوح البلدان۔ ڈی خویہ کی تصحیح کے بعد لیڈن (۱۸۶۶ء)
میں چھپ چکی ہے۔ پروفیسر ڈی خویہ نے ہی ابن مسکویہ کی کتاب تجارب الامم کا ایک حصہ
(Fragmenta Historicorum Arabicorum) میں شائع کیا ہے۔ حمزہ اصفہانی
کی تاریخ (مع لاطینی ترجمے کے) آئی، ایم، ای، گاٹ ولٹ (Gottwaldt) نے طبع کرائی ہے۔
(لائپزگ ۱۸۴۴ء)۔ امام طبری کی مشہور و معروف تاریخ ڈی خویہ کی تصحیح کے بعد طبع ہوئی ہے (لیڈن
۱۸۷۹-۱۹۰۱ء)۔ ابن اثیر کی الکامل، ٹورن برگ نے چھپوائی (لیڈن ۱۸۶۷-۱۸۷۶ء)۔ الفخری
کو اہلواٹ (Ahlwald) نے گوتھا سے ۱۸۶۰ء میں شائع کیا۔ ابن خلدون کی تاریخ
بولاق میں ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ء) میں شائع ہوئی۔ ابن خلکان کا عربی متن ووسٹنفلڈ نے اور
انگریزی ترجمہ ڈی سلین نے شائع کیا۔ روضۃ الصفا ۱۲۶۶ھ (۱۸۵۰ء) میں، اور
حبیب السیر ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۷ء) میں بمبئی میں طبع ہوئیں۔ ان ہی کا حوالہ اس کتاب میں دیا گیا
آل سلجوق کے متعلق دو کتابیں ہوتسما نے اپنی (Recueil de Taxtes relntifs a la)
Histoire de Selioucides کی جلد اول و چہارم میں طبع کرائی تھی (لیڈن ۱۸۸۶-۱۹۰۲ء)۔ ان میں سے پہلی کتاب
ابن ابراہیم کی ہے جو ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ء) میں گزرا ہے اور دوسرا ابن بی بی جس نے اپنی کتاب ۶۸۰ھ (۱۲۸۱ء) میں لکھی تھی۔

کل مضمون کتاب پر جو سرسری نظر یہاں ڈالی گئی ہے اس کو مکمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس ابتدائی باب کے آخری چند صفحات اس کام کے لئے مخصوص کئے جائیں کہ جن مقامات کے نام کتاب کے آیندہ ابواب یا اس کے نقشوں میں آئیں گے ان کے بارے میں جو باتیں بالعموم پائی گئی ہیں ان کا ذکر کر دیا جائے۔ میسوپوٹیمیا کے دو صوبوں میں اکثر و بیشتر اسماء اماکن یا تو عربی ہیں یا ارامی۔ یہ آخری زبان یا ارامی اسلامی فتوحات سے پہلے یہاں عوام میں رائج تھی۔ شہروں کے عربی ناموں کے اکثر کچھ نہ کچھ معنے ہوتے ہیں، یا ہوتے تھے، مثلاً کوفہ، بَصرہ، وَاسِط، یہ سب بامعنی الفاظ ہیں۔ ارامی نام اپنی خاص شکل و صورت کی وجہ سے بالعموم آسانی سے تمیز کئے جا سکتے ہیں، کیونکہ ان کے آخر میں "ا" ہوا کرتا ہے، مثلاً جَبلْتَا، اور ان کے معنے معلوم کرنے میں بھی دقت نہیں ہوتی، مثلاً عَبرْتَا کے معنی جا، عبور کے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ (۱۹)
وہاں کشتیوں کا پل ہے۔ اور باجِسْرَا جو عربی میں بَیْتُ الجِسْر (یعنی پل والے گھر) کا مترادف ہے قدیم ایرانی نام، جیسے بَغْدَاد (خدا کی دی ہوئی جگہ)، شاذو نادر دیکھنے میں آتے ہیں کہیں کہیں یونانی ناموں کا بھی پتہ چلتا ہے، مثلاً اَلْاُبُلّہ، جس کا یونانی نام اپولوگس (Apologos) ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، اِیشِیاءِ کُوچِکْ کا بَازَنطِینی صوبہ سلجوقی فتوحات کے بعد یعنی پانچویں (گیارھویں) صدی کے نصف آخر میں، اسلامی صوبہ قرار پایا تھا، اور اس لئے اس علاقے کے اکثر یونانی نام دو دو شکلیں رکھتے ہیں۔ پرانے نام کی شکل عربی ہوتی ہے اور نئے کی ترکی۔ مثلاً یونانی نام سلوکیا کی پہلی شکل سَلُوقِیَہ ہے، اور بعد کی سَلَفکَہ، یونانی نام ہِرَاکلِیَا پہلے ہِرَقْلَہ تھا، اور بعد میں ارا کلیہ ہو گیا۔ سلجوقی سلطنت اور پھر عثمانی تسلط کے زمانہ میں پرانے یونانی ناموں کے بجائے قدرتی طور پر ترکی نام لئے جانے لگے لیکن علم الہجا کے معاملے میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عربی حروف تہجی ترکی حروف سے بھی ایسے ہی مغائر ہیں جیسے کہ یونانی حروف سے اس لئے ترکی الفاظ کا املا (جیسا ترکی لغت کی کتاب سے ظاہر ہوتا ہے) دو دو طرح لکھا جاتا ہے، مثلاً قرا حصار بھی لکھتے ہیں اور قرہ حِصار بھی، قرہ سی بھی لکھتے ہیں اور قرَاسِی بھی لکھتے ہیں قرَمان بھی لکھتے ہیں اور قَرَامَانْ بھی، ایسی اور بہت سی مثالیں بھی دی جا سکتی ہیں۔

ایرانی صوبوں پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو تعجب ہوتا ہے کہ عربی نام اس قدر کم کیوں

ہیں۔ آذربائیجان کے شہر مَرَاغہ، اور فارس کے گاؤں بَیْضَا (البیضاء سفید شہر) کے سوا ان صوبوں میں شائد ہی کوئی عربی نام نظر آئے۔ حقیقت میں ساسانی سلطنت کی فتح کے بعد مسلمانوں نے اس علاقے میں بہت کم تبدیلیاں کی تھیں[1]۔ اکثر دیہات اور منزلوں کے نام کسی قدرتی یا سب سے زیادہ نمایاں چیز پر رکھے گئے تھے، مثلاً "مہندی کے پھول والا گاؤں"۔
"اونٹوں والا گاؤں"۔ "نمک والا گاؤں"، فارسی میں دہ مرد، دہ اُشتراں، اور دہ نمک تھے، (۲۰)
ان ناموں کو عربی جغرافیہ نویس ہمیشہ اپنی زبان میں ترجمہ کر کے ادا کرتے ہیں، چنانچہ ان کی تحریروں میں یہی نام قَرْیَۃُ الْآسِ، قَرْیَۃُ الْجَمَال، اور قَرْیَۃُ الْمِلْح لکھے جاتے ہیں۔ لیکن اس بات کو باور کرنے کے لئے ہر طرح کے دلائل موجود ہیں کہ ایران میں ہمیشہ ایرانی نام مستعمل رہے۔ جو حال ایران کا ہے وہی انگلستان کا ہے، مثلاً انگریزی میں "بلیک فارسٹ" (تاریک جنگل)، اور کیپ آف گڈ ہوپ (راس امید) لکھتے ہیں۔ لیکن دوسری زبانوں کی کتابوں اور نقشوں میں یہی نام ان زبانوں میں ترجمہ ہو کر لکھے جاتے ہیں +

یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ کبھی کبھی ناموں کی عربی فہرستوں میں ایک منزل کا عربی نام تو درج ہوتا ہے، لیکن اس کا ایرانی نام ہم تک نہیں پہنچا، مثلاً راس الکلب (کتے کا سر)۔ یہ شاید وہی مقام ہے جسے بعد کے زمانہ میں سِمْنَان کہا جاتا تھا۔ بعض مرتبہ عرب کسی ایرانی شہر کا ہنسی یا ہجو کے طور پر خاص نام رکھ دیتے تھے، اور پھر یہ ہنسی کا نام اور اصلی نام دونوں ساتھ ساتھ لئے جاتے تھے۔ مثلاً شروع زمانہ میں جب کُنگواد کے مقام پر عربوں کے خچر چوری گئے تو انھوں نے اس مقام کا نام قصر اللصوص (چوروں کا محل یا قلعہ) رکھ دیا، لیکن پھر یہ نام تو سب بھول گئے اور پرانا ایرانی نام کُنگواد بدستور زبان زد رہا۔ جب کبھی مسلم فاتحوں نے کسی صوبے میں کہیں کوئی نیا شہر مستقر حکومت بنانے کو تعمیر کیا تو اس میں بھی انھوں نے ہمیشہ

---

[1] کہا جاتا ہے اسلامی اندلس میں جہاں بڑے بڑے آباد اور دولت مند شہر موجود تھے، ایک عربی نام المرّیۃ پایا جاتا ہے۔ ایک مقام کا نام کلاٹایُد، جو ایک دوسری مثال ہے، حقیقت یہ کسی شہر کا نام نہ تھا بلکہ وہ قلعۂ ایوب تھا جس کے دامن میں بعد کو شہر آباد ہو گیا تھا۔ اکثر حالات میں اسناد نہ ہونے کی وجہ سے اصلی ہسپانوی، رومی یا گاتھی ناموں کا اب پتہ نہیں چلتا، مثلاً غرناطہ کے نام کا کچھ حال نہیں کھلتا۔ بالکل یہی حالت ایران کی ہے +

یہ خیال رکھا تھا کہ شہر کا نام اس مقام کے پرانے ایرانی نام پر رکھا جائے۔ مثلاً شہر شِیْرَاز، جو تعمیر ہونے کے بعد بہت جلد پرانے اِصْطَخر کا قائم مقام بن گیا۔ جب مسلمانوں نے یہ شہر بسایا تو جس گاؤں کی جگہ اسے بسایا تھا اسی گاؤں کے نام پر اس شہر کا نام رکھ دیا۔ شِیْرَاز کی وجہ تسمیہ البتہ مثل دیگر ایرانی شہروں کے دریافت ہونی ناممکن ہے کیونکہ قدیم دولت ساسان کا جغرافیہ ہم کو تقریباً بالکل معلوم نہیں +

ناموں کے تلفظ میں قدرتی طور پر مرور زمانہ سے برابر تبدیلی ہوتی رہی طُرَیْثِیث بعد میں تُرشِیز ہو گیا، اور ھَمَذَان کو ھَمَدَان لکھنے لگے[1]۔ اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عربی اور فارسی زبان میں ایک نام کا ایک ہی زمانے میں تلفظ اور املا الگ الگ تھا، مثلاً عربی قاشان کو فارسی میں کَاشَان لکھتے ہیں؛ صاھلت کو بعد میں چَاھَلت؛ اور صَغانیان کو چَغانِیان لکھنے لگے۔ پھر عربی زبان کی صرف و نحو چونکہ یہ حکم لگاتی تھی کہ ہر مادہ میں تین حروف صحیح ہوں اس لئے فارسی قُم عربی میں قُمّ اور قُم قُمّ ہو گیا، مگر یہ محض عربی قواعد کی پابندی تھی ورنہ فارسی میں یہ طریقۂ کتابت (۲۱) کہ آخری حرف کو تشدید دی جائے کبھی مستعمل نہیں ہوا۔ بعض صورتوں میں ایسا بھی ہوا کہ کسی نامعلوم سبب سے پرانا نام متروک ہو گیا، اور اس کی جگہ نئے نام نے لے لی، مگر دونوں صورتوں میں نام فارسی ہی رہے۔ مثلاً قِرْمَاسِیْن یا قِرْمِیسِیْن آخر میں کِرمانْ شاھان ہو گیا، اور آج کل اسی کو مخفف کر کے کِرْمَانْ شَاہْ کر لیا گیا ہے۔ لیکن اس وقت ہم کو نہ تو ان ناموں کے اصلی معنوں کا علم ہے اور نہ اس تبدیلی کا سبب معلوم ہے جو اوپر بیان ہوئی +

ناموں کے قبل "اَل" لگانے یا نہ لگانے کا طریقہ بالکل اختیاری معلوم ہوتا ہے؛ کوئی یہ حروف لگاتا ہے کوئی نہیں لگاتا۔ نحو کی رو سے قاعدہ یہ ہے کہ صرف عربی ناموں کے قبل اَل لگایا جائے اور غیر زبانوں کے ناموں کے قبل نہ لگایا جائے؛ لیکن اس قاعدہ

---

[1] یاد رکھنا چاہئے کہ عربی حرف ذ کا موجودہ فارسی تلفظ ز ہے، مثلاً آذربائیجان کو آزربائیجان لکھا جاتا ہے۔ لیکن بعض مرتبہ ذ کا تلفظ ز نہیں ہوتا، مثلاً ھَمَذَان کو ھَمَدَان لکھتے ہیں ھَمَزان کوئی نہیں لکھتا +

کی پابندی کبھی نہیں کی گئی۔ مثلاً میسوپوٹیمیا میں، جہاں اکثر و بیشتر شہروں کے نام سامی زبان کے ہیں، دِجلَۃ کو بغیر اَل کے لکھا جاتا ہے۔ اور فرات کو اَلفُرات لکھتے ہیں حالانکہ جیسا کہ دِجلَۃ غیر زبان کا لفظ ہے ویسا ہی فُرات بھی ہے[۱]۔ ایرانی صوبوں میں جوں جوں زمانہ گذرتا گیا عام رجحان اس طرف ہوتا گیا کہ عربی اَل کو محذوف کر دیا جائے؛ مثلاً اَلسِیرجان فارسی میں سِیرجان ہو گیا۔ بہرحال جیسے کہ اوپر بیان ہوا اَل لکھنا یا نہ لکھنا لکھنے والے کی مرضی پر موقوف تھا۔ کیونکہ کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ عرب مرّے کو ہمیشہ اَلمَرّے لکھیں، اور جے کو جو اصفہان کے شہر کے ایک حصہ کا نام تھا، ہمیشہ بغیر اَل کے لکھیں[۲]۔

جغرافیہ کے ناموں اور اصطلاحی الفاظ میں عرب کسی قدر افلاس زدہ نظر آتے ہیں۔ الفاظ کی اس قلت سے ان کی جغرافی تحریروں میں بڑا خلط مبحث پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی صوبے کے ایسے شہر کو جو خود اس کا دار الحکومت ہو، وہ اسی صوبے کے نام سے پکارتے تھے، درآنحالیکہ اس شہر کا دوسرا نام موجود ہوتا تھا۔ مثلاً دِمَشق کو اَلشَّام (شام کا دار الحکومت) کہتے تھے۔ زرنج کو جو سِجِستان کا صدر مقام تھا، بجائے مدینہ سجستان کہنے کے محض سِجِستان کہتے تھے۔ اس طرز بیان سے بہت پیچیدگی وہاں ہو جاتی تھی (۲۲)
جہاں ایک ہی صوبے کے دو دار الحکومت رہے ہوں۔ چنانچہ صوبہ کِرمان کی یہی کیفیت ہے۔ ابتدائی کتابوں میں کِرمان (یعنی شہر) سے مراد شہر سِیرجان سابق دار الحکومت سے تھی، اور بعد کو موجودہ شہر کِرمان سے مراد لینے لگے، حالانکہ یہ شہر ایک بالکل جدا شہر تھا اور اس وقت دار الحکومت ہوا تھا جب کہ سِیرجان برباد ہو چکا تھا۔ نیز عہد وسطےٰ

---

[۱] مثلاً اصلی یونانی نام اُبُلَّہ ہے مگر عربی میں ہم اسے اَل کے ساتھ اَلاُبُلَّہ لکھا ہوا پاتے ہیں۔ ایسی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مقامات کے خالص عربی ناموں پر بعض اوقات اَل لگایا جاتا ہے۔ مثلاً الکوفہ (یعنی نرسلوں کی جھونپڑیوں کا شہر) پر اَل آتا ہے، اور وَاسِط (یعنی درمیان کا شہر) بغیر اَل کے لکھا جاتا ہے۔ حالانکہ اگر اس نام کے ساتھ بھی اَل لگا دیا جاتا تو مناسب تھا۔

[۲] اس قاعدے پر کس قدر کم عمل ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ جِدَّۃ کی مثال سے ہو گا۔ بعد کے زمانے کے مصنف اسے جدّۃ اور الجُدّۃ دونوں طرح لکھتے ہیں+

سے جغرافیہ نویسوں کے بیانات سے جو نقشے تیار ہو سکتے ہیں جب ان کا آج کل کے نقشوں سے مقابلہ کرتے ہیں تو اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک معدوم شہر کا نام اس شہر کے موجودہ علاقے کو دے دیا گیا ہے۔ مثلاً معدوم شہر سِیرجان کا نام آج کل ایک علاقۂ سِیرجان میں موجود ہے اور یہی حال مَرْوْ رُود اور جِیرُفت کا ہے۔ پہلے یہ دو نام دو بڑے شہروں کے تھے۔ مگر اب یہ صرف دو علاقوں کے نام ہیں۔ خلاصہ یہ کہ صوبے اور اس کے دارالحکومت کو چونکہ ایسا امکان ہے کہ ہمیشہ ایک ہی نام سے پکارتے تھے اس صورت میں بالکل ممکن تھا کہ ایک زمانہ گزرنے سے وہ صوبہ نہ رہے یا وہ دارالحکومت فنا ہو کر کوئی شہر نہ رہے۔ چنانچہ اسی اعتبار سے اوپر کی مثالوں کے برعکس ایک مثال یہ ہے کہ پرانے علاقۂ آرْدُوْن کا نام ایک چھوٹے سے شہر کو دے کر اسے آرْدُوْن کہنے لگے، درآں حالیکہ اس کا پرانا نام (رَے والا) خُوَار موجود تھا۔

طبعی جغرافیہ کے متعلق بھی عربوں کے پاس ناموں کی کمی تھی۔ الگ الگ مشہور بلند پہاڑوں کے اسمارِ عَلَم (مثلاً دَمَاوَنْد، اَلْوَنْد) موجود تھے، لیکن کسی پہاڑی سلسلہ کا خاص نام مطلق نہ تھا۔ کوہ ٹارس کے سلسلے کو جو بازنطینی سلطنت کی پناہ کے لئے مثل ایک دیوار کے کھڑا تھا، اکثر (غلطی سے) لُکَّام کہہ دیتے تھے لیکن جبل لُکَّام درحقیقت اِنْٹِی ٹارس کے سلسلہ میں پہاڑوں کا ایک مجموعہ ہے۔ یہی حال کوہ البرز کے مشہور سلسلے کا تھا، جو ایران کی سطح مرتفع کو بحیرۂ خزر کی نشیبی زمینوں سے جدا کرتا ہے۔ اس طول وطویل سلسلۂ کوہ کا بھی کوئی نام عربی جغرافیہ نویسوں نے نہیں لکھا۔ بڑی بڑی جھیلوں میں بالعموم ہر جھیل کا ایک خاص نام ہوتا تھا (مثلاً مِہالُو ذِرَہ، چیچَسْت)، لیکن کم درجے کی جھیلوں کا نام عموماً کسی ایسے شہر کے نام پر ہوتا تھا جو ان کے کنارے پر آباد ہو؛ مثلاً جھیل اُرْمِیہ؛ اور جھیل وَان جو اَرْجِیش بھی کہلاتی تھی۔ سمندروں کے ناموں میں اور بھی زیادہ التباس تھا۔ ان کے نام طرح طرح سے کبھی صوبوں کے ناموں پر اور کبھی ان شہروں کے ناموں پر جو ان سے ملحق یا ان کے ساحل پر واقع تھے، لکھتے تھے؛ مثلاً بحیرۂ خَزَر کو بحیرۂ طَبَرِسْتان، یا بحیرۂ گیلان، یا بحیرۂ جُرجان یا بحیرۂ باکُو کہتے تھے۔ آخری زمانہ میں اس کو بحیرۂ خَزَر اس وجہ سے کہنے لگے کہ قوم خَزَر کی سلطنت زمانۂ (۲۴)
وسطیٰ کے شروع میں اسی بحیرہ کے شمالی ساحل پر تھی۔ اسی طرح بحیرۂ آرَل کو بحیرۂ خوارزم

اور خلیج فارس کو بحیرۂ فارس کہتے تھے۔

آخر میں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جن مستند مصنفوں سے ہم نے مدد لی ہے، ان کی تصانیف سے مضامین انتخاب کر کے اس کتاب کے آیندہ ابواب میں درج کئے ہیں۔ مختلف صوبوں کے شہروں اور قریوں کی جس تعداد کو ان مصنفوں نے لکھا ہے، وہ بہت زیادہ ہے۔ یہ سمجھنا چاہئے کہ جس قدر شہر اور قریے ہم نے اس کتاب کے اشاریہ میں درج کئے ہیں اُن سے ان مصنفوں کے بیان کی تعداد دو چند سے بھی زیادہ ہے۔ جہاں کہیں کسی شہر کے موقع و محل کا تعین دور یا پاس کچھ بھی نہیں ہو سکا ہے اس کو چھوڑ دیا ہے، اور ایسے نام بکثرت ہیں۔ نقشوں کے بارے میں یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ محض خاکے ہیں جو متن کو سمجھانے کے لئے درج کئے گئے ہیں۔ ان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ملک کی شکل و صورت کسی خاص زمانے میں فی الحقیقت کیا تھی اسی طرح شہر جو یکے بعد دیگرے وجود میں آئے اس طرح دکھائے گئے ہیں کہ گویا وہ سب ایک ہی وقت میں موجود تھے۔ اس کا حال کہ ایسا تھا یا نہ تھا متن کو پڑھنے سے معلوم ہو گا۔[1]

[1] بعض ناظرین کو شاید یہ بات ناگوار ہو کہ کئی صفحات حواشی سے بے انتہا زنگین کر دئے گئے ہیں لیکن ایسے طالب علم کے لئے جو کسی واقعہ کی سند چاہتا ہو یہ حواشی از بس ضروری ہیں۔ مصنف کے لئے صرف دو باتیں ممکن تھیں، یا تو حواشی بالکل اڑا دئے جاتے، اور یا ان کو بکثرت نقل کیا جاتا۔ یاد رہے کہ مسلمان مصنف اکثر و بیشتر اپنے پیشرووں کی کتابوں استفادہ کرتے ہیں، لیکن اس کا اظہار اپنی کتاب میں نہیں کرتے۔ اس کے برعکس ہر ایک جغرافیہ نویس اپنے پیشرو کی کتاب سے عبارت نقل کرنے کے بعد اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور کرتا ہے، اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مختلف اسناد کے بیانات کو جمع کرنے کے بعد کسی واقعہ کے متعلق رائے قائم کی جا سکتی ہے، یا کسی شہر کا محل وقوع صحیح طور سے متعین کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر صوبہ قُومِس کے ایک معمولی سے شہر خُرَّقان کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس شہر کا حال بہت زیادہ معلوم نہیں، لیکن خُرَقان نام ایک شہر صوبۂ جبال میں موجود تھا، اور اس لئے ضروری تھا کہ دونوں میں فرق کرنے کے لئے خرقان کا محل وقوع بتا دیا جاتا ہے۔ قومِس میں خُرقان کی جائے وقوع معلوم ہے لیکن اس کو مستقل طور پر ذکر کرنے کے لئے حسب ذیل کتابوں کا حوالہ دینا پڑا۔ (۱) قزوینی جس نے لکھا ہے کہ یہ شہر

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گذشتہ: بسطام سے چار فرسخ کے فاصلے پر تھا؛ (۲) یاقوت نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ خُرقان اس سڑک پر تھا جو استرآباد جاتی ہے؛ (۳) اور مستوفی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خرقان ایک بڑا گاؤں تھا، اس میں ایک ولی اللہ کا مزار تھا اور پانی کی کثرت تھی؛ جس سے معلوم ہوا کہ یہ محض ایک پڑاؤ نہ تھا۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس بہت ہی معمولی سی بات کے لیے تین مصنفوں کی تصانیف کا مطالعہ کرنا پڑا، اور ان کے حوالے حواشی میں درج کرنے پڑے +

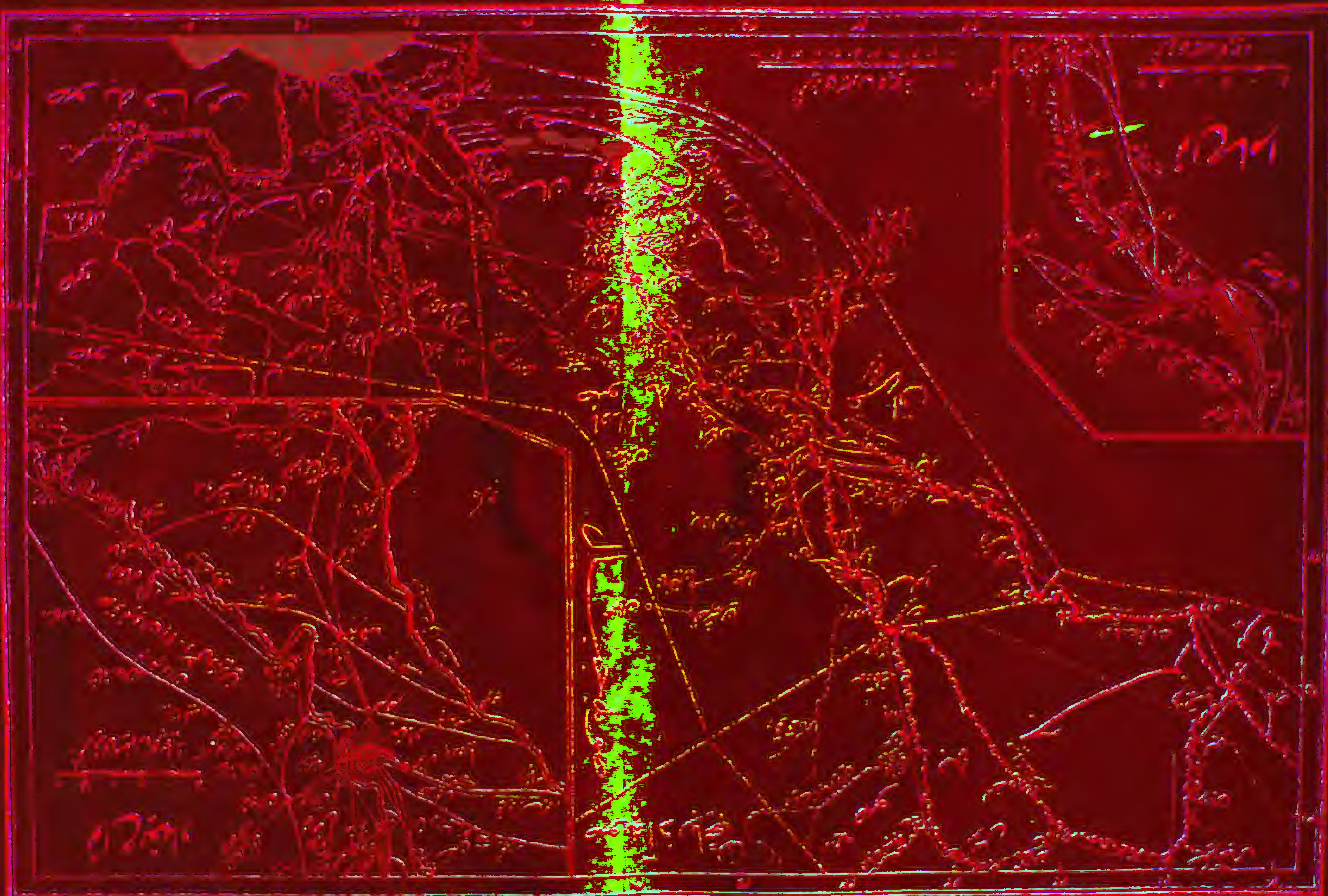
باب دوم

عِراق

میسوپوتامیا کی تقسیم، شمالی اور جنوبی عراق یا بابل۔ دریائے دِجلہ و فُراؔت کے بہاؤ میں تبدیلیاں۔ آب پاشی کی نہریں بَغداد، مُداؔئن اور فَمُ الصِّلح تک دریائے دِجلہ پر دوسرے شہر (۲۴

میسوپوتامیا(۱) کا وسیع اور مسطح ملک جس میں دریائے دِجلہ و فُرات ہیں قدرتی طور پر دو حصوں میں منقسم ہے، نصف شمالی یعنی وہ حصہ جس میں قدیم زمانے میں سیریا کی سلطنت واقع تھی؛ اسکا بڑا حصہ پتھریلی چراگاہوں پر مشتمل ہے اور نصف جنوبی یعنی قدیم زمانے کا بابل؛ یہ ایک زبردست قابل زراعت میدان ہے۔ کھجور بکثرت پائی جاتی ہے۔ آب پاشی کی نہریں بھی اس سرزمین کو سیراب کرتی ہیں؛ اور اسی شادابی اور زرخیزی کی وجہ سے یہ حصہ ایشیا کی چار بہشتوں میں سے ایک بہشت شمار ہوتا تھا۔ میسوپوتامیا کے شمالی حصہ کو عرب اَلجزیرہ اور جنوبی حصے کو عِرَاق (یعنی "ساحل سمندر" یا "دامن کوہ") کہتے ہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس لفظ کا اطلاق خاص طور سے اس علاقے پر کیوں کیا گیا۔ ممکن ہے کہ یہ لفظ کسی پرانے نام سے جو اب معدوم ہو چکا ہے معرب کیا گیا ہو یا اس لفظ کے معنی شروع میں کچھ اور لیئے جاتے ہوں؛

(۱) میسوپوتامیا دو یونانی الفاظ سے مرکب ہے جس کے معنی "درمیان اور سوریا" کے ہیں؛ پورے لفظ کے معنی ایسے علاقے کے ہیں جو دو دریاؤں کے درمیان واقع ہو۔ یہ نام غالباً اسکندر اعظم کے زمانہ میں اس علاقہ کا ہوا تھا۔ اس سے زیادہ قدیم عبرانی نام ارم نہرایم (یعنی دو نہروں یا دریاؤں کا علاقہ) تھا۔ اسی اعتبار سے اہل عرب اسے الجزیرہ کہتے ہیں۔ لیکن جغرافیہ کے لحاظ سے اب جس ملک کو میسوپوتامیا کہتے ہیں وہ الجزیرہ سے پوری مطابقت نہیں رکھتا؛ جیساکہ مصنف نے آگے چل کر خود لکھا ہے۔ (مترجم)



ملک کا وہ زرعتی حصہ جو دو دریاؤں سے سیراب ہوتا ہے، عربوں کے ہاں سَوَاد[۱] کہلاتا ہے، اور اکثر اس نام کا اطلاق تمام عِرَاق پر بھی ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں سَواد سے بابل کا تمام علاقہ مراد لیا جاتا ہے۔ عِرَاق اور جَزِیرَہ کی سرحدیں مختلف حالات میں بدلتی رہی ہیں۔ عربوں کے پرانے جغرافیہ نویسوں کے مطابق عام طور سے عِرَاق اور جَزِیرَہ کی سرحد شمال میں اَنْبَار سے
شروع ہو کر جو دریائے فُرَات پر واقع تھا، دریائے دِجْلَہ کے کنارے کے شہر (۲۵)
تِکْرِیت تک پہنچتی تھی، اور یہ دونوں شہر عِرَاق میں شامل سمجھے جاتے تھے۔ مگر بعد کے جغرافیہ نویسوں کے مطابق یہ سرحد تِکْرِیت کے تقریباً مغرب سے گزرتی تھی، اور اس طرح اَنْبَار کے شمال میں دریائے دِجْلَہ کے کنارے کے چند شہر بھی عِرَاق میں شامل ہو جاتے تھے۔ اگر طبعی لحاظ سے دیکھا جائے تو موخر الذکر تقسیم زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ یہ سرحد شہر عَانَہ کے جنوب میں دریائے فُرَات پر اس مقام سے گزرتی تھی جہاں یہ دریا یک بارگی بہت کچھ جنوب کی طرف پھر جاتا ہے دِجْلَہ کا لفظ توریت کے بعض آرامی ترجموں میں دِگْلَتْ کی صورت میں اور کتاب پیدائش میں ھِدّ کل کی صورت میں ملتا ہے۔ جب مسلمانوں نے پہلی[۲] (ساتویں) صدی میں عِرَاق کو فتح کیا تو اس وقت مدائن جو دریائے

[۱] سَوَاد کے ایک دوسرے معنی شہر کے گرد و نواح کی آبادی یا بستیاں ہیں اسی وجہ سے اکثر سواد بغداد سَوَاد کُوفَہ اور سواد بَصْرَہ کا ذکر آتا ہے اور اس وقت اس لفظ سے ان شہروں کے گرد و نواح بستیاں مراد لی جاتی ہیں (مصنف)

وزیر ابوالحسن ابن الفرات نے سَوَاد کی وجہ تسمیہ حسب ذیل بیان کی ہے:۔ ایک مرتبہ وزیر کی مجلس میں ذکر ہوا کہ سواد کو آخر یہ نام کیوں دیا گیا؟۔ حاضرین مجلس میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا خیال ظاہر کیا، مگر وزیر نے کہا کہ نہیں:۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں عرب یہاں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ نخل و شجر کی کثرت، اور پانی اور زراعت کی بہتات کے باعث دن کو بھی یہاں اندھیر رہتا ہے۔ اسی لئے انھوں نے کہا "مَا ھٰذَا السَّوَادُ" اسی وقت سے اس علاقے کا نام سَوَاد پڑ گیا؛ "والعرب، تقول سَوَادُ الاَرْضِ وَبَیَاضُھَا؛ فَالسَّوَادُ العَامِرُ وَالبَیَاضُ الْغَامِرُ" (کتاب الوزراء لھلال الصابی مصحح آمدروز۔ مطبوعہ لیڈن ۱۹۰۴ء صفحہ ۶۸) (مترجم)

[۲] آئندہ کتاب میں ہر موقع پر جو تاریخ خطوط وحدانی میں ہو وہ عیسوی سمجھی جائے ورنہ ہجری، سوائے ان موقعوں کے جب کہ اس کلیہ کے خلاف صراحت کر دی جائے۔ (مترجم)

دِجْلَہ پر واقع تھا اس صوبہ کا صدر مقام اور ساسانیوں کا سرمائی دار السلطنت تھا۔ لیکن عربوں کو اول تو اپنے آدمیوں کو آباد کرنے کے لئے شہروں کی ضرورت تھی اور اس کے علاوہ ایسے مقامات کی بھی تلاش تھی جو فوجی چھاؤنیوں کا کام دے سکیں۔ چنانچہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بہت جلد تین چھاؤنیاں یعنی کُوفَہ، بَصْرَہ، اور وَاسِطْ، قائم کر دی گئیں۔ انھوں نے جلد ترقی کی؛ یہاں تک کہ تھوڑے عرصہ میں یہی تینوں مقام اس اسلامی صوبے کے اہم ترین مقامات بن گئے۔ خصوصاً بَصْرَہ اور کُوفَہ دونوں بنی اُمَیَّہ کے عہد میں برابر عِرَاق کے صدر مقامات رہے لہ

بنی اُمَیَّہ کی بربادی اور بنی عباس کی خلافت سے جو سیاسی انقلاب پیدا ہوا اس سے لامحالہ ایک نئے دار الخلافہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور آخر کار عباسیوں کے دوسرے خلیفہ منصور نے مَدَائِنْ سے چند میل شمال میں بَغْدَادْ کا نیا شہر آباد کیا۔ اس شہر نے اس سرعت سے ترقی کی کہ چند ہی روز میں لوگ دِمَشْق کی شان و شوکت کو بھول گئے۔ بَغْدَادْ بنی عباس کا دار الخلافہ اور قدرتی طور پر عِرَاق کا صدر مقام بن گیا۔ اور یہی عِرَاق کا صوبہ اب مشرقی خلافت کا مرکزی صوبہ بنا۔

ازمنۂ وسطٰی[۲] میں ملک عِرَاق کی طبعی کیفیت آج کل کی حالت سے بالکل مختلف تھی کیونکہ اس زمانے سے اب تک دِجْلَہ اور فُرَات کے بہاؤ میں بہت سی تبدیلیاں ہو چکی ہیں انھیں تبدیلیوں نے ان متعدد نہروں کو بالکل خراب و خستہ کر دیا جو خلفائے سلف کے دور میں آب رسانی کی غرض سے بنائی گئی تھیں اور جنھوں نے فی الواقع ملک عِرَاق کو بہشت عدن بنا رکھا تھا۔ دریائے دِجْلَہ آج کل اپنے خمدار بہاؤ میں جس کا رخ بالعموم جنوب مشرق کی طرف رہتا ہے۔ (۲۶) بَغْدَادْ کے جنوب میں دریائے فُرَات سے اس مقام پر مل جاتا ہے جسے قُرْنَہ کہتے ہیں۔ بَغْدَادْ

لہ صدر مقام ہونے کی حیثیت سے کُوفَہ اور بَصْرَہ "اَلْعِرَاقَانْ" یا اَلْعِرَاقَیْن) یعنی "عراق کے دو صدر مقام" کے نام سے مشہور تھے۔ بعد کے زمانہ میں جب کوفہ اور بصرہ کی فوقیت ختم ہو گئی تو عراقین کے لفظ کا اطلاق غلطی سے عراق کے دو صوبوں یعنی عراق عرب اور عراق عجم پر ہونے لگا۔ عراق عجم میں جبال کا صوبہ بھی شامل تھا۔ مزید تفصیل بارھویں باب میں آئے گی۔

[۲] ازمنۂ وسطٰی سے بالعموم پانچویں صدی عیسوی سے پندرھویں عیسوی تک کا زمانہ مراد لیا جاتا ہے (مترجم)

اور قُرْنَہ میں بخط مستقیم تقریباً (۱۵۰) میل کا فصل ہے۔ قُرْنَہ سے دِجلہ اور فُرات مل کر ایک ہو جاتے ہیں، اور اب یہ دریا شطّ العرب (یعنی دریائے عرب) کے نام سے مشہور ہو کر ایک بڑی عریض آب نائے یا کھاڑی کی شکل میں جس پر مدوجزر کا اثر ہوتا ہے بہتا ہوا خلیج فارس میں جا گرتا ہے۔ اس عریض آب نائے کا طول اگر بالکل سیدھی پیمائش کی جائے، تو تقریباً (۱۰۰) میل ہوگا۔ آج کل کے نقشوں میں یہی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن صدر اسلام میں اور جیسا کہ آگے بیان ہوگا غالباً دسویں (سولھویں) صدی کے پورے زمانہ میں دِجلہ نے بَغْدَاد سے تقریباً سو میل نیچے آکر ایسا رُخ اختیار کیا تھا، جو اس کے موجودہ راستہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ جنوبی تھا اور اسی انداز سے وہ وَاسِط پہنچتا تھا۔ دِجلہ کا یہ ٹکڑا وہ تھا جسے آج کل شطّ الحیّ (یعنی سانپ والا دریا) کہتے ہیں۔ وَاسِطْ، دِجلہ کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ وَاسِط سے تقریباً (۶۰) میل جنوب میں دریائے دِجلہ اپنا پانی نہروں میں بکثرت تقسیم کرکے آخر کار ایک وسیع مرداب میں پھیل کر بے نشان ہو جاتا تھا۔

یہ وسیع مرداب اپنے زیادہ سے زیادہ عرض میں (۵۰) میل اور طول میں (۲۰۰) میل تھا۔ اور از منہ وسطیٰ کے کل دور میں وہ بَصْرَہ کے بالکل قریب تک پہنچتا تھا۔ اس مرداب کے شمال مغربی گوشہ پر کُوفَہ سے چند میل جنوب میں دریائے فُرات اپنا پانی پہنچاتا تھا، کیونکہ اس زمانے میں اس دریا کی مخصوص گذرگاہ وہی تھی جو اب کوفہ والی شاخ فُرات کی ہے۔ اور فُرات کا وہ راستہ جو حِلَّہ سے گذرتا ہوا گیا ہے، اور جو آج کل اس کی مخصوص گذرگاہ ہے پہلے محض آبرسانی کی ایک نہر سے زیادہ نہ تھی، جسے نہر سُورا کہتے تھے۔ اس وسیع مرداب کے جنوبی حصہ کے شمالی کنارہ پر ایک قطار جھیلوں کی تھی جن کو بڑی آبناؤں نے ملا رکھا تھا، اور ان جھیلوں کی وجہ سے کشتی رانی ممکن ہو گئی تھی۔ چنانچہ کشتیاں اس مقام سے گذر کر جہاں دِجلہ القُطْر سے قریب مرداب میں داخل ہوتا تھا، ایک ایسے مقام تک پہنچتی تھیں جو موجودہ قُرْنَہ سے قریب تھا اور جہاں مرداب میں دِجلہ اور فُرات کا پانی بکثرت جمع ہو کر نہر ابوالاسود کے ذریعہ اس مقام پر گرتا تھا جس کے قریب سے شطّ العرب شروع ہوا تھا۔ اسی آبی راستہ سے کشتیاں بغیر کسی دشواری کے بَغْدَاد سے بَصْرَہ تک پہنچا کرتی تھیں۔ بَصْرَہ جو بَغْدَاد کا بندرگاہ تھا، اس نہر کے اختتام پر آباد تھا، جو شطّ العرب کی کھاڑی سے مغرب کی سمت

میں نکالی گئی تھی۔ شَطّ العَرَب کے اس حصہ کو اس زمانہ میں دِجلۃ الاَعوَر کہتے تھے +

اس کے برخلاف موجودہ نقشوں کے مطابق آج کل دِجلہ شطالحی سے
مشرق ہی کی سمت بہتا ہے۔ اور موجودہ قُوطَ العَمارَہ کے گاؤں پر سے جہاں ازمنہ وسطیٰ (٢٧)
میں ماذَرایا واقع تھا اپنا راستہ بدل دیتا ہے۔ بظاہر قُونَہ تک یہی راستہ ساسانیوں کے عہد میں بھی اس دریا کا تھا، جب کہ وہ وسیع مرداب جس کا ذکر جغرافیہ دانوں نے کیا ہے ابھی معرض وجود میں نہ آیا تھا۔ امام بلاذری اس وسیع مرداب کے آغاز کا زمانہ ساسانی کسریٰ قباذ اول کا وقت بتاتے ہیں، جو پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں گذرا ہے۔ اس بادشاہ کے عہد میں ان بندوں کی طرف سے، جو اُس وقت کے دریائے دِجلہ کے دونوں جانب بندھے ہوئے، چند سال تک غفلت برتی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یک لخت پانی نے زور کیا اور پشتوں کو اکثر جگہ سے توڑ کر جنوب مغرب کی تمام نشیبی زمین پر پھیل گیا۔ قباذ اول کے بیٹے انوشیروان عادل کے عہد میں ایک حد تک اُن بندوں کی مرمت کردی گئی۔ اور زمین کو پھر قابل زراعت بنایا گیا۔ لیکن خسرو پرویز کے زمانے میں، جو آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک تھا، تقریباً ۷ھ یا ۸ھ (۶۲۹ء) میں دریائے فُرات و دِجلہ میں ایسی طغیانی آئی جس کی نظیر پہلے نہیں ملتی۔ چنانچہ اس سے دونوں دریاؤں کے بند اکثر جگہ سے ٹوٹ گئے، اور تمام گرد نواح کا علاقہ تہ آب ہو گیا۔ امام بلاذری کا قول ہے کہ اس موقع پر جب کہ حقیقت میں معاملہ ہاتھ سے نکل چکا تھا، خسرو پرویز نے بذات خود ان بندوں کی مرمت کرائی، اور دولت و محنت صرف کرنے میں دریغ نہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کے قول کے مطابق "اس نے بند کے صرف ایک شگاف کو روکنے کے لئے ایک دن میں چالیس آدمیوں کو جن کے متعلق بند کی نگاہ داشت تھی، مصلوب کرایا اور پھر بھی سیلاب نہ رکا۔ اس مرتبہ جب پانی دریا کی گذرگاہ میں سمٹ کر واپس نہ جا سکا تو ایک وسیع مرداب مستقل طور پر پیدا ہو گیا۔ بعد کے زمانے میں کچھ تو ملکی فتنہ کی وجہ سے اور کچھ اس سبب سے کہ اسلامی فتوحات نے ساسانی خاندان کا فوراً ہی خاتمہ کر دیا تھا اُن بندوں کی طرف اور بھی توجہ نہ کی جا سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک بند میں شگاف بڑھتے گئے، کیونکہ کوئی ان کی مرمت کی طرف توجہ نہ کرتا تھا، اور دہقان خود ان کی مرمت کا مقدور نہ رکھتے تھے۔ اس طرح یہ مرداب

برابر طول و عرض میں بڑھتا چلا گیا۔
مذکورہ بالا بیان سے اس مرداب اعظم کے معرض وجود میں آنے کا سبب
صاف طور سے معلوم ہوجاتا ہے۔ ابن رُستہ کے خیال کے مطابق بھی ساسانیوں کے آخری
عہد ہی میں دریائے دِجلہ نے سب سے پہلی مرتبہ ماذرایا سے آگے اپنا شرقی راستہ چھوڑ کر
(۳۸) (شط الحی والا) مغربی راستہ اختیار کیا تھا جو اس زمین سے ہوکر گذرتا تھا جہاں مسلمانوں نے
بعد کے زمانہ میں واسِط کا شہر بسایا۔ ابن رُستہ کے قول کے مطابق اس تبدیلی سے وہ تمام علاقہ
جو دریا کے قدیم مشرقی راستہ کے دونوں جانب واقع تھا بالکل بیابان ہوگیا اور تیسری (نویں)
صدی میں، جب کہ وہ اپنی کتاب لکھ رہے تھے، اس علاقہ کی یہی کیفیت تھی۔ پھر وہ اس پانی کا ذکر
کرتے ہیں جو رَوکے رکنے سے پلٹ کر قُونہ کے شمال میں ایک چھ فرسخ طولانی دریا کی شکل میں
عَبدَسِی اور مَذَار تک پہنچتا تھا۔ اور اس کے اخیر میں ایک پشتہ باندھ کر اسے آگے بڑھنے
سے روک دیا تھا۔ پانی کا یہ طولانی ٹکڑا دِجلہ کی سابقہ اور موجودہ مشرقی گذرگاہ کا آخری
حصہ مشترکہ تھا۔ ابن رُستہ کا بیان ہے کہ وہ بند جوان کے زمانے میں کشتیوں کو شمال کی جانب
بڑھنے سے روک دیتا تھا ساسانیوں کے زمانے میں موجود نہیں تھا۔ اس وقت یہ آبی راستہ
عَبدَسِی اور مَذَار کے شمال میں کشتیوں کی آمد و رفت کے لیے اس مقام تک بالکل
صاف تھا جہاں وہ دِجلہ کی اس گذرگاہ سے جا ملتا تھا جو (ابن رُستہ کے زمانے میں)
وَاسِط سے علاقہ شمال میں (ماذرایا تک) آیا ہوا تھا۔ اور یہاں سے مَدَائِن تک
دریائی راستے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ ابن رُستہ لکھتے ہیں کہ پرانے زمانہ میں بحری جہاز، جو
ھندوستان سے چلتے تھے دِجلہ بَصرَہ تک (یعنی شط العرب کی کھاڑی میں آخر
زمانے کے بَصرَہ تک) آتے تھے اور یہاں سے مَدَائِن (طیسفون) تک پہنچ کر (موجودہ)
(موجودہ) فم الصِلح کے شمال میں دِجلہ بَغدَاد میں آجاتے تھے۔ (یعنی دِجلہ میں
وہاں پہنچ جاتے تھے جہاں زمانہ مابعد میں بَغدَاد کا شہر آباد ہوا)
اس لحاظ سے دریائے دِجلہ آج کل اپنے زیریں حصہ میں وہی راستہ
اختیار کرتا ہے، جو ساسانیوں کے عہد میں تھا۔ لیکن عباسی خلافت کے دور میں صدیوں تک
یہ دریا واسِط سے گذر کر مغربی راستہ سے بہتا ہوا، اس مرداب اعظم میں ضم ہوجاتا تھا۔
اب سوال یہ ہے کہ پھر دوبارہ کس زمانہ میں دریا نے اپنا راستہ بدلا اور موجودہ راستہ اختیار

کیا؟ اس کا جواب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ اغلباً یہ تبدیلی بہ تدریج واقع ہوئی ہوگی، اور اس کا سبب یہ تھا کہ مغربی راستہ مٹی اور ریت کی وجہ سے بند ہو گیا تھا۔ بہر کیف تیمور کے عہد اور نویں (پندرھویں) صدی تک تمام مسلمان جغرافیہ نویس یہی بیان کرتے ہیں کہ دِجلہ کا زیریں حصہ واسِط سے ہو کر گذرتا تھا۔ اس کی توثیق حافظ ابرو کے قول سے بھی ہوتی ہے، جس نے اپنی کتاب ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) میں لکھی تھی۔ سیاحوں میں سب سے پہلے جس نے مشرقی راستہ کو قابل جہاز رانی بنایا ہے وہ جان نیو بری تھا، جو ۱۵۸۱ء میں بغداد جانے کے بعد وہاں سے چھ دن میں کشتی کے ذریعہ سے بصرہ پہنچا تھا؛ اور پانچویں دن قُرنہ پر سے گذرا تھا جو ایک قلعہ ہے جہاں فُرات اور دِجلہ ملتے ہیں۔ سترھویں صدی عیسوی میں فرانسیسی سیاح ٹریورنیر نے بھی دجلہ پر یہی راستہ اختیار کیا تھا۔ وہ فروری ۱۶۵۲ء میں بغداد سے روانہ ہوا؛ اس کا بیان ہے کہ شہر سے کچھ فاصلے پر ہی دریائے دِجلہ دو شاخوں میں منقسم ہو جاتا (۲۹)
ہے۔ مغربی رَو، جو واسِط کے پاس سے گذرتی تھی، اس کی سیاحت کے زمانہ میں قابل کشتی رانی باقی نہ رہی تھی۔ لیکن جیسا کہ اس نے لکھا ہے وہ میسوپوتامیا کے آخر تک پہنچتی تھی۔ فرانسیسی سیاح نے سفر کے لئے مشرقی رَو کو اختیار کیا تھا، جو قُوط العَمارہ سے آگے بڑھ کے قدیم کالدیا میں سے گذرتی تھی۔ بَصرہ پہنچنے سے پہلے وہ قُرنہ سے گذرا تھا، جہاں؛ اس کا بیان ہے کہ دِجلہ اور فرات دونوں مل جاتے ہیں[1]۔

[1] امام بلاذری کی فتوح البلدان ص ۲۹۲ + ابن رستہ ص ۹۴ + یاقوت ج ا ص ۶۶۹ + ۱۵۸۳ء میں جان ایلڈرڈ بغداد سے بصرہ گیا۔ اس نے بیان کیا ہے کہ بصرہ سے آگے ایک دن کی مسافت پر کس طرح دجلہ اور فرات کا اتصال ہوتا ہے، اور اس مقام پر قُرنہ نام ایک قلعہ ہے۔ دیکھو اس کا سیاحت نامہ۔ ہکلیوٹ Hekluyt میں پرنسپل نیوی گیشنز ج ۲۔ ص ۲۶۹ + اور ج ۵ ص ۳۷۱ + کیونکہ ۱۵۶۳ء میں سیزر فریڈرک نے بھی یہی سفر کیا تھا اس نے بھی قرنہ کے قلعہ کا ان ہی الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ نیو بری کی سیاحت کے لئے دیکھو: Purchas : His Pilgrimes

(باقی آئندہ صفحہ پر دیکھو)

ایک وسیع مرداب کا اس طرح وجود میں آنا اور اس کی وجہ سے بعد کو دِجلہ و فُرات کے راستوں میں تبدیلی پیدا ہونا سب سے بڑی چیز ہے جو عہدِ خلافت کے دوران میں جنوبی میسوپوتامیا کے طبعی حالات میں پیش آئی۔ اور تقریباً اتنا ہی قابلِ غور نہروں کا وہ سلسلہ تھا جو اسلامی فتوحات کے بعد مسلمانوں کو ایرانیوں سے بطور ورثہ ملا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، اس زمانہ میں اس مرداب کے شمال میں تمام عراق اور اس علاقے میں، جو ان دو دریاؤں کے درمیان واقع تھا، نہروں کا ایک جال بچھا ہوا تھا۔ یہ نہریں مشرق کی طرف بہ کر دریائے دِجلہ میں اپنا پانی گرا دیتی تھیں۔ دِجلہ کے مشرق میں ایک (۲۰۰) میل لمبی نہر، جو نہروان کہلاتی تھی، اور جو تکریت سے کسی قدر جنوب میں دِجلہ سے نکل کر شہر واسط سے پچاس میل شمال میں پھر دِجلہ میں مل جاتی تھی، ان زمینوں کو سیراب کرتی تھی جو دِجلہ کے پار ایران کی سمت کو واقع تھیں۔ آب رسانی کے ان زبردست ذرائع کی پوری تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔ اس باب کے ساتھ ایک نقشہ ملحق ہے، جو اس زمانے کے مصنفوں کے بیانات کے مطابق تیار کیا گیا ہے۔ اس نقشے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ کس طرح عباسیوں کے عہد میں عراق کی زرخیزی اور سرسبزی پانی کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: (فولیو ۱۶۲۶-۱۶۲۵) ج ۵ ص ۱۲، ۱۱، ۱۴-۱۲ اور Six Voyages en Turquie de J.B. Traverner (یوٹرکٹ ۱۷۱۲ء ۶)

ج ۱، ص ۲۴۰، ۲۴۲۔ ان کے علاوہ دوسرے سیاح کچھ تفصیل نہیں بتاتے۔ غالباً سب سے پہلا شخص جس نے دریائے دِجلہ کی مغربی شاخ کو قابلِ کشتی رانی بتلایا ہے وہ گمنام پرتگیزی سیاح ہے، جس کے سفرنامہ کا قلمی نسخہ اس وقت مسٹر ایم ہیوم کے پاس ہے (دیکھو اینتھیم ۲۳ مارچ ۱۹۰۱ء ص ۳۷۳) یہ سیاح بیان کرتا ہے کہ قرنہ کا قلعہ بصرہ کے شمال میں چھ فرسخ کے فاصلے پر وہاں واقع تھا جہاں دِجلہ اور فُرات کا اتصال ہوتا ہے۔ صحیح طور پر معلوم نہیں کہ اس کا زمانۂ سیاحت کونسا ہے، لیکن سفرنامہ میں جو اندرونی شہادت موجود ہے اس کی بنا پر اس کی سیاحت کی تاریخ ۱۵۵۰ء قرار دی جا سکتی ہے۔ اس تحقیق سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک کے بعد نو صدیوں تک دِجلہ کی مغربی رَو مرداب اعظم تک آتی تھی؛ اس کے بعد سولھویں صدی عیسوی میں اس نے اپنا راستہ بدل کر مشرقی رَو اختیار کی جو اشاعتِ اسلام سے قبل ساسانی زمانہ میں اس کا اصلی راستہ تھا؛ اور یہی راستہ یہ دریا آج کل بھی اختیار کرتا ہے۔

(۳۰) کفایت شعاری سے برتنے پر مبنی تھی، اور کس طرح دریائے دِجلہ و فُرات کا درمیانی علاقہ اس پانی سے سیراب ہوتا تھا جو دریائے فُرات سے مشرق کی طرف نہریں نکال کر پہنچایا گیا تھا، اور ان زمینوں کو جو دِجلہ کے بائیں کنارے[1] واقع تھیں، اور کوہستان ایران کی نیچی پہاڑیوں تک چلی گئی تھیں، نہروان سے نکالی ہوئی نہریں سیراب کرتی تھیں، ان نہروں کے ذریعہ سے دِجلہ کا زائد پانی مشرق کی سمت میں بہ احتیاط تقسیم ہو جاتا تھا؛ اور ان ہی میں ان متعدد ندی نالوں کا پانی شامل ہو جاتا تھا جو کُردستان کی پہاڑیوں سے اترتے تھے۔

بَغدَاد کے بلدی حالات پر ایک مستقل کتاب لکھی جا چکی ہے[1]۔ یہاں صرف یہ مناسب ہوگا کہ اس کی مخصوص کیفیتیں مختصر طور سے بیان کر دی جائیں، تاکہ عباسیوں کے دارالخلافہ کی بزرگی عِرَاق کے دوسرے شہروں پر ظاہر ہو سکے، اور ان تمام سڑکوں کا سلسلہ بھی سمجھ میں آ سکے جن کا مرکز بَغدَاد تھا۔ سب سے پہلی بڑی نہر[2] جو فُرات سے نکل کر دِجلہ میں ملتی تھی، نہر عیسیٰ[3] تھی، اور عین اس مقام سے ذرا اوپر جہاں یہ نہر دِجلہ میں گرتی تھی خلیفہ منصور عباسی نے ۱۴۵ھ (۷۶۲ء) میں اپنے شہر مُدَوَّر کی بنیاد ڈالی جو آخر میں بَغدَاد بن گیا۔ اس ابتدائی شہر کے چار دروازے ایک ایک عربی میل کے

عه جب کسی دریا کے منبع سے اس کے دہانے کی طرف چلیں تو جو کنارہ بائیں ہاتھ کو پڑتا ہے اُسے دریا کا بایاں کنارہ کہتے ہیں۔ (مترجم)

له بَغدَاد ڈیورنگ دی عباسڈ کیلیفیٹ (اکسفورڈ ۱۹۰۰ء)۔ واضح ہو کہ عراق کے ان تمام ضلعوں، شہروں، اور قریوں کا ذکر کرنے کے لئے جن کے نام جغرافیہ والوں نے گنوائے ہیں ایک دفتر کی ضرورت ہے، تب کہیں جا کر عباسیوں کے اس مرکزی صوبے کے حالات مکمل ہوں گے۔ ابن سراپیون پر مضمون لکھتے وقت جو نقشہ تیار کیا گیا تھا اس میں ان تمام شہروں کا نشان ہے جو دریاؤں یا نہروں پر واقع تھے (جے۔ آر۔ اے۔ ایس، ۱۸۹۵ء ص ۳۲) لیکن یہ فہرست مکمل نہیں۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر سٹرک کی کتاب Die alte Landeschaft Babylonien.

سله عربی میں لفظ "نَهر" کا اطلاق اردو الفاظ "نہر" اور "دریا" دونوں پر ہوتا ہے۔

ٰعه "عیسیٰ" وہ عباسی شہزادہ تھا جس نے یہ نہر کھدوائی تھی۔

مساوی فاصلے پر تھے۔ اور ہر ایک دروازے سے ایک ایک شاہ راہ نکلتی تھی۔ آیندہ زمانے میں انھیں چاروں سڑکوں پر شہر کی بیرونی آبادی قائم ہوتی چلی گئی۔ اور یہ تمام آبادی بھی اس عظیم الشان دارالخلافہ کے وسیع حلقہ میں آگئی۔ ان چاروں دروازوں کے نام حسب ذیل تھے:۔(۱) جنوب مشرق میں بَابِ بَصْرَۃ یہ اس آبادی میں واقع تھا جو دریائے دِجْلَہ کے کنارے اس جگہ پر تھی جہاں سے نَہرِ عِیْسیٰ نکلتی تھی؛ (۲) جنوب مغرب میں بَابِ کُوْفَہ یہاں سے جنوب کی سمت ایک سڑک نکلتی تھی، اور وہی سڑک مَکَّۂ مُعَظّمَہ کو جاتی تھی؛ (۳) شمال مغرب میں بَابُ الشَّام جہاں سے ایک شاہ راہ بائیں طرف فُرَات کے کنارے شہرِ اَنْبَار کو اور دائیں طرف دِجلہ کے مغربی کنارے کے شہروں کو جاتی تھی، جو بَغْدَاد سے شمال میں واقع تھے؛ (۴) بابِ خُرَاسَان یہاں سے ہوکر کشتیوں کے بڑے پل کو ایک راستہ دریا اترنے کے لئے جاتا تھا۔ اس پل سے مسافر مشرقی بَغْدَاد میں آتا تھا؛ جو پہلے منصور عباس کے بیٹے اور جانشین مہدی کے نام پر مَدِیْنَۃُ المَهْدِی مشہور تھا مہدی نے اپنا محل یہیں بنوایا تھا اور مشرقی بَغْدَاد کی اولین جامع مسجد تعمیر کرائی تھی۔ یہ مشرقی شہر تین حصوں میں منقسم تھا:۔ پل کے سرے کے قریب کا حصہ رُصَافَہ کہلاتا تھا؛ دوسرا حصہ شَمَّاسِیَہ تھا، جو رُصَافَہ سے شمال میں دریا کے کنارے تھا؛ تیسرا حصہ مُخَرِّم، رُصَافَہ کی جنوب کی طرف تھا مشرقی بَغْدَاد کے ان تینوں محلوں کے گرد نصف دائرے کی شکل کی ایک فصیل تھی، جو دریا کے کنارے شَمَّاسِیَہ کے شمال سے شروع ہوکر مُخَرِّم کے جنوب میں دریا کے کنارے ختم ہو جاتی تھی۔ اسی مشرقی بَغْدَاد کے وسطی اور تنگ حصہ سے خُرَاسَان والی بڑی سڑک کا ابتدائی حصہ گذرتا تھا۔ یہ سڑک شہر مُدَوَّرَہ کے باب خراسان سے شروع ہوکر دریا اترتی ہوئی مشرقی بَغْدَاد کے باب خراسان سے (جو اس نام کا دوسرا دروازہ تھا) گذرتی تھی، اور یہاں سے جیسا کہ اس کتاب کے پہلے باب میں بیان ہوا ہے یہ بڑی سڑک مشرق میں اسلامی سلطنت کے انتہائی حدود تک پہنچتی تھی۔ (۳۱)

شہر مُدَوَّرْ کے باب کوفہ سے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کُوْفَہ یا حاجیوں کی سڑک نکلتی تھی جس کا رُخ جنوب کی سمت تھا۔ اس دروازے کے باہر کی آبادی جس کا پھیلاؤ کم و بیش ایک فرسخ تھا کرخ کہلاتی تھی۔ بَابِ مُحَوَّل کے باہر کی آبادی دارالخلافہ کے مغرب کی طرف واقع تھی، اور بَابِ کُوْفَہ اور بَابُ الشَّام دونوں سے ہوکر اس کو راستہ جاتا تھا

ان دروازوں کی دونوں سڑکیں مل کر وہ بڑی مغربی شاہ راہ پیدا ہو جاتی تھی جو مُحَوَّل کی
بستی سے گذرتی ہوئی اَنبارُ کو جاتی تھی۔ بَابُ الشَّامِ کے شمال میں حَرْبِیَّۃ کی آبادی تھی،
جو جنوب میں کرخ کی آبادی سے ہم پلہ تھی۔ حَرْبِیَّۃ کے پار مغربی بَغْدَادْ کے شمالی
قبرستان تھے، جو دریا کے ایک خم کی وجہ سے دو طرف پانی سے گھرے ہوئے تھے یہی قبرستان
بعد میں کَاظِمِیْن کے نام سے مشہور ہوئے، کیونکہ یہاں شیعوں کے دو اماموں
کے مزار ہیں۔

بَغْدَادْ کا شہر چار بستیوں کے مرکز میں واقع تھا؛ ان چار بستیوں میں سے دو
بستیاں دِجْلَہ کے ایک کنارے پر اور دو دوسرے کنارے پر تھیں۔ مغربی کنارے
قَطْرَبُّلْ کی بستی نَہرِ عیسیٰ کے شمال میں، اور بادُورَیا اسی نہر کے جنوب میں واقع
تھی، مشرقی کنارے پر نہرِ بُوق کی آبادی خُرَاسان کی شاہ راہ کے شمالی جانب واقع تھی؛ (۳۲)
اور کَلْوَاذَا کی بستی جنوب میں تھی۔ کَلْوَاذَا کی بڑی بستی دریا کے کنارے پر مشرقی بَغْدَادْ
کے انتہائی جنوبی دروازے سے ذرا فاصلے پر تھی۔ بَغْدَادْ ہی سے جو اسلامی سلطنت کی
سڑکوں کا مرکز تھا، دو سڑکیں نکلی تھیں ایک جنوب میں اور دوسری مغرب کی سمت جاتی تھی، اور
انھوں نے یہ مختلف رُخ شہرِ مُدَوَّرْ کے بَابِ کُوفَہ کے سامنے اختیار کئے تھے؛ اور
دونوں سڑکیں شمال اور مشرق کو جاتے ہوئے مشرقی بَغْدَادْ سے گذرتی تھیں، اور
کشتیوں کے پل کے آخری حصہ سے شروع ہوتی تھیں۔ جنوبی سڑک جو کوفہ (اور مَکَّۂ
مُعَظَّمَہ) کو جاتی تھی، کرخ سے تھوڑی دور آگے بڑھ کر نہر صَرْصَرْ کے کنارے
کے شہر صَرْصَرْ پہنچتی تھی؛ نہر صَرْصَرْ دوسری بڑی نہر تھی، جو فُرَات کو دِجْلَہ
سے ملاتی تھی؛ اور جنوب میں نہرِ عیسیٰ کے بالکل متوازی بہتی تھی۔ مغرب یا اَنبار کی سڑک
بَابِ کُوفَہ سے رُخ بدلنے اور بَرَاثَا کی آبادی میں سے گذرنے کے بعد کم و بیش ایک
فرسخ (تین میل) آگے بڑھ کر مُحَوَّلْ کے شہر تک پہنچتی تھی؛ جو نہرِ عیسیٰ پر واقع تھا،
جیسا کہ ذکر ہوا مشرقی یعنی خراسانی سڑک مشرقی بَغْدَادْ کے بَابِ خُرَاسان یعنی
مُخَرِّمْ کے شمال سے شروع ہوتی تھی۔ اس سڑک پر سب سے پہلا شہر نَہرَوان کا پل تھا، جو
اسی نام کی نہر کے سہرے پر آباد تھا، باقی رہی شمالی شاہ راہ یہ شَمَّاسِیَّہ کی آبادی میں سے ہو کر
مشرقی بَغْدَادْ کے بَابِ بَرَدَان سے گذرتی ہوئی تھوڑی ہی سی مسافت کے بعد بَرَدَان

کے شہر کو پہنچتی تھی، جو دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر واقع تھا۔ یہاں سے آگے بڑھ کر دریا کے بائیں کنارے سے یہ شاہراہ سامرّا اور شمالی میسوپوٹیمیا کے دوسرے شہروں کو جاتی تھی۔

عباسی خلافت کے پنج صد سالہ دور میں بغداد کا شہر بڑھتا بھی گیا اور اس کے بعض حصے غیر آباد ہو کر ویران بھی ہوتے گئے؛ اس لئے شہر اور اس کی بیرونی آبادیوں کا نقشہ اس زمانے میں بہت کچھ بدلتا رہا۔ اوپر جس بغداد کا ذکر ہوا ہے وہ ہارون الرشید کے عہد کا بغداد ہے۔ اس خلیفہ کی وفات کے بعد جو خانہ جنگی ہوئی، وہ شہر مدوّر کی بربادی کا باعث بنی۔ ۲۲۱ھ (۸۳۶ء) میں مستقر خلافت سامرّا کو منتقل ہوا اور اس کے بعد سات خلفاء کے عہد میں بغداد کی حیثیت ایک معمولی سے شہر کی رہ گئی۔ آخر کار جب ۲۷۹ھ (۸۹۲ء) میں سامرّا کو ترک کر کے خلیفہ نے پھر پرانے دار الخلافہ میں سکونت اختیار کی، تو اس مرتبہ مشرقی بغداد کو دار الخلافہ بننے کا فخر حاصل ہوا۔ اب یہاں بہت سے نئے نئے محلات تیار ہو گئے؛ شہر مدوّر رفتہ رفتہ ویران ہوتا گیا اور اس کی گزشتہ شان و شوکت کا وارث مشرقی بغداد بنا۔ اس کے بعد پورے چار سو برس، یعنی تاتاریوں کی یورش تک، خلفا نے آب دجلہ کے مشرقی کنارے پر مستقل سکونت رکھی۔

(۴۳) ان بعد کے خلفاء کے محلات مخرّم کی جنوبی زمینوں پر تعمیر ہوئی تھی۔ اور مخرّم ان تینوں بستیوں میں سے جو ہارون الرشید کے عہد میں مشرقی بغداد کی فصیل کے اندر واقع تھیں، سب سے زیادہ نشیب میں تھا۔ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں یہ تینوں بستیاں اجڑ چکی تھیں، لیکن اب نئے محلات کے گرد نئے آبادیاں قائم ہو گئیں اور پھر ان سب بستیوں کے گرد بہت جلد نصف دائرہ کی شکل کی ایک فصیل کھینچ دی گئی تھی۔ مشرقی بغداد کی یہ نئی فصیل جس کے اندر پرانے مخرّم کا ایک حصہ آ گیا تھا، محلوں کے شمال میں دریا کے کنارے سے شروع ہو کر جنوب میں دریا کے کنارے پر (کلواذا کے قریب) ختم ہوئی تھی، اور خلیفہ مستظہر کے حکم سے ۴۸۸ھ (۱۰۹۵ء) میں تعمیر ہوئی تھی۔ اگرچہ اس فصیل کی متعدد مرتبہ مرمت بھی ہو چکی تھی، لیکن ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) کے تاتاری طوفان کو نہ روک سکی، اور عباسی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس وقت بھی

یہ فصیل شکستہ صورت میں موجود ہے اور اس کے وسیع حلقے میں دارالخلافہ کے چند آثار جو زمانہ کی دست برد سے بچ گئے ہیں، اب تک باقی ہیں۔ اب بھی یہ شہر پناہ موجودہ بَغْدَاد کی، جو عراق کا صدر مقام ہے، حفاظت کر رہی ہے۔

بَغْدَاد سے سات فرسخ جنوب میں دِجْلَہ کے دونوں کناروں پر اَلْمَدَائِن آباد تھا؛ اس لفظ کے لغوی معنی "شہروں" کے ہیں؛ اور عربوں نے یہ نام طَیْسَفُون (Ctesiphon) اور سَلُوقِیا (Seleucia) کے دو پرانے دارالسلطنتوں کے ویرانوں کو دیا تھا، جو ولادت مسیح سے تین سو برس قبل آباد ہوئے تھے۔ دِجْلَہ کے مغربی کنارے پر سَلُوقِیا تھا۔ اس شہر کا نام سَلُوقَس یونانی بادشاہ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ دوسرے شہر کے نام کی اصلیت، جسے عرب مختصر کر کے طَیْسَفُون کہتے ہیں، یقین کے ساتھ دریافت نہیں ہو سکتی۔ ظاہری صورت میں یہ لفظ یونانی معلوم ہوتا ہے، لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ وہ کسی قدیم پارسی نام کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے۔ یہ امر تحقیق نہیں ہو سکا کہ ساسانی اپنے اس پایۂ تخت کو کیا کہا کرتے تھے[۱]۔

سنہ ۵۴۰ء میں انوشیروان عادل نے ملک شام کے شہر انطاکیہ اور نہر العاصی (The Orontes) کے کنارے کے شہر سَلُوقِیا کو فتح کیا، اور ایرانی بادشاہوں کے دستور کے مطابق سَلُوقِیا کے باشندوں کو اپنے پایۂ تخت طَیْسَفُون کو منتقل کر دیا؛ یہاں اس نے ان لوگوں کو اپنے دارالسلطنت سے باہر ایک نئی
(۴۲) آبادی میں جو دِجلَہ کے مشرقی کنارے اور میسوپوتامیا والے سَلُوقِیا کے بالکل محاذ میں تھی بسا دیا۔ جب مسلمانوں نے ساتویں صدی عیسوی میں یہ ملک فتح کیا

[۱] بعض مصنفوں کی یہ رائے ہے کہ کتَسیفُون (Ctesiphon) وہی شہر ہے جس کا نام کتاب عذرا (باب ۸ آیت ۱۷) میں کَسِیفِیا (Casiphia) بیان ہوا ہے۔ یہ شہر بابل اور یروشلم کے درمیان واقع تھا۔ عہد نامۂ عتیق کے یونانی نسخ میں اس شہر کو "چاندی کا شہر" لکھا ہے۔ مدائن عربی میں مدینہ کی جمع ہے اور کَسِیفِیا غالباً خسروان ایران کے پایۂ تخت کی کلدانی شکل ہے۔

تو یہ بستی موجود تھی، اور اس وقت بھی رُومیہ (یعنی اہل روما و یونان کی بستی) کہلاتی تھی۔ بعض مصنفوں نے لکھا ہے کہ یہ بستی شہر انطاکیہ کے نقشے پر آباد کی گئی تھی۔
مسلمان مصنف لکھتے ہیں کہ مدائن سات شہروں کا مجموعہ تھا؛ ان ساتوں شہروں کے نام بھی، باختلاف املا، نقل کیے گئے ہیں؛ لیکن جب یعقوبی نے تیسری (نویں) صدی میں اپنی کتاب لکھی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت صرف پانچ شہر موجود اور آباد تھے۔ یہ شہر حسب ذیل تھے:۔ (۱) مشرقی کنارے پر "المدینۃ العتیقۃ" (پرانا شہر) جو طیسفون سے مطابق ہوتا تھا؛ (۲) اور اس سے ایک میل جنوب میں اَسبان بُر، جس کے پاس ہی (۳) رُومیہ واقع تھا؛ (۴) دِجلہ کے دوسرے کنارے پر بَہرَسِیر تھا، جو بہ اردشیر کی بگڑی ہوئی شکل تھی، جس سے مراد تھی "اردشیر کا اچھا شہر"؛ (۵) اس سے ایک فرسخ جنوب میں ساباط تھا جس کو یاقوت کے قول کے مطابق ایرانی بلاساباد کہتے تھے۔
ساسانیوں کا عالیشان محل، جس کے کھنڈر اب تک باقی ہیں، دِجلہ کے مشرقی کنارے پر واقع تھا۔ اس کو عرب ایوان کسریٰ کہتے تھے۔ یہ ایوان، بقول یعقوبی، اَسبان بُر میں واقع تھا۔ ایک اور بڑی عمارت، قصر الابیض، شمال کی طرف ایک میل کے فاصلے پر قدیم شہر (مدینۃ العتیقۃ) میں تھی لیکن یہ قصر الابیض بہر کیف چوتھی (دسویں) صدی میں ضرور مٹ چکا تھا، کیونکہ اس زمانہ کے بعد کے مصنف قصر الابیض اور ایوان کسریٰ ان دونوں میں سے جس نام کو چاہتے ہیں اس بڑی محراب والی عمارت سے منسوب کر دیتے ہیں، جو واقعی شاہان ساسانیہ کے آثار میں سے ایک واحد نشانی آج تک موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر قصر الابیض ان متاخرین کے زمانہ میں موجود ہوتا تو اس قسم کی غلطی نہ کرتے۔ یہ ساسانی قصر دوسری (آٹھویں) صدی کے وسط میں، جس وقت کہ منصور عباسی بغداد تعمیر کرا رہا تھا، مسمار ہونے سے بال بال بچ گیا۔ صورت واقعہ یہ تھی کہ خلیفہ نے اس قصر کو مسمار کر کے اپنے نئے شہر میں اس کا مال مصالح لگانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ ایرانی وزیر خالد بن برمک نے خلیفہ کو اس ارادہ سے باز رکھنے کی عبث کوشش کی۔ لیکن آخر الامر خالد جو چاہتا تھا وہی ہوا، کیوں کہ جس وقت خلیفہ کے حکم کی تعمیل شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ قصر کو

سمار کرانے کا صرف اس مال مصالح کی لاگت سے کہیں زائد ہے جو نئے شہروں کی عمارتوں کے لئے درکار ہے اس طرح یہ عمارت جسے یعقوبی نے "طاق کسریٰ" لکھا ہے، بدستور قائم رہ گئی۔ اس زمانہ کے بعد اس کا بہت سا سنگین کام اکھاڑ کر مشرقی بغداد میں قصر التاج کے کنگروں کی تعمیر میں لگا گیا اس قصر کی تعمیر خلیفہ مکتفی نے سنہ ۲۹۰ھ (سنہ ۹۰۳ء) میں ختم کی تھی۔

(۳۵) چوتھی (دسویں) صدی میں مدائن، جو آج کل بالکل برباد ہو چکا ہے، ایک چھوٹا سا بارونق شہر تھا اور اس میں اسلامی فتح کے وقت کی ایک خوبصورت جامع (جمعہ) مسجد بھی تھی جس کے قریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت سلمان فارسیؓ کی قبر تھی۔ مدائن کے بازار پختہ اینٹ کے بنے ہوئے تھے اور ان میں سامان تجارت کی بہتات تھی۔ اس کے قریب رومیہ میں خلیفہ منصور عباسی نے چند روز قیام کیا تھا، اور دریا کے دوسرے کنارے پر معاباط میں خلیفہ مامون کا قیام رہا تھا۔ ساسانیوں کے قدیم محل کی شان و شوکت کا ذکر عربی جغرافیہ دانوں نے بہت تفصیل سے کیا ہے۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ بڑی محراب اسی[1] ذراع بلند ہے یاقوت حموی نے اس محل کی بنائی ہوئی اینٹوں کی تعریف کی ہے۔ ہر ایک اینٹ لمبائی میں تقریباً ایک ذراع اور چوڑائی میں ایک بالشت سے کچھ کم تھی۔ مستوفی جس نے مدائن اور اس کے قصر کی حکایات ماضیہ کا ذکر کیا ہے کہتا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مدائن اور رومیہ بالکل غیر آباد اور شکستہ ہو چکے تھے، گو ان کے بالمقابل دریا کے مغربی کنارے پر بہت سے گاؤں اس وقت تک آباد تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ ان میں سب سے بڑا قصبہ بہرسیر تھا جس کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے۔ اسی کا نام یاقوت نے، جو وہاں جا چکا تھا،

ع۱ عربی پیمائش کے فاصلے حسب ذیل ہیں۔ ۱ برید = ۴ فرسخ + ۱ فرسخ = ۳ میل + ۱ میل = ۱۰۰۰ باع + ۱ باع = ۴ ذراع + ۱ ذراع = ۲۴ انگشت + ۱ انگشت = ۶ دانہ جو + اس لحاظ سے ایک ذراع آدھ گز انگریزی کے برابر ہوا + مصنف نے ہر جگہ ذراع کا ترجمہ ایل (Ell) کیا ہے۔ یہ ایک غیر متعین پیمانہ ہے۔ انگریزی ایل (۴۵) انچ کا فلیمش ایل (۲۷) انچ کا اور اسکاٹ لینڈ کا ایل (۳۷ ۱/۵) انچ کا ہوتا ہے۔ مترجم)

الرُّوُمقان لکھا ہے اس کے جنوب میں ذَرِیزَان تھا، جو حاجیوں کی سڑک پر مسافروں کے ٹھیرنے کی منزل تھا۔ اور مغرب میں نہر صَرصَر کے کنارے سے شہر صَرصَر آباد تھا، جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ یہ نہر صَرصَر مدائن سے کسی قدر شمال میں دریائے دِجلہ میں گرتی تھی۔ مدائن کے گرد و نواح کا علاقہ؛ جو دریائے دِجلہ سے شروع ہو کر مشرق میں نَہرُوان کی نہر تک پہنچتا تھا سازان کہلاتا تھا۔ یاقوت نے اس کے بہت سے قریوں کا ذکر کیا ہے، اور مستوفی نے یہاں کی فصلوں کی تعریف کی ہے[1]

دَیرُ العاقُول[2] (یعنی دریا کے گھاؤ والا دیر) اب بھی نقشے پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ وہ دریا کے مشرقی کنارے پر مدائن سے دس فرسخ جنوب میں واقع ہے۔ اور اس لفظ ہی سے اس مقام پر دجلہ کے راستہ کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ یہ کسی زمانے میں عیسائیوں کی خانقاہ تھی، اس کے گرد ایک بڑا شہر آباد تھا؛ اور یہی شہر وسطی علاقہ نہروان کا سب سے بڑا شہر شمار ہوتا تھا۔ اس میں ایک جامع[3] مسجد بازار سے کچھ فاصلے پر واقع تھی۔ تیسری (نویں) صدی کے ختم کے قریب ابن رستہ نے الماصر کا ذکر کیا ہے (۳۶)

---

[1] یعقوبی ص ۳۲۰، ۳۲۱ + ابن سرابیون ص ۹ + ابن حوقل ص ۱۶۷ + مقدسی ص ۱۲۲ + یاقوت ج ۱-ص ۴۲۵، ۴۲۶، ۷۶۸، ۸۰۹، ج ۲-ص ۷۲۹، ۹۲۹، ج ۳، ص ۲ + مستوفی ص ۱۴۰، ۲۰۰

([2] العاقول۔ مُعطف الوادی والنہر (اقرب) مترجم)

[3] ہم نے جن الفاظ کا ترجمہ یہاں جامع مسجد کیا ہے ان کو مصنف نے انگریزی میں "فرائڈے ماسک" لکھا ہے، اور حسب ذیل حاشیہ کا اضافہ کیا ہے (مترجم)

عربی الفاظ "مسجد جامع" کا ترجمہ انگریزی میں "فرائڈے ماسک" کر دینا آسان ضرور ہے لیکن صحیح نہیں۔ ان الفاظ کا ایک اور انگریزی ترجمہ "گریٹ ماسک" بھی کیا جاتا ہے لیکن یہ بھی درست نہیں۔ مسلمانوں کے ہاں دو قسم کی مساجد ہوتی ہیں۔ ایک قسم چھوٹی مساجد کی ہے، جن میں ہر ایک آدمی جب چاہے جا کر نماز ادا کر سکتا ہے۔ وسعت کے اعتبار سے یہ اکثر "مقام" یا "مشہد" کے برابر ہوتے ہیں۔ اور مقام یا مشہد سے ایسی جگہ یا مکان مراد ہوتی ہے جو کسی بزرگ کی شہادت کی یادگار میں متبرک سمجھا جاتا ہو۔ مصلے (یعنی نماز کی جگہ) وہ مقام ہوتا ہے جہاں بڑے بڑے

جو دریائے دجلہ کے چنگی گھر تھے۔ ہر ماصر پر دریا کا راستہ بند رکھنے کے لئے ایک چنگی کا افسر مامور تھا۔ ابن رستہ کا بیان ہے کہ الماصر دریائے دجلہ پر ان مقامات کا نام تھا جہاں دریا کے اس پار اور اس پار والے کنارے پر آمنے سامنے دو دو کشتیاں کنارے سے پرے قائم کرکے ان میں رسوں کے سرے باندھ کر رسوں کو دریا کے عرض پر تان دیتے تھے اور اس طریقے سے رات کے وقت کشتیاں ان مقامات سے بغیر چنگی ادا کئے نہ گزر سکتی تھیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے دَیر العاقول کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دریائے اس نواح کے بہترین شہروں میں سے ہے۔ لیکن اس زمانے کے بعد دریائے دجلہ کا رخ بدل گیا؛ اور ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت کا بیان ہے کہ یہاں ایک بڑی خانقاہ اس وقت دجلہ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھی، اور بس ان میں اس کے سوا آبادی کا نام و نشان نہ تھا۔ لیکن اس کے بعد کی صدی میں مستوفی نے دیر العاقول کو پھر ایک بڑا شہر شمار کیا ہے؛ اور لکھا ہے کہ نخلستان کی کثرت کی وجہ سے یہاں کی آب و ہوا مرطوب ہے۔

مشرقی کنارے پر ہی لیکن دَیر العاقول کے اوپر تین فرسخ کے فاصلہ پر السِّیب کا چھوٹا سا شہر تھا جس کو ممیز کرنے کے لئے سِیبِ بَنِی کُوما کہتے تھے یہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷ موقعوں پر نماز پڑھی جاتی ہے۔ دوسری قسم بڑی مسجدوں کی ہے یہاں ہفتہ میں ہر جمعہ کو نماز جمعہ ہوتی ہے اور خطبہ پڑھا جاتا ہے؛ ایسی ہی مسجدوں کو مسجد الجامع کہتے ہیں جس کو انگریزی میں "کیتھیڈرل ماسک" یا "کون گرے گیشنل ماسک" کہہ دیا جاتا ہے۔ کسی شہر یا قصبہ میں جامع مسجد یا منبر کا موجود ہونا اس شہر یا قصبے کی بزرگی کا معیار ہے۔ شہروں اور قصبوں کے حالات لکھتے وقت عربی جغرافیہ دان اکثر لکھتے ہیں کہ اس میں جامع مسجد یا منبر تھا یا نہیں۔ مثلاً اصطخری نے ایک بڑی فہرست فارس کے ایسے مقامات کی دی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں منبر موجود تھا یا نہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کہ عیسائی مورخ عیسائی ممالک کے متعلق بیان کرے کہ فلاں گاؤں میں پیرش چرچ تھا یا نہیں۔ آخری زمانہ میں مسجد الجامع بدل کر مسجد الجمعہ ہو گئی تھی۔ لیکن یہ الفاظ مستند نہیں سمجھے جا سکتے (مصنف) +

زیتون کے باغوں کے لئے مشہور تھا، اور یہیں وہ مشہور و معروف لڑائی ہوئی
تھی، جس میں سنہ ۲۶۲ھ (سنہ ۸۷۶ء) میں خلیفہ معتمد کی فوجوں نے یعقوب بن
لیث الصفار کو شکست دی۔ دیر العاقول سے ذرا جنوب میں مر ماری کی
خانقاہ تھی (مر ماری کا لقب تلمیذ Disciple تھا) یہ خانقاہ دیر قنّا
(یا دیر قُنّہ) کے نام سے مشہور تھی، اور دِجلَہ سے مشرق میں ایک میل پر اور
بغداد سے (۱۶) فرسخ کے فاصلہ پر واقع تھی۔ مورخ شَابُشتی نے چوتھی (دسویں)
صدی میں لکھا ہے (اور اس کی عبارت یاقوت نے نقل کی ہے) کہ: یہ خانقاہ بہت
بڑی تھی، اور اس کی چار دیواری اس قدر مضبوط تھی کہ اس پر ایک ناممکن التسخیر ۳۷)
قلعہ کا گمان ہوتا تھا۔ خانقاہ کی چار دیواری کے اندر راہبوں کے رہنے کے لئے سو حجرے تھے
اور ہر ایک حجرے کا حق سکونت (۲۰۰) سے (۱۰۰۰) دینار (یعنی پندرہ سو سے ساڑھے
سات ہزار روپے) تک خریدا جاتا تھا۔ ہر ایک حجرہ اپنے خانہ باغ کے بیچ میں واقع تھا
اور ہر ایک باغ میں پانی دینے کے لئے ایک نہر تھی اور متعدد میوہ دار درخت ہوتے تھے
جن کی فصل سے (۵۰) سے (۲۰۰) دینار (یعنی (۳۷۵) سے (۱۵۰۰) روپیہ) تک کی
سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔

دیر قُنّہ کے سامنے جنوب میں، لیکن دجلہ کے کنارے الصافیہ کا چھوٹا سا قصبہ
تھا جس کی نسبت یاقوت لکھتا ہے کہ وہ اوس کے زمانے میں بالکل برباد ہو چکا تھا، اور
اوس کے مقابل دریا کے مغربی کنارے پر ھُمانیہ (یا ھُمَینیہ) کا شہر تھا، جو اب تک
دیر العاقول کے جنوب مشرق میں دو فرسخ کے فاصلے پر نقشے میں ملتا ہے۔ تیری (نویں)
صدی کے شروع میں یاقوت نے ھُمانیہ کو ایک بڑا قصبہ لکھا ہے، جو کھیتوں اور مزدعہ قطعات سے
گھرا ہوا تھا[1]۔

جَرجَرایا یا جَر جَرائے، جو اب تک موجود ہے دیر العاقول سے جنوب مشرق میں
چار فرسخ کے فاصلہ پر تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے بیان کیا ہے کہ یہ ایک

---

[1] ابن رُستہ ص ۱۸۵، ۱۸۶ + قُدامہ ص ۱۹۳ + یعقوبی ص ۳۲۱ + مقدسی ص ۱۲۲ + مسعودی (تنبیہ) ص ۱۴۹ + یاقوت ج ۲ ص ۶۷۶، ۶۸۷۔ ج ۳ ص ۳۶۲۔ ج ۴ ص ۹۰، ۸۹ + مستوفی ص ۱۳۹ + ابن اثیر (کامل) ج ۷ ص ۲۰۷۔

بڑا شہر ہے، اس کی جامع مسجد دریائے دجلہ کے بالکل قریب ہے، اور دریا شہر کو دو طرف سے گھیرے ہوئے ہے + اس سے ایک صدی قبل یعقوبی نے لکھا ہے کہ اس میں زیادہ تر ایرانی دہقان آباد تھے، اور وہ جنوبی علاقۂ نہروان کا صدر مقام تھا۔ ساتویں (تیرہویں) صدی میں یاقوت کا بیان ہے کہ یہ بھی، نہروان کے دوسرے شہروں کی طرح، بالکل تباہ ہو چکا تھا۔ دِجلہ کے مغربی کنارے پر جرجرایا سے چار فرسخ جنوب میں، اُسی مقام پہ جہاں آجکل تل نعمان کے کھنڈر ہیں اَلنعمانیہ کا شہر تھا۔ یہ مقام، بقول یاقوت، بغداد سے واسط کی راہ میں بیچ کی منزل تھا۔ النعمانیہ علاقۂ زاب بالا کا صدر مقام تھا، اس کی جامع مسجد بازار میں تھی، اور یعقوبی لکھتا ہے کہ اس کے قریب ہی دیرِ ہِزقیل نام ایک عیسائی خانقاہ تھی، جہاں راہب پاگلوں کی نگہداشت کرتے تھے۔ ابن رُستہ کے بیان کے مطابق نعمانیہ پارچہ بافی کے کارخانوں کے لئے مشہور تھا، یہاں قالین حیرہ کے قالینوں کے مثل تیار ہوتے تھے۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں نعمانیہ کا ذکر کرتے ہوئے اس وقت بھی اسے ایک بارونق شہر اور نخلستانوں سے گھرا ہوا لکھا ہے۔ جَبُّل کا چھوٹا سا شہر دریا کے مشرقی کنارے پر جرجرایا سے نو فرسخ جنوب میں واقع تھا، اور ابن رُستہ نے تیسری (نویں) صدی میں لکھا ہے کہ وہاں سرکاری مخابزہ (روٹی پکانے کے تنور) بنے ہوئے تھے۔ اس وقت وہ ایک بڑا قصبہ تھا، اس کے بازار میں جامع مسجد تھی۔ مقدسی نے اسے دیرالعاقول کے برابر بتایا ہے، لیکن جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے تو اس وقت جَبُّل کی حیثیت محض ایک بڑے گاؤں کی سی رہ گئی تھی [۱]۔ (۳۸)

ماذرایا کا شہر وہیں واقع تھا جہاں آجکل قُوط العَمارہ ہے یعنی وہ مقام جہاں سے شط الحی دِجلہ کی شرقی، یعنے موجودہ گذرگاہ سے علٰحدہ ہوتا ہے۔ دجلہ اس مقام سے آج کل جنوب میں مشرقی سمت میں قُرنہ تک بہتا ہوا چلا جاتا ہے + ماذرایا دریا کے مشرقی کنارے پر تھا، اور تیسری (نویں) صدی میں وہاں ایرانی دہقان آباد تھے۔ یہیں نہروان کی بڑی نہر دِجلہ سے آملتی تھی۔ ماذرایا کے بعد ہی جنوب میں المبارک کا شہر

[۱] قدامہ ص ۱۹۳ + یعقوبی ص ۳۲۱ + ابن رُستہ ۱۸۶، ۱۸۷ + مقدسی ص ۱۲۲ + یاقوت ج ۱ ص ۲۳، ۵۴ - ج ۲ ص ۷۹۶ + ابو الفدا ص ۳۰۵ + مستوفی ص ۱۴۱۔

دجلہ کے مغربی کنارے ٹھوسابُس کے مقابل واقع تھا۔ سابُس کی نہر کے دہانے پر ٹھوسابُس کا شہر آباد تھا جس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔ یہی شہر زاب کے جنوبی علاقہ کا صدر مقام تھا؛ اور اس کا فاصلہ جبّل سے پانچ فرسخ سمجھا جاتا تھا۔ دریا کے دوسرے کنارے پر پانچ فرسخ جنوب میں صِلح کی نہر تھی، اور اس کے مبداء پر فمّ الصِلح کا شہر تھا۔ یہ شہر دجلہ کے کنارے واسط سے شمال میں سات فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ ابن رُستہ کا بیان ہے کہ اس کے بازار نہایت عمدہ تھے اور اس میں جامع مسجد بھی تھی؛ اسلامی تاریخ میں یہ شہر اس وجہ کر اور بھی مشہور ہے کہ یہاں مامون کے وزیر حسن بن سہل نے اپنا وہ عالیشان محل بنوایا تھا جس میں اوس نے اپنی بیٹی بُوران کی شادی خلیفہ مامون سے کی تھی اور اس موقع پر دعوتوں اور تحفوں میں بے شمار دولت خرچ کی تھی؛ اس واقعے کی مکمل تفصیل مسعودی (مروج الذہب) میں ملیگی۔ فمّ الصِلح بعد میں بالکل تباہ ہوگیا، اور ساتویں (تیرھویں) صدی میں جب یاقوت یہاں آیا ہے تو اس نے اس شہر کو اور نیز نہر کے کنارے گرد و نواح کے قریوں کو اکثر غیر آباد پایا[1]۔ فمّ الصِلح کے شہر سے جس وقت افق جنوب کی طرف نگاہ ڈالتے تھے تو واسط کی جامع مسجد کی عمارتیں نظر آتی تھیں۔

[1] یعقوبی ص ۳۲۱ + قدامہ ص ۱۹۲ + ابن رُستہ ص ۱۸۶ + یاقوت ج ۲ ص ۹۰۳، ج ۳ ص ۹۱۷۔ ج ۴ ص ۳۸۱ + مسعودی (مروج) ج ۷، ص ۶۵ +

بابِ سوم

عراق (جاری)

(۳۹) واسط۔ حرواب۔ مَذَار اور قُرنہ۔ دِجلۃ الاعوَر۔ بصرہ اور اوس کی نہریں۔ اُبُلّہ اور عَبّادان۔ دجلہ بغداد کے شمال میں۔ بَرَدان۔ دُجَیل کا علاقہ۔ عُکبَرا۔ حَربا اور قادِسیہ۔

واسط کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ کوفہ، بصرہ اور اھواز سے بالکل مساوی فاصلے (تقریباً (۵۰) فرسخ) پر تھا۔ یہ کَسکَر کے علاقے کا صدر مقام تھا، اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے بغداد کی تعمیر سے پہلے وہ عراق کے تین بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔

واسط کی بنا ۸۳ھ (۷۰۳ء) میں خلیفہ عبدالملک بن مروان کے مشہور و معروف والئی عراق حجاج بن یوسف نے ڈالی تھی۔ شہر دریا کے دونوں کناروں پر آباد تھا اور اوس کے دونوں حصوں کو ملانے کے لئے کشتیوں کا ایک پل بنایا گیا تھا۔ شہر کے ہر حصے کے لئے ایک ایک جامع مسجد علیحدہ تھی۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ حجاج کے زمانے سے قبل بھی مشرقی واسط کا شہر موجود تھا، اور تیسری (نویں) صدی میں اس حصے کی آبادی زیادہ تر ایرانیوں پر مشتمل تھی۔ مغربی حصے میں حجاج کا تعمیر کردہ محل القُبّۃ الخضرا تھا؛ اس محل کا عالیشان گنبد جس پر کھڑے ہو کر سات فرسخ پرے شمال کی طرف فَمّ الصِلح کا شہر دکھائی دیتا تھا، دُور دُور مشہور تھا۔ واسط کی گرد کی زمینیں نہایت زرخیز تھیں، اور قحط سالی کے موقعوں پر یہاں کی پیداوار سے بغداد کو مدد پہنچتی تھی۔ بقول ابن حوقل جو ۳۵۸ھ (۹۶۹ء) میں واسط آیا تھا، ان زمینوں سے خلافت کو دس لاکھ درہم (۶۰۰۰۰ روپیہ) بطور لگان وصول ہوتے تھے۔ مقدسی کا بیان ہے کہ واسط کے مشرقی حصے کی مسجد بھی حجاج ہی کی بنائی ہوئی

(۴۰) تھی۔ شہر کی بازار نہایت پرشکوہ تھے، سامان تجارت کی بہتات تھی اور کشتیوں کے

پل کے ہر دو جانب دو چھوٹے چھوٹے بندرگاہ قائم تھے، جہاں مال بھرنے اور اتارنے کے لئے کشتیاں موجود رہتی تھیں+

خلافت کے تمام عہد میں واسط برابر عراق کا بہت بڑا شہر شمار ہوتا رہا۔ اور بظاہر واسط کا جو حصہ پہلے برباد ہوا، وہ مشرقی تھا۔ کیونکہ قزوینی جو ساتویں (تیرھویں) صدی کے نصف آخر میں واسط کا قاضی تھا، لکھتا ہے کہ شہر دجلہ کے صرف مغربی کنارے پر واقع ہے۔ ابن بطوطہ نے جو آٹھویں (چودھویں) صدی کے ابتدائی حصے میں یہاں آیا تھا، یہاں کی خوبصورت عمارتوں کی بہت تعریف کی ہے، خصوصاً ایک بڑے مدرسہ کی جس میں طلبہ کے لئے تین سو حجرے تھے۔ ابن بطوطہ کے ہمعصر مستوفی نے ان گنجان نخلستانوں کا ذکر کیا ہے جو شہر کے گرد تھے، اور جن کی وجہ سے یہاں کی آب و ہوا مرطوب ہو گئی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیمور کی فوجی مہموں کے دوران میں، واسط کا ذکر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں اسے کافی شہرت حاصل تھی۔ چنانچہ تیمور نے اپنی فوج کا ایک حصہ یہاں ٹھیرایا تھا۔ لیکن اس واقعہ کے تقریباً ایک صدی بعد، جیسا کہ گذشتہ باب کے ابتدائی حصے میں بیان ہو چکا ہے، دجلہ کا واسط کے قریب سے گذرنا موقوف ہو گیا، اور اب یہ دریا مشرقی راستے سے قرنہ کے پاس سے گذرنے لگا۔ چنانچہ اس کے بعد واسط بالکل برباد ہو گیا۔ حاجی خلیفہ گیارھویں (سترھویں) صدی کے اوائل میں لکھتا ہے کہ واسط بالکل ریگستان میں واقع تھا، لیکن اس وقت بھی وہاں کی نہر ان نرسلوں کے لئے مشہور تھی جن سے (واسطی) قلم بنائے جاتے تھے۔[1]

---

[1] یعقوبی ص ۳۲۲ + ابن رستہ ص ۱۸۷ + اصطخری ص ۸۲ + ابن حوقل ص ۱۶۲ + مقدسی ص ۱۱۸ + قزوینی ج ۲۔ ص ۳۲۰ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۲ + مستوفی ص ۱۳۱ + علی یزدی ج ۱ ص ۶۴۰، ۶۵۷؛ ج ۲۔ ص ۵۱۷ + جہاں نما (مصنفہ حاجی خلیفہ) ص ۴۶۳ + بظاہر کسی موجودہ مفتش نے واسط کے کھنڈروں کا معائنہ نہیں کیا۔ عربی جغرافیہ نویسوں کے بیانات سے اس شہر کے موقع کا تقریباً صحیح نشان شط الحی پر لگ سکتا ہے۔ چزنی (Report of the Exphrates and Tigres Expedition) ج ۱۔ ص ۳۰ + نے بیان کیا ہے کہ ۱۸۳۱-۳۲ء میں آئنزلی اور ایلیٹ وہاں گئے تھے لیکن اس نے بھی موقع کا نشان نہیں بتایا۔

یاقوت کے بیان کے مطابق واسط کے جنوب میں دریائے دجلہ پانچ نہروں کے ذریعہ سے جن میں کشتی چل سکتی تھی مرداب اعظم میں گرجاتا تھا۔ ان پانچوں نہروں کے نام بھی اُس نے گنوائے ہیں، اور اس کے قول کی تصدیق دوسرے پرانے مصنفین کے بیانات سے بھی ہوتی ہے۔ ابن سراپیون نے ان متعدد شہروں کا ذکر کیا ہے جو واسط کے جنوب اور القطر کے شمال میں دریا کے بڑے دھارے کے کنارے آباد تھے۔ القطر وہ مقام تھا جہاں سے چوتھی (دسویں) صدی میں مرداب شروع ہوجاتا تھا۔ ابن سراپیون نے جو شہر یہاں بیان کئے ہیں ان میں سے پہلا شہر رصافہ دریائے دجلہ کے بائیں کنارے واسط سے دس فرسخ کے فاصلہ پر تھا، اور اسی کے قریب مشرقی جانب سے نہر بان مرداب (۴۱)
میں آکر ملتی تھی؛ یہاں نہربان ہی کے نام کا ایک شہر آباد تھا۔ اس کے جنوب میں الفاروث اور دیرالعمال (دالیوں کی خانقاہ) تھا۔ یہ سب مشرقی کنارے پر تھے۔ ان کے بالکل مقابل میں تین نہریں مغرب سے مرداب میں آکر گرتی تھیں:- اول نہر قریش جس پر اسی نام کا ایک بڑا گاؤں تھا، دوسرے نہرالسیب جس پر الجوامد (خشک زمین) اور الحقو کے شہر تھے؛ اور تیسری نہر بدودا جس پر الشلیلیہ کا شہر آباد تھا۔ یہ سب مرداب کے بڑے شہر تھے اور الجامد کے گرد، جو (بصیغہ جمع) الجوامد کے نام سے بھی مشہور تھا، واقع تھے۔ مقدسی نے اسی علاقے کے ایک اور بڑے شہر الصلیق کا ذکر کیا ہے؛ یہ ایک ایسی کھلی جھیل پر واقع تھا، جس کے گرد چھوٹی چھوٹی بستیاں اور مزروعہ قطعات تھے۔ ان مقامات کے بالکل مقابل میں دجلہ کے بڑے دھارے کے مشرقی کنارے پر الحوانیت (جمع حانوت بمعنی مے کدہ) تھا؛ یہاں بھی چنگی وصول کرنے کے لئے اسی قسم کا ماصر تھا جیسا کہ پہلے دیرالعاقول کے مقام پر بیان کیا جاچکا ہے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۳۶) یہ القطر کے قریب اور رصافہ سے بارہ فرسخ جنوب میں تھا۔ جہاں ابن رستہ کے بیان کے مطابق تیسری (نویں) صدی میں دجلہ تین حصوں میں تقسیم ہوکر آخر مرداب میں گرجاتا تھا[۲]۔

---

[۱] یعنی ایسی سڑک جو دلدلی زمین پر گذرنے کیلئے زمین کی سطح سے ذرا اونچی بنائی گئی ہو۔ مترجم
[۲] ابن سراپیون ص ۹، ۲۰ + قدامہ ص ۱۹۴ + ابن رستہ ص ۱۸۴، ۱۸۵ + مقدسی ص ۱۱۹ + یاقوت ج ۲ ص ۱۰، ۵۵۲ - ج ۳ ص ۲۰۹، ۴۱۵، ۴۸۰ - ج ۴ ص ۲۱۰، ۷۵۸ +

یہ مرداب جس کی تاریخ اوپر بیان ہو چکی ہے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۲۶) البطائح (جمع البطیحہ بمعنے جھیل) کہلاتا تھا؛ بطائح کے تمام علاقے میں بہت سے شہر اور گاؤں ہر ایک اپنی اپنی نہر کے کنارے آباد تھے؛ کیونکہ اگرچہ یہاں کی آب و ہوا بخار آور تھی، لیکن زمین جب پانی سے پاک کر لی جائے تو نہایت زرخیز تھی۔ تیسری (دسویں) صدی کے آخر میں ابن رُستہ نے لکھا ہے کہ ان بطائح میں نرسلوں کے جنگل کھڑے تھے، اور ان کے بیچ بیچ میں سے متعدد نہریں بہتی تھیں جن میں سے بے شمار مچھلیاں پکڑی جاتی تھیں اور نمک لگا کر خشک کرنے کے بعد پاس کے صوبوں میں بیچنے کے لئے دساور کے طور پر بھیجی جاتی تھیں۔ دجلہ کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ القطر کے جانب مشرق اور غالباً قریب قریب اسی راستہ سے جو دریائے فرات آج کل اختیار رہے، دجلہ کا پانی متعدد کھلی ہوئی جھیلوں میں سے یکے بعد دیگرے گذرتا ہوا ابوالاسد کی نہر میں پہنچتا تھا، جہاں سے بطائح کا پانی بصرہ کی شاخ دجلہ میں چلا جاتا تھا۔ کھلے پانی کی ان جھیلوں کو جو نرسلوں کے بالکل پاک تھیں، عرب ھَود یا ھَول کہتے تھے، اور یہ جھیلیں ایسی ندیوں کے ذریعہ ایک دوسرے سے ملائی گئی تھیں جن میں چھوٹی چھوٹی کشتیاں چلائی جا سکتی تھیں، لیکن ابن رُستہ کے بیان کے مطابق دریا کی بڑی کشتیاں القطر سے آگے نہ بڑھ سکتی تھیں بلکہ یہیں پر ان کے بار ہلکی پن سوی ڈونگیوں میں منتقل کر دئے جاتے تھے؛ اور ان ڈونگیوں (۴۲)
کے بیندے پانی میں اسقدر کم ڈوبتے تھے کہ وہ بآسانی ان ندیوں میں سے گذر جاتی تھیں جو ایک جھیل کو دوسری جھیل سے ملاتی تھیں۔ ان ندیوں کے ساتھ ساتھ تمام راستے میں اونچے اونچے چبوتروں پر پڑاؤ بنے ہوئے تھے، اور ان پر سے سرکنڈوں کی جھونپڑیوں میں، جو بلندی کی وجہ سے مچھروں سے بالکل محفوظ تھیں، محافظ رہا کرتے تھے کہ ندیوں کے راستے صاف رکھیں اور مسافروں کے جان و مال کی حفاظت کریں، کیونکہ ان بطائح کے دور افتادہ گوشوں میں ڈاکو اور چور بالکل عافیت سے اپنا مامن بنا لئے تھے، اور آنے جانے والوں کے لئے وبال جان بن جاتے تھے۔

ابن سراپیون نے ان میں سے چار بڑی جھیلوں (ھَود یا ھَول) کے نام گنوائے ہیں، جن میں سے ہو کر دجلہ بصرہ پہنچتا تھا۔ ایک کا نام بحصّا تھا، دوسری کا بکمصیٰ، تیسری کا بصریاثا اور چوتھی کا ھودالمحمّدیہ تھا۔ یہی ان

چاروں میں سب سے بڑی تھی؛ اور اسی کے کنارے مشہور منارۂ حسّان تھا۔ اس کا نام حسّان نبطی کے نام پر رکھا گیا تھا؛ جسے حجاج بن یوسف نے اس کام کے لئے مقرر کیا تھا کہ وہ ان بطائح کا پانی نکال کر وہاں کی زمین کو قابل زراعت بنائے۔ اسی آخری جھیل سے آگے وہ ندی تھی جو الحالہ اور الکہ‌انین کے قریوں کے پاس سے گزر کر نہر ابوالاسَد میں جاملتی تھی؛ اور جس کے ذریعے سے بطائح کا پانی دجلہ کی کھاڑی میں گرتا تھا۔ یہ ابوالاسَد جس کی نہر قرنہ کے شمال میں دریائے فرات کے موجودہ دھارے کے آخری حصہ سے تقریباً مطابق ہوتی ہے' منصور عباسی کا ایک مولے تھا' جس زمانے میں بصرہ میں یہ امیر عساکر تھا اُسی زمانے میں یہ نہر یا تو خود اس نے کھدوائی تھی یا کسی پرانی نہر کو اوس نے وسیع کرایا تھا۔ کیونکہ' جیسا یاقوت نے لکھا ہے' یہ نہر غالباً ساسانیوں کے زمانے میں موجود تھی۔ لیکن قرنہ کے متعلق جو دریائے فرات و دجلہ کے مقام اتصال پر واقع ہے' تمام جغرافیہ نویس بالکل خاموش ہیں سب سے پہلے گیارہویں (ستر ھویں) صدی کے اوائل میں ترکی جغرافیہ جہاں نما میں قصر قرنہ کا ذکر ملتا ہے+

دِجلہ کے مشرقی دھارے کا آخری حصہ ساسانیوں کے زمانے کا اور نیز موجودہ زمانہ کا (جیسا کہ اوپر بیان ہوا) بالکل ایک ہی ہے۔ زمانۂ وسطے میں یہ حصہ ایک رُکے ہوئے پانی کے طور پر تھا' اور اس پانی کو اوس کے شمالی حصے پر ایک بند نے روک رکھا تھا۔ دریا کا یہ آخری حصہ جو نہر المذار کہلاتا تھا' چھ فرسخ لانبا تھا' اور اسی میں ہو کر عبدسی (یا عبداسی) اور المذار کے شہروں میں پہنچتے تھے' ان شہروں کی صحیح جائے وقوع کا علم نہیں۔ گرد و نواح کا علاقہ جو اس زمانے کے دجلہ کے خشک شدہ مشرقی دھارے کے کنارے واقع تھا' جوخا کہلاتا تھا اور شمال مغرب میں واسط کے علاقے کے شہر کسکر تک پھیلا ہوا تھا' اسلامی فتوحات
(۴۴) کے وقت مذار بہت بڑا شہر سمجھا جاتا تھا۔ اور اوس زمانے میں وہ علاقہ میسان کا دست میسان بھی کہلاتا تھا' صدر مقام تھا۔ مذار بصرہ سے چار دن کی مسافت پر تھا جو یہاں کی خوبصورت جامع مسجد مشہور تھی' اور اس شہر کی شہرت کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ یہاں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا مزار تھا'

یاقوت کے مطابق اس کے قریب کا شہر عبدسی حقیقت میں ایرانیوں کا آباد کردہ تھا، اور اس کا ایرانی نام آفلد اقلہی تھا جسے بگاڑ کر عربوں نے عبدسی کر لیا تھا۔ اسلامی فتوحات سے پہلے یہ مقام کسکر کا ایک گاؤں تھا، اور کسکر اور میسان مرواب اعظم کے مشرقی حصے کے دو علاقے تھے۔ بقول قزوینی کسکر میں بہت اچھا چاول پیدا ہوتا تھا، اور وہاں سے برآمد کیا جاتا تھا۔ اس کی چراگاہوں میں بھینسیں، بیل اور بکریاں پلتی تھیں، اور اس کے نرسلوں کے جنگلوں میں بطیں اور مرغابیاں بکثرت پائی جاتی تھیں۔ چنانچہ ان کو پکڑ کر گرد و نواح کے شہروں کے بازاروں میں فروخت کے لئے بھیجا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی نہروں میں ایک قسم کی مچھلی جو شبوت کہلاتی تھی، بکثرت پکڑی جاتی تھی، اور اسے بھی نمک لگا کر سکھانے کے بعد دوسرے علاقوں میں بھیجا جاتا تھا، میسان میں حضرت عزیر نبی کی قبر بھی تھی۔ بقول قزوینی یہاں صرف یہودی آباد تھے اور اس مزار کی نگہداشت کرتے تھے۔ اس مزار کے متعلق اس نواح کی تمام بستیوں میں مشہور تھا کہ یہاں جو مراد مانگی جائے، پوری ہوتی ہے، چنانچہ منتوں کے پورے ہونے سے یہ مزار خزینۂ دولت بن گیا تھا[۱]۔

وہ وسیع و عریض کھاڑی، جو فرات و دجلہ دونوں کے مل جانے سے بنتی تھی، تقریباً ایک سو میل لانبی تھی۔ اس کی ابتداء نہر ابوالاسد کے دہانے سے اور انجام عبادان پر ہوتا تھا؛ جہاں دجلہ اور فرات کی مشترکہ رو خلیج فارس میں گر جاتی تھی۔ یہ کھاڑی دجلۃ الاعور یا فیض (کھاڑی) بصرہ کہلاتی تھی، مگر ایرانی اسے بھمن شیر کہتے تھے، اور آج کل یہ شط العرب (یعنی عربوں کا دریا) کہلاتی ہے۔ خلیج فارس کے جوار بھاٹے کا اثر کھاڑی تک، اور شمال میں مذار اور عبدسی کی نہروں کے سروں تک پہنچتا تھا، اور بصرہ

---

[۱] ابن رستہ ص ۹۴، ۱۸۵ + ابن سراپیون ص ۲۰ + قل اصطص ص ۲۴۰ + بلاذری ص ۲۹۳، ۲۹۴ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۹۷، ۳۱۰ + یاقوت ج ۱۔ ص ۶۶۹۔ ج ۳۔ ص ۶۰۳، ج ۴۔ ص ۶۸، ۲۷۴۔ ۸۳ + جہاں نما ص ۴۵۵ +

کی نہروں اور ندیوں میں بھی جو اس کھاڑی کی مغربی اور مشرقی زمینوں کو سیراب کرتی تھی، پانی کی کمی بیشی ہو جاتی تھی۔ عراق کا عظیم الشان تجارتی بندرگاہ بصرہ ریگستان کی بالکل سرحد پر کھاڑی سے ذرا مغرب میں واقع تھا اور دو نہریں اس شہر کو کھاڑی سے ملاتی تھیں۔ بَصْرَہ کے شمال اور جنوب دونوں طرف بہت سی ندیاں مرداب اعظم کے جنوبی حصے کے پانی کو دجلۃ الاعور میں لاتی تھیں۔ اور (۴۴)
کھاڑی کے مشرقی جانب بھی چند ندیاں آئی تھیں۔ اور ایک وسیع و عریض نہر جو نہر بیان کہلاتی تھی، عَبّادان سے تقریباً تیس میل شمال میں دجلہ کی کھاڑی کو دریائے دُجیل (کارُون) کی کھاڑی سے ملاتی تھی۔ یہ دریا خُوزِستان کے صوبہ میں سے ہوتا ہوا سلیمانان کے مقام پر جنوب مغرب میں گر جاتا تھا۔[۱]

بَصْرَہ (لغوی معنی:۔ نرم سفید مائل پتھر[۲]) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں سنہ ۱۷ھ (۶۳۸ء) میں آباد کیا گیا تھا؛ اور اس کی زمینیں ان عرب قبائل میں تقسیم کر دی گئی تھیں جو ساسانی سلطنت کی فتح کے وقت بطور فوج کے یہاں مقرر کئے گئے تھے۔ اس شہر نے بڑی تیزی سے ترقی کی اور بہت جلد کوفہ کے دوش بدوش عراق کا ایک صدر مقام بن گیا۔ یہیں سنہ ۳۶ھ (۶۵۶ء) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جنگ جمل میں فتح حاصل ہوئی، جس میں حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما شہید ہو گئے۔ بصرہ، دجلہ کی کھاڑی سے بخط مستقیم پورے بارہ میل کے فاصلے پر واقع تھا، اور دو بڑی نہروں کے ذریعے سے اس کھاڑی سے ملا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک نہر مَعْقِل (شمال مشرق میں) تھی جس میں سے ہو کر جہاز بغداد سے بَصْرَہ آتے تھے،

---

[۱] ابن رستہ ص ۹۰۔ عور اعور کے معنی یک چشم کے ہیں۔ اور اس لفظ کا اطلاق ایسے دریاؤں پر ہوتا ہے جو مٹی اور ریت کی وجہ سے بند ہو چکے ہوں، یا ایسی سڑکوں پر جن پر کوئی شاہراہ نہ ہو۔ پہلے پہل دجلۃ الاعور کا نام عَبْدَسی کی ندی کو دیا گیا تھا؛ اور بعد میں اس کا اطلاق زیرین کھاڑی پر ہونے لگا۔ مسعودی (تنبیہ) ص ۵۲۔ یاقوت ج ۱۔ ص ۷۷۰۔ جہاں نما ص ۴۵۴۔ آخر الذکر کتاب نے اس کھاڑی کو شط العرب لکھا ہے۔

[۲] حجارۃ رخوۃ فیہا بیاض۔ مترجم۔

اور دوسری نہر الاُبُلّہ اس کے ذریعہ سے مال تجارت اور مسافر بصرہ سے جنوب مشرق میں عَبّادان کے مقام پر خلیج فارس میں پہنچتے تھے۔ ان دونوں نہروں اور کھاڑی کے پانی کے درمیان ایک جزیرہ بن جاتا تھا جسے "جزیرۂ اعظم" کہتے تھے اور شہر اُبُلّہ اسی جزیرہ کے جنوب مشرق زاویہ پر اس جگہ واقع تھا جہاں نہر اُبُلّہ اس کھاڑی میں ملتی تھی۔

بَصرَہ کی سب سے زیادہ لمبائی اس نہر کے کنارے کنارے چلی گئی تھی جو نہر مَعقِل اور نہر اُبُلّہ کو ملاتی تھی۔ اور مغرب کی طرف اس کے مکانات نصف دائرہ کی شکل میں ریگستان کی سرحد تک پہنچتے تھے، اور یہاں شہر سے باہر نکلنے کے لئے فصیل میں صرف ایک دروازہ باب البادیہ (ریگستان والا دروازہ) تھا۔ نہر کے کنارے سے اس دروازہ تک شہر کا عرض چوتھی (دسویں) صدی میں تین میل تھا لیکن لمبان اس سے بہت زیادہ تھا۔ شہر کے اکثر مکانات پکی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے؛ اور فصیل شہر کے باہر نہایت عمدہ چراگاہیں تھیں۔ جو بے شمار چھوٹی چھوٹی نہروں سے سیراب ہوتی تھیں، اور اس کے بعد نہایت وسیع نخلستان تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ بَصرَہ میں تین جامع مسجدیں تھیں۔ ایک ریگستان کے قریب مغربی دروازہ پر اور یہی سب سے قدیم بھی تھی؛ دوسری اور بہترین جامع مسجد جس میں نہایت خوبصورت ستون تھے بڑے بازار میں تھی "اور عراق کی مسجدوں میں لاثانی سمجھی جاتی تھی"؛ تیسری جامع مسجد وہاں تھی جہاں لوگوں کے سکونتی مکانات تھے۔ اسی طرح شہر میں تجارت کے بازار بھی تین تھے جو سامان تجارت، رونق اور وسعت میں بغداد کے بازاروں کا مقابلہ کرتے تھے۔ مغربی دروازے پر المِربَد [المحبس الابل یعنی اونٹوں کے قیام کرنے کی جگہ] تھا۔ یہ ایک مشہور محلہ تھا جہاں ریگستان کے قافلے آکر ٹھہرا کرتے تھے اور یہ محلہ شہر کے سب سے زیادہ بارونق محلوں میں شمار ہوتا تھا۔ اسی کے قریب حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے مزارات تھے؛ لیکن جب مقدسی نے اپنی کتاب لکھی ہے اُس وقت شہر کے بہت سے حصے برباد ہو چکے تھے۔[۱] شہر کی دیگر اداروں میں مقدسی نے ایک (۴۵)

[۱] حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مقبرے کے نشانات زمانۂ وسطیٰ کے بصرہ کے ایک مقام پر چند کھنڈر دل

کتب خانۂ عامہ کا بھی ذکر کیا ہے، جو چوتھی (دسویں) صدی میں بصرہ میں موجود تھا۔ اس کے بانی کا نام ابن سوّار تھا، اور اُسی کے وقف سے اس کا کام چلتا تھا۔ اسی ابن سوّار نے خوزستان کے شہر رام ہرمز میں بھی ایک اسی طرح کا کتب خانہ قائم کیا تھا۔ دونوں جگہ ایک خاص رقم سے طلبہ کے گذارے اور کتابوں کے نقل کرانے کے لئے انتظام تھا۔ بصرہ کے کتب خانہ میں کتابوں کی تعداد بہت تھی۔

عباسی عہد کی متعدد بغاوتوں اور جنگوں کی وجہ سے بصرہ کو بہت کچھ نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ ٢٥٧ھ (٨٧١ء) میں جب صاحب الزنج کی بغاوت بہت زور پر تھی تو اس نے حملہ کر کے بصرہ کو فتح کر لیا۔ بڑی مسجد سمیت شہر کے ایک حصے کو جلا دیا، اور تین دن تک اس کی فوجوں نے شہر کو خوب لوٹا۔ پھر ٣١١ھ (٩٢٣ء) میں بصرہ قرامطہ کے ہاتھوں سترہ دن تک خوب لٹتا رہا۔ لیکن تھوڑی مدت میں یہ شہر ایک حد تک اپنی پرانی حالت پر آ گیا، چنانچہ ٤٤٣ھ (١٠٥١ء) جب مشہور ایرانی سیاح، ناصر خسرو یہاں آیا ہے تو اس نے شہر کو نہایت آباد و بارونق پایا اور فصیل شہر اچھی حالت میں دیکھی، اگرچہ شہر کے بعض حصے اس وقت بھی برباد و غیر آباد پڑے تھے۔ بڑی مسجد کے قریب حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کا دفتر خلافت اس وقت تک موجود تھا، اور اس کے علاوہ تیرہ مزارات، جن کو دیکھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے زمانۂ سکونت بصرہ کے مختلف واقعات کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ ناصر خسرو نے شہر کے گرد کے بیس علاقوں کے نام نہایت احتیاط سے لکھے ہیں۔ (٤٦)

٥١٧ھ (١١٢٣ء) میں قاضی عبدالسلام نے بصرہ کی فصیل نصف فرسخ تک پرانی فصیل کے اندر اندر دوبارہ بنوائی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں تاتاریوں کی یورش کے بعد جب ابن بطوطہ وہاں آیا تو اس نے بھی شہر کو خوب معمور و آباد پایا۔ چنانچہ اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی مسجد کا ذکر کیا ہے کہ وہ ایک نہایت بلند اور سات مینار والی خوبصورت عمارت تھی لیکن یہ مسجد صرف جمعہ کے دن

(بقیہ حاشیہ ص ٥٩) سے اب تک ظاہر ہوتے ہیں۔ بصرہ کا موجودہ شہر دجلہ کی کھاڑی پر اس مقام پر ہے جہاں کسی زمانہ میں اُبلہ تھا۔

کھلتی تھی۔ شہر کے آباد محلوں سے وہ دو میل کے فاصلہ پر تھی اور ہر طرف شکستہ آثار سے گھری ہوئی تھی + شہر کی قدیم فصیل کا جو اس مسجد سے دو میل پرے تھی اس وقت بھی نشان موجود تھا اور اسی دیوار کے قریب حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے مزارات تھے لیکن اصلی شہر کے اس وقت صرف تین محلے باقی رہ گئے تھے۔ مستوفی نے بھی جس نے اپنی کتاب اسی صدی میں لکھی ہے، بصرہ کا ذکر نہایت تفصیل سے کیا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق بصرہ کی مسجد جس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا، اسلامی سلطنت کی سب سے بڑی مسجد تھی، اور اس سے بڑی مسجد کا نقشہ بنا کر تعمیر کرانا امکان سے باہر تھا۔ اس مسجد کا قبلہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بہ نفس نفیس درست فرمایا تھا۔ اسی مسجد کے ایک منارہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اگر اس کے سامنے سچی قسم کھائی جائے تو قائم رہتا تھا، اور اگر جھوٹی قسم کھائی جائے تو لرزنے لگتا تھا۔ یہ امر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کرامات میں شمار کیا جاتا تھا۔ کیونکہ انہوں نے ہی یہ منارہ تعمیر کرایا تھا۔ مستوفی بصرہ کے مزارات کے متعلق کچھ اور مفصل حال لکھنے کے بعد وہاں کے خوبصورت باغوں اور نخلستانوں کی بے انتہا تعریف کرتا ہے۔ ان میں درخت اسقدر گنجان تھے کہ سو قدم آگے کی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی اور یہاں کی کھجوریں اسقدر عمدہ ہوتی تھیں کہ انہیں ہندوستان اور چین بھیج کر بہت نفع اوٹھایا جاتا تھا +

ہر ایک زمانہ میں بصرہ کی شہرت اس کی نہروں کی وجہ سے رہی ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل کا بیان ہے کہ ان کی تعداد (۱۰۰،۰۰۰) تھی، اور ان میں سے (۲۰،۰۰۰) میں کشتیاں چل سکتی تھیں۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ نہر معقل بغداد کی سمت سے خاص دریائی راستہ تھا۔ اس نہر کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ایک صحابی حضرت مَعقِل بن یَسار رضی اللہ عنہ نے کھدوایا تھا۔ یہ نہر اور نہر اُبُلّہ جو بصرہ سے جنوب مشرق کو جاتی تھی، ان دونوں کا طول چار چار فرسخ کا تھا۔ نہر اُبُلّہ کے باغات جو جزیرۂ اعظم کے جنوبی پہلو پر واقع تھے، روئے زمین کی چار بہشتوں میں سے ایک بہشت شمار ہوتے تھے [۱]۔

[۱]۔ ان بہشتوں کے ناموں میں اختلاف ہے۔ لیکن جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے وہ

(۴۷) شہر الاُبُلّہ جو اصل میں یونانی اپولوگس (Apologus) کی معرب شکل ہے ساسانیوں کے عہد یا اون سے بھی پہلے کا شہر تھا؛ لیکن یہ بالکل کھاڑی پر واقع تھا اور اس کی آب و ہوا ناگوار تھی۔ چنانچہ جب مسلمانوں نے اپنا نیا شہر بصرہ آباد کیا تو پانی سے کچھ دور ہٹ کر صحرا کے کنارے اس کی بنیاد رکھی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے شہر اُبُلّہ نہر اُبُلّہ کے دہانے پر بجانب شمال جزیرۂ اعظم پر واقع تھا۔ اس کے مقابل نہر کی جنوبی جانب شق عُثمانؔ کا شہر تھا؛ یہ عثمان جن کے نام پر اس شہر کا نام رکھا گیا تھا، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہٗ کے پوتے تھے۔ نہر کے دہانے کے سامنے، لیکن کھاڑی کی مشرقی جانب، وہ مقام تھا جہاں سے مسافر دجلہ عبور کرنے کے بعد خوزستان کا راستہ اختیار کرتے تھے۔ یہ مقام عسکر ابوجعفر (یعنی خلیفہ منصور عباسی کا کمپو) کہلاتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اُبُلّہ ایک بڑا شہر تھا اور اس میں ایک جامع مسجد بھی تھی؛ یہی کیفیت شق عثمان کی تھی اور مقدسی کے بیان کے مطابق دونوں شہروں کی مسجدیں بہت خوبصورت تھیں۔ ناصر خسرو نے جو مقدسی سے نصف صدی بعد یہاں آیا تھا، ان دونوں شہروں کے محلوں بازاروں اور مسجدوں کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ نہایت اچھی حالت میں تھیں۔ لیکن اس کے دو صدی بعد تاتاریوں کی یورش کا اثر اس علاقے پر بھی ہوا۔ چنانچہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں قزوینی کا بیان ہے کہ یہ مقامات برباد ہو چکے تھے، اگرچہ اس وقت بھی شق عثمان کے سدر (نیلوفر) کے درخت مشہور رہے۔ اس کے ایک صدی بعد ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اُبُلّہ محض ایک چھوٹا سا قریہ تھا۔ اس حالت سے ابلہ نے موجودہ ترقی اس وقت کی جب کہ نیا بصرہ

حسب ذیل ہیں: (۱) غوطۂ دمشق؛ (۲) فارس میں شعب بوان، جس کا ذکر باب ۱۸ میں آئے گا (۳) وادی الصُغد یا وادی صُغد اعنیٰ جو سمرقند اور بخارا کے درمیان ہے اور جس کا ذکر باب ۳۲ میں آئے گا۔ اصطخری ص ۸۰۔ ابن حوقل ص ۱۵۹، ۱۶۰ (نوٹ)۔ مقدسی ص ۱۱۷، ۱۳۰، ۱۳۴۔ ناصر خسرو ص ۸۵۔ ۸۹۔ یاقوت ج ۱۔ ص ۶۳۶، ج ۴ ص ۸۴۵۔ ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۸، ۱۳، ۱۴۔ مستوفی ص ۱۳۷۔

پرانے بصرہ کی جگہ آباد ہوا۔

نہر اُبُلّہ جس مقام پر دجلہ کی کھاڑی میں گرتی تھی وہاں ایک خطرناک گرداب پیدا ہوتا تھا، اور پرانے زمانے میں وہاں اکثر جہاز ٹوٹ جایا کرتے تھے۔ ابن حوقل کہتا ہے کہ عبّاسی خاندان کی ایک شہزادی نے (بعض نے لکھا ہے کہ زبیدہ نے) اس خطرے کا سدباب اس طرح کر دیا کہ کئی جہاز پتھروں سے بھر کر جہاں گرداب پیدا ہوتا تھا وہاں ڈبوا دیئے، اور غار کے بھر جانے سے بھنور پڑنا بند ہو گیا۔

ابن سراپیون نے بہت تحقیق سے نو نہروں کے نام لکھے ہیں جو مغربی جانب سے (۴۰)
دجلہ کی کھاڑی میں گرتی تھیں۔ یعنے تین نہر مُعقِل سے اوپر، اور چار نہر اُبُلّہ اور کھاڑی کے دہانے کے درمیان بصرہ کی جنوبی سمت سے + ان میں سے صرف ایک نہر ابوالخَصِیب قابلِ ذکر ہے۔ اس کا نام خلیفہ منصور عباسی کے ایک مولا کے نام پر رکھا گیا تھا؛ اسی کے کنارے مشہور باغی صاحب الزنج نے تیسری (نویں) صدی کے درمیانی زمانے میں ایک بڑا قلعہ اور شہر بنایا تھا۔ اس شہر کا نام مختارہ تھا یہ شہر اس استحکام سے قلعہ بند کیا گیا تھا کہ وہ خلفائے عباسیہ کی بھیجی ہوئی فوجوں کا مدت دراز تک مقابلہ کرتا رہا۔ اور پندرہ برس کی مسلسل لڑائی کے بعد کہیں جا کر صاحب الزنج کی بغاوت کو فرو کیا جا سکا۔ [1]

ابن سراپیون کے بیان کے مطابق دِجلہ کی کھاڑی کے مشرقی جانب بڑی بڑی نہریں حسب ذیل تھیں:۔

نہر رَیّان جس کے کنارے پر یا اس کے قریب المُفتَح اور الدَّسکرَہ (ارض سطح) کے دو شہر آباد تھے؛ ان دونوں کی اصلی جائے وقوع صحیح طور پر معلوم نہیں؛ اگرچہ المفتح کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اکثر دجلہ کی کھاڑی کو دِجلۃ المفتح کہا جاتا تھا، اس کے جنوب میں نہر بیان تھی جس کے دہانے پر

[1] اصطخری ص ۸۱ + بلاذری ص ۳۶۲ + ابن حوقل ص ۱۶۰، ۱۶۱ + مقدسی ص ۱۱۸، ۱۳۵ + ابن سراپیون ص ۲۹، ۳۰ + ناصر خسرو ص ۸۹ + قزوینی ج ۲۔ ص ۱۹۰ + یاقوت ج ۲۔ ص ۶۷۵ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۱۷ + طبری ج ۳۔ ص ۱۹۸۲ +

اُبلّہ سے پانچ فرسخ کے فاصلے پر کھاڑی کے دوسرے جانب بیان کا شہر تھا آج کل بستدرگاہ محمّرہ رودِ حفار پر اسی جگہ واقع ہے جہاں کسی زمانے میں بیان آباد تھا + یہ رُودِ حفار دجلہ کی کھاڑی کے شمالی حصے کو دجیل (دریائے کارون) سے ملا دیتی ہے۔ ابن سراپیون کے پچھتر برس بعد مقدسی لکھتا ہے کہ اس رود کو جو چار فرسخ لانبی تھی بُویہ کے بادشاہ عضد الدولہ نے کھدوایا اور وسیع کروایا تھا۔ اس سے ایک صدی قبل قدامہ نے اسے نہر الجدید (نئی نہر) لکھا ہے۔ باربرداری کی کشتیاں جو بصرہ سے اھواز جاتی تھیں اسمیں سے گذر سکتی تھیں؛ حالانکہ بقول مقدسی عضدی نہر کے وسیع ہونے کے پہلے ان کو دجیل کی کھاڑی میں ہو کر سمندر میں آنا پڑتا تھا اور پھر وہاں سے دجلہ کی کھاڑی میں سے گذر کر اور بیان کے پاس سے ہو کر وہ اُبلّہ پہنچتی تھیں [۱]۔

دُجیل اور دجلہ والی دونوں کھاڑیوں کے درمیان جو جزیرہ بن جاتا تھا اس کو یاقوت نے فارسی میں میان رُودان (دو دریاؤں کے درمیان کی زمین) لکھا ہے + مقدسی نے اسے سبخہ (زمین شور) لکھا ہے + اس جزیرے کے ایک گوشہ پر سمندر کے کنارے عبّادان کا شہر اور دوسرے گوشہ پر دجیل کی کھاڑی کے کنارے سلیمانان کا شہر آباد تھا۔ عبّادان (۴۹)
اس وقت بھی موجود ہے۔ لیکن اب وہ دجلہ کی کھاڑی کے شمالی حصے میں خلیج فارس کے موجودہ ساحل سے بیس میل دور واقع ہے۔ کیونکہ دجلہ کے ڈیلٹا نے سمندر کو اس قدر سمت جنوب میں ہٹا دیا ہے۔ حالانکہ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ عبادان کے سامنے بالکل سمندر تھا۔ اس شہر میں بوریا باف آباد تھے، جو جزیرہ کی گھاس حلفا سے بورے بناتے تھے۔ شہر کے گرد کھاڑی کے دہانے کی حفاظت کے لئے سپاہ محافظ کے رہنے کے واسطے بڑے بڑے مکانات

---

[۱]۔ ابن سراپیون ص ۳۰ + ابن خردابہ ص ۱۲ + قدامہ ص ۱۹۴ + اصطخری ص ۹۵ + ابن حوقل ص ۱۷۱ + مقدسی ص ۱۱۹ + مسعودی (تنبیہ) ص ۵۲ + یاقوت ج ۲ - ص ۶۵۵ -

بنے ہوئے تھے + ناصر خسرو؛ جو ۴۳۸ھ (۱۰۴۷ء) میں یہاں آیا تھا۔ لکھتا ہے کہ اس کے زمانے میں جب سمندر میں جزر ہوتا تھا تو عبادان اور سمندر کے درمیان کی زمین دو فرسخ تک خشک ہو جاتی تھی۔ جہاز چلانے والوں کو خبردار رکھنے کے لئے کہ آگے خشکی پڑتی ہے یہاں کے لوگوں نے ساگوان کے بڑے بڑے شہتیر کھڑے کر کے ایک منارہ جس کے نیچے کا دور زیادہ بنا کر اوپر کا دور کم کرتے گئے تھے، چالیس گز بلند بنا دیا تھا اس کو خشاب (کٹ گھر) کہتے تھے۔ یہ منارہ سمندر کے روشنی کے گھر (لائٹ ہاؤس) کا کام دیتا تھا۔ اس کی چوٹی پر جو گنبددار کی کوٹھری تھی، چونکہ یہاں محرابوں پر ایک چبوترا سا پتھر کی سلیں بچھا کر بنا دیا تھا، اس لئے رات کے وقت وہ بطور آتش دان کے استعمال ہو سکتا تھا، اور جہازیوں کو متنبہ کرنے کے لئے اس پر آگ روشن کر دی جاتی تھی۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں عبادان بارونق اور آباد شہر تھا، چنانچہ اُس وقت اس میں متعدد مسجدیں اور رباط[۱] موجود تھے + لیکن آئندہ صدی میں جب ابن بطوطہ وہاں سے گذرا ہے تو اس کی حیثیت محض ایک چھوٹے سے گاؤں تنی سی رہ گئی تھی، اور سمندر کے کنارے سے وہ تین میل دور ہو گیا تھا۔ لیکن ابن بطوطہ کا ہم عصر مستوفی کہتا ہے کہ عبادان خاصا بڑا بندرگاہ تھا، اور اُس کا بیان ہے کہ اُس کے محاصل کی مقدار اُس زمانے کے سکے کے مطابق (۴۴۱۰۰) دینار تھی اور یہ محاصل بصرہ کے خزانے میں ادا کئے جاتے تھے۔ عبادان سے چند فرسخ مشرق میں سلیمانان کا بندرگاہ اکثر خوزستان کے اعمال میں شمار کیا جاتا تھا + اس بندرگاہ کے متعلق صرف اتنا دریافت ہوا ہے کہ کسی شخص سلیمان ابن جبیر نے جو زاہد کے نام سے مشہور ہے اسے آباد کیا تھا[۲]۔

---

[۱] رباط کے معنے ایسے مقام کے ہیں جہاں راستے یا سرحد کی حفاظت کے لئے تھوڑی سی فوج رہتی تھی۔ اس کے علاوہ ان جگہوں سے یہ کام بھی لیا جاتا تاکہ مسافر وہاں آرام کرتے تھے۔ مترجم!

[۲] بلاذری ص ۳۶۲ + اصطخری ص ۹۰ + ابن حوقل ص ۱۷۳ + مقدسی ص ۱۱۸ + قزوینی ج ۲۔ ص ۲۸۰ + ناصر خسرو ص ۸۹، ۹۰ + یاقوت ج ۲۔ ص ۸۰۷ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۱۸ + مسعودی (مروج) ج ۱۔ ص ۲۳۰ + یاقوت (ج ۱۔ ص ۶۴۵) نے لکھا ہے کہ اہل بصرہ کی عادت

اب نواح بغداد کی طرف دوبارہ توجہ کرکے اُن شہروں کا تذکرہ کرنا چاہیئے جو دجلہ
(۵۰) کے کنارے دار الخلافہ کے شمال میں عراق کی سرحد تک واقع تھے انہیں کے ساتھ ان شہروں کا
ذکر بھی آجائے گا جو نہر نہروان کے کنارے واقع تھے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بغداد کو
موصل اور دوسرے شمالی شہروں کو جانے والی شاہ راہ دجلہ کے بائیں یا شرقی
کنارے کے متوازی چلی گئی تھی۔ یہ سڑک شرقی بغداد سے محلہ شماسیہ کے (باب
نہروان سے شروع ہوتی تھی، اور تقریباً چار فرسخ آگے بڑھ کر بردان کے چھوٹے سے
شہر کو پہنچتی تھی، جو اب تک موجود ہے گو نام کے تھوڑے سے فرق سے اب اُسے بلدان
کہنے لگے ہیں۔ بردان کے قریب ہی بزوغا اور مزرفہ کے دو بڑے گاؤں تھے
ان میں سے مزرفہ بغداد سے تین فرسخ شمال کی طرف تھا۔ بردان کے قریب
الراشدیہ کے مقام پر نہر خالص دجلہ سے ملتی تھی جس کی تفصیل آگے
آتی ہے۔ اور یہیں بہت شمال میں، آج کل دجلہ کا وہ بڑا گھماؤ جو مشرق کی
جانب ہے ختم ہو جاتا ہے۔ دریا کا چکر بغداد سے (۶۰) میل شمال میں قادسیہ کے
مقام سے شروع ہوتا ہے۔ بہرکیف زمانہ وسطیٰ میں دجلہ کا گذر قادسیہ سے
بردان تک تقریباً بخط مستقیم تھا، اور اس وقت بھی اس خشک گذرگاہ کے
مشرقی جانب پرانی بستیوں کے آثار پائے جاتے ہیں، چنانچہ جن شہروں کا ذکر
ابن سراپیون اور شروع زمانے کے دوسرے مصنفوں نے کیا ہے ان کو نقشے میں
ظاہر کر دیا گیا ہے۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ دجلہ نے یہاں اپنا راستہ درحقیقت کئی مرتبہ
بدلا ہے۔ موجودہ (مشرقی) دہانے کو "عمر العلیا" کا مصنف جس نے اپنی کتاب
تقریباً ۶۲۳ھ (۱۲۲۶ء) میں لکھی تھی شُطَیطَہ (یعنی شط صغیر دریا) کہتا ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۶۵) یعنی کہ وہ اسماء اشخاص کو صرف آن رکھ کر اسماء اماکن بنا لیتے تھے، مثلاً طلحان
(یعنی نہر طلحہ) اس سے سلیمانان اور عبادان کی وجہ تسمیہ سمجھ میں آجاتی ہے۔ عباد کوئی شخص تھا
جس کے نام پر عبادان شہر کا نام ہو گیا تھا۔ دجلہ کی کھاڑی کا رقبہ (۷۲) فیٹ فی سال یعنی (۱۳) میل
فی صدی آگے بڑھ رہا ہے۔ اسی وجہ سے عبادان اب اندرون ملک میں چلا گیا ہے۔

منجملہ بڑی تبدیلیوں کے ایک تبدیلی یقیناً خلیفہ مُستَنصِر کے عہد میں، یعنی سنہ ۶۲۳ھ
سنہ ۶۴۰ھ (سنہ ۱۲۲۶ء - سنہ ۱۲۴۲ء) کے درمیان واقع ہوئی ہوگی کیونکہ تاریخ میں بیان ہوا ہے
کہ خلیفہ مستنصر نے ان زمینوں میں آب پاشی کی غرض سے جو دریا کے بڑے دھارے کے ہٹ
جانے سے خشک رہ گئی تھیں متعدد نہریں کھدوائی تھیں + اس سے بھی پہلے چوتھی
(دسویں) صدی میں مسعودی کا بیان ہے کہ دجلہ کے بہاؤ میں تبدیلی کی وجہ سے
بغداد کے شمال میں مشرقی اور مغربی کنارے کے زمینداروں میں خوب مقدمات چلے
تھے، اس زمانے میں جو شہر دجلہ کے مشرقی کنارے پر واقع تھے (جن کے کھنڈر
آج کل دریا کے موجودہ گذر سے کچھ فاصلے پر مغرب کی جانب دریا کے پرانی خشک گذرگاہ
میں ملتے ہیں) ان میں سب سے زیادہ مشہور شہر عُکبَرا تھا جس کے قریب ہی اَدَانا
اور ادانا کے جنوب میں بصرٰی واقع تھا۔ یہ تینوں شہر بغداد سے تقریباً دس دس
فرسخ کا فاصلہ رکھتے تھے۔ ان کے گرد باغات تھے، اور بغداد کے امراء اور رئیس ذکر
اکثر وہاں پہنچا کرتے تھے! مقدسی نے عُکبَرا کے انگوروں کی خصوصاً تعریف کی
ہے۔ اس کا بیان ہے کہ یہ شہر پر رونق اور آباد تھا۔ اوس سے ذرا شمال میں تھوڑی
دور پر العلث یا عَلث تھا جو اب بھی ہمارے نقشوں میں دکھایا جاتا ہے! لیکن دریا
کے مغربی کنارے پر مقدسی اس کو بھی ایک بڑا اور آباد شہر بتاتا ہے، اور لکھتا ہے
کہ دجلہ سے نکلی ہوئی نہر کی ایک شاخ کے کنارے یہ شہر واقع تھا۔ عُلث کے
شمال مغرب میں اس مقام پر جہاں سے آجکل دریا سمت مشرق میں اپنا بڑا چکر (۵۱)
کاٹنے کو رخ بدلتا ہے، دجلہ والا قادسیہ آباد ہے۔ اس شہر کو اوس قادسیہ
سے خلط ملط نہ کرنا چاہیے جو دریائے فرات کی سمت واقع ہے + دجلہ والا
قادسیہ شیشے کے کارخانوں کے لیئے مشہور تھا، اور اس کے مقابل نہر دجیل
دجلہ سے نکل کر جنوب کی طرف جاتی تھی [1]۔

---

[1]۔ قدامہ ص ۲۱۴ + مقدسی ص ۱۲۲، ۱۲۳ + مسعودی (مروج) ج ۱۔ ص ۲۲۳ + یاقوت
ج ۱ ص ۳۹۵، ۵۵۲، ۶۰۲، ۶۵۴، ج ۳۔ ص ۷۰۳ + ج ۴۔ ص ۹، ۵۲۰ + مراصد
ج ۲۔ ص ۲۷۰، ۴۲۹ +

نہر دُجَیل (جس کو دریائے دُجَیل یعنے دریائے کاہُ دان سے خلط ملط نہ کرنا چاہیئے) جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔ شروع میں دریائے فرات کی ایک ندی تھی جو دجلہ میں گرتی تھی، لیکن چوتھی (دسویں) صدی کے آغاز ہی میں اس کا مغربی حصہ ریت اور مٹی سے بالکل بند ہو چکا تھا، اور اس کا مشرقی اور زیریں حصہ اس زمانے میں ایک نئی نہر کے ذریعہ سے صاف رکھا جاتا تھا، جو قادسیہ کے جنوب میں شہر کے قریب ہی دجلہ سے نکالی گئی تھی۔ نھر دُجَیل (یعنے دجلہ صغیر) مَسْکَن کے تمام زرخیز علاقہ کو جو قطربل سے آگے مغربی بغداد کے شمال میں واقع تھا، سیراب کرتی تھی۔ پس سمجھنا چاہیئے کہ بعد کے زمانے کی نہر دجیل ایک ایسی نہر تھی جو دجلہ سے ہی شروع ہوتی تھی اور بہت سی شاخیں پیچھے چھوڑتی ہوئی شہر عکبرا کے سامنے دُجلہ ہی میں گر جاتی تھی۔ ان شاخوں میں سے بعض بسمت جنوب اس قدر دور تک گئی تھیں کہ مغربی بغداد کے شمالی محلے حَرْبِیہ تک اپنا پانی پہنچا دیتی تھیں (دیکھو صفحہ ۳۱)۔ دُجَیل کے علاقے میں جو مَسْکَن بھی کہلاتا تھا، بہت سے شہر اور قریئے تھے، جو عکبرا اور دجلہ کے مغرب میں واقع تھے۔ ان میں سب سے زیادہ بڑا حَربا تھا جہاں ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں ابن جُبَیر اندلسی آیا تھا۔ یہ مقام اب تک موجود ہے، اور یہاں آج کل ایک بڑے سنگین پل کے شکستہ آثار پائے جاتے ہیں جو نہر پر تعمیر کیا گیا تھا۔ الفخری کا بیان ہے اور اس پل کے کتبوں سے اس کے قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ ۶۲۹ھ (۱۲۳۲ء) میں خلیفہ مستنصر نے یہ پل تعمیر کرایا تھا۔ حربا کے قریب ہی الحظیرہ تھا (یعنے ایسا مقام جس کے گرد احاطہ کھینچ دیا گیا ہو، اور مویشی کو سردی اور ہوا سے بچانے کے لئے وہاں بند کیا جاتا ہو) اس شہر میں کرباس نام ایک قسم کا سوتی کپڑا تیار ہوتا تھا، اور فروخت کے لئے باہر بھیجا جاتا تھا۔ ان شہروں کے علاوہ یاقوت نے اس علاقے کے متعدد مواضع کا جن کی تعداد سو سے اوپر ہے، ذکر کیا ہے، ان میں سے اکثر، مثلاً البلد (شہر) جو الحظیرہ کے قریب تھا، اب بھی نقشے میں موجود ہیں۔ آٹھویں (چودھویں) صدی تک مستوفی نے دُجَیل کے علاقے کا، جس کا صدر مقام حَربا تھا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ علاقہ بہت زرخیز ہے، اور یہاں کے انار بغداد کے بازاروں میں بہترین سمجھے جاتے ہیں۔

(۵۲) اس علاقے کے اور بھی بہت سے شہر تھے۔ قادسیہ سے تقریباً دس میل شمال میں سامَرّا ہے، جس کا تفصیلی حال آئندہ باب میں بیان کیا جائے گا، اور ان دونوں شہروں کے بیچ میں مَطِیرہ تھا۔ ٹھیک اس مقام کے شمال میں جہاں سے تین چھوٹی چھوٹی نہریں دجلہ کے بائیں (مشرقی) کنارے سے نکلتی تھیں مَطِیرہ اور قادسیہ کے درمیان ان شہروں کے منبع سے جنوب میں بَزکُوارا یا بلکوارا یا بزکوارا تھا۔ یاقوت کے قول کے مطابق مَطِیرہ کا نام ایک مشہور خارجی مطی شیبانی کے نام پر رکھا گیا تھا۔ شروع میں اس مقام کا نام المَطَرِیَّہ تھا، لیکن بعد میں بگڑ کر المطیرہ ہو گیا[۱]۔ سامَرّا سے دس میل شمال میں کرخ فیرُوز (جو کرخ سامرا بھی کہلاتا تھا) واقع تھا۔ یہ شہر کرخ فیرُوز یا کرخ سامَرّا اس لئے کہلاتا تھا تاکہ اسے مغربی بغداد کی جنوبی بستی، کرخ، سے ممیز کیا جا سکے۔ سامرا کے شمال میں دس میل کے فاصلے پر دُور کا مقام تھا جہاں سے نہر نہروان دجلہ کے بائیں کنارے سے نکلتی تھی۔ اسی مقام پر مگر دجلہ کے دائیں یعنی مغربی کنارے سے نہر اسحاقی کا آغاز ہوتا تھا، جو تھوڑا سا چکر کاٹ کر مطیرہ کے مقام پر دجلہ سے آملتی تھی۔ ان مقامات کے موقع کا تعین صرف ان نہروں کے ذریعے سے ہو سکتا ہے، ان میں سے بعض شکستہ حالت میں اب بھی موجود ہیں، لیکن ناموں کے سوا اور کچھ ان کی نسبت معلوم نہیں +

---

[۱] یعقوبی ص ۲۶۵ + ابن سراپیون ص ۱۴ + ابن جبیر ص ۲۳۳ + یاقوت ج ۱ ص ۱۸۰، ۶۰۵۔ ج ۲ ص ۲۳۵، ۲۹۲، ۵۵۵۔ ج ۴۔ ص ۵۲۹، ۵۶۸ + مستوفی ص ۱۳۸ + الفخری ص ۳۱۰ + کمانڈر جے ایف جونز نے Records of the Bombay Government (سلسلہ نمبر ۴۳ ۱۸۵۵ء ص ۲۵۲) میں جسر بابک پل کا نقشہ دیا ہے۔ بزکوارا کا نام اس نے بزگوارا لکھا ہے (ص ۴۷) +

باب چہارم (۵۳)

عراق (جاری)

سامرا تکریت۔ نہر نہروان۔ یعقوبا اور دوسرے شہر۔ نہروان کا شہر اور خراسان کی شاہراہ۔ جلولا اور خانقین۔ بندنیجان اور بیات۔ حدیثہ سے لے کر انبار تک دریائے فرات کے شہر۔ نہر عیسیٰ۔ محوّل، صرصر، نہر الملک نہر کوثا۔

سامرّا نصف صدی سے زیادہ زمانہ کے لئے یعنے ۲۲۱-۲۷۹ھ (۸۳۶-۸۹۲ء) تک سات عباسی خلفاء کا دارالخلافہ رہا۔ عربوں کی فتوحات سے پہلے بھی۔ یہ ایک شہر کی صورت میں موجود تھا۔ اور دارالخلافہ ہونے کی حیثیت سے جو وقتی فوقیت اس کو حاصل ہوگئی تھی، اس کے اُٹھ جانے کے بعد بھی ایک مدت تک اس کی اہمیت برقرار رہی اس کا نام اُدای زبانیں سامرّا لکھا جاتا ہے۔ لیکن جب خلیفہ معتصم نے اس کو اپنا دارالخلافہ بنایا تو فال نیک کے طور پر اسے عربی میں سُرَّ مَنْ رَاٰی (جس نے دیکھا خوش ہوا) کر دیا۔ چنانچہ اسی شکل میں عباسیوں کے سکوں پر وہ دارالضرب کی حیثیت سے مضروب پایا جاتا ہے۔ لیکن اس نام کے مختلف تلفظ تھے؛ چنانچہ ابن خلکان نے چھ تلفظ گنوائے ہیں۔ بہر حال سب سے زیادہ زبان زد سامرّا تھا، اور یاقوت نے اسی لفظ کے تحت اس شہر کے حالات لکھے ہیں +

یعقوبی نے اپنی کتاب میں، جو تیسری (نویں) صدی کے اختتام کے قریب لکھی گئی تھی، سامرّا اور اوس کے محلوں کے حالات بہت تفصیل سے بیان کئے ہیں عباسیوں کے وہ سات خلفاء جو یہاں مقیم رہے ان کی بیشتر حالت ایسی تھی کہ گویا وہ اپنے ترکی فوج کی نظر بندی میں ہیں، اس لئے یہ خلفاء اس نظر بندی اور بیکاری کے زمانہ میں بڑے بڑے محل اور باغات بنا کر اپنا دل بہلاتے تھے + سامرّا کا اصلی شہر دریائے دجلہ کے

مشرقی کنارے پر واقع تھا، اور اپنے تمام محلوں وغیرہ کو ملا کر دریا کے کنارے سات فرسخ تک پھیلا گیا تھا۔ مغربی کنارے پر بھی اکثر محل تعمیر ہوئے تھے، کیونکہ ہر ایک خلیفہ نے اپنی زندگی میں ان محلوں اور تفریح گاہوں کی تیاری میں بے شمار دولت صرف کی تھی۔ جس زمین پر خلیفہ معتصم باللہ نے جو ہارون الرشید کا چھوٹا بیٹا تھا (۲۲۱ھ (۵۴)
۸۳۶ء) میں سامرا منتقل ہونے کے بعد اپنا پہلا محل بنوایا تھا، وہ درحقیقت ایک عیسائی خانقاہ (دیر) کی ملکیت تھی، جو الطیرہان کہلاتی تھی۔ خلیفہ نے اسے (۴۰۰۰) دینار (یعنی پندرہ ہزار روپیہ) دے کر خریدا تھا۔ اس نے اپنے ترکی سپاہیوں کو کرخ اور دریا کے ذرا شمال میں دور کے مقام پر جاگیریں عطا کیں۔ ان میں سے بعض جاگیریں سامرا کے جنوب میں مطیرہ کی طرف تھیں۔ اس کے بعد خلیفہ نے شہر کی سب سے پہلی جامع مسجد تعمیر کرائی اور اپنے محل کی بنیاد رکھی۔ خلافت کے ہر ایک حصے سے کاریگر جمع کئے گئے، اور ساگوان (سلج) لکڑی کی ایک بڑی مقدار سامرا لائی گئی۔ بصرہ سے کھجور کی لکڑی کی کڑیاں، اور انطاکیہ اور لاذقیہ (Loadicia) سے سنگ مرمر منگایا گیا۔ ایک شاہراہ جس کا نام الشارع الاعظم رکھا گیا تھا، دریائے دجلہ کے کنارے بنائی گئی۔ اس کے دو طرفہ محلات اور افسروں کی جاگیریں تھیں۔ یہ سڑک مطیرہ سے سیدھی کرخ تک آتی تھی، اور اس سے دوسری سڑکیں نکلتی تھیں، اور متعدد بازاروں کو راستہ جاتا تھا۔ یہیں پر بیت المال کی عمارت اور دوسرے سرکاری دیوان تعمیر کرائے گئے، ان ہی میں ایک دارالعامہ (دیوان عام) تھا، جہاں خلیفہ ہر پیر اور جمعرات کو دربار منعقد کیا کرتا تھا۔

سامرا میں اپنے محل کی تعمیر کے علاوہ معتصم نے نئے دارالخلافہ کے بالکل مقابل سیر و تفریح کے لئے دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر ایک باغ تیار کرایا تھا۔ اس باغ اور دارالخلافہ کو کشتیوں کے پل کے ذریعہ سے ملا دیا گیا۔ کھجور کے درخت بہ بالیا بصرہ سے لاکر لگائے گئے تھے، اور دوسرے پودے جو اس نواح میں نایاب تھے خراسان اور شام کے دور دراز صوبوں سے منگائے گئے۔ دریا کے مغربی کنارے کی تمام زمینیں نہر اسحاقی کی شاخوں سے سیراب ہوتی تھیں۔ اس نہر کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے۔ اس کا نکالنے والا معتصم کا صاحب الشرطہ اسحاق بن ابراہیم تھا۔ بہرحال

یہی علاقہ خاص طور سے طیرہان کہلاتا تھا، اور یعقوبی نے اسی کو ہیکل ان سامرّا لکھا ہے۔ جب ۲۲۷ھ (۸۴۲ء) میں معتصم باللہ کا انتقال ہوا تو سامرّا اپنے محلوں اور دوسری عمارتوں کی خوبصورتی کے لحاظ سے ہر طرح بغداد کا ہم سر بن گیا تھا۔ اُس کے دو بیٹوں، واثق اور متوکل نے جو اس کی وفات پر یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے، اپنے باپ کے کام کی تکمیل کی۔ چنانچہ دجلہ کے کنارے پر ہارون الواثق نے وہ محل تیار کرایا جو اوس کے نام پر قصر الہارونی کہلاتا تھا، اور جس کے دونوں جانب مشرق اور مغرب میں ایک بہت بڑا چبوترہ تھا۔ واثق نے ہی دریا کے کنارے کی زمین کھدوا کر ایک بندرگاہ تیار کرایا، تاکہ بغداد سے آنے والی باربرداری کی کشتیاں بآسانی وہاں اپنا سامان اتار سکیں۔ ۲۳۲ھ (۸۴۷ء) میں واثق کے انتقال کے بعد اس کا بھائی جعفر المتوکل خلیفہ ہوا، وہ پہلے تو اپنے بھائی کے بنائے ہوئے قصر ہارونی میں رہا لیکن ۲۴۵ھ (۸۵۹ء) میں اُس نے اپنے لئے ایک نیا محل کرخ سے تین فرسخ شمال میں (۵۵)
بنوانا شروع کیا، اور نئی شاہراہ الشارع الاعظم کو بھی اوس نے اس محل تک آگے بڑھا دیا۔ اس کے بعد اس قصر کے گرد و نواح میں جو بستی قائم ہوئی وہ المتوکلیہ یا قصر جعفری کہلانے لگی۔ قصر جعفری کے آثار اب بھی اُس زادیہ میں ملتے ہیں جو نہر نہروان اور اس کی ایک شاخ سے بنتا ہے۔ الماحوزہ کا قدیم شہر اسی بستی میں شامل ہو گیا تھا۔

معتصم نے اپنے عہد میں جو جامع مسجد بنوائی تھی وہ اب نئے دار الخلافہ کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے ناکافی تھی، کیونکہ اب شہر کے مکانات، محلات اور باغات مطیرہ سے دُور تک مسلسل پھیلے ہوئے تھے۔ اس لئے متوکل نے ایک زیادہ وسیع اور خوبصورت جامع مسجد تعمیر کرائی۔ اسی متوکلیہ یا قصر جعفری میں متوکل ۲۴۷ھ (۸۶۱ء) میں اپنے بیٹے منتصر کے اشارے سے قتل ہوا۔ اس کے بعد کے پر آشوب زمانہ میں چار خلفاء نے یکے بعد دیگرے معتصم کے تعمیر کردہ قصر الجوسق میں جو دجلہ کے مغربی کنارے پر سامرّا کے سامنے تھا، سکونت رکھی۔ آخری خلیفہ جو سامرا میں رہا وہ متوکل کا بیٹا معتمد تھا، شروع میں وہ قصر الجوسق میں رہتا تھا، لیکن بعد میں اس نے قصر المعشوق نام ایک نیا محل تیار کرایا، اور یہیں سے وہ اپنی موت سے چند روز پہلے ۲۷۹ھ (۸۹۲ء)

میں بغداد منتقل ہو گیا۔ جن محلات کا ذکر اوپر ہوا ان کے علاوہ دوسرے محلوں کے نام [جعفر یہ ...] نے گنوائے ہیں۔ مثلاً ابن سراپیون نے قصرِ الجص کا ذکر کیا ہے جو معتصم نے کھدائی (کھدواتی) بنا بنوایا تھا، یاقوت نے بھی متعدد محلوں کا نام لیا ہے، اور اوس بے شمار دولت کا [بھی ذکر] کیا ہے، جو ان محلوں کے بانیوں نے ان پر خرچ کی تھی۔ اس کی مجموعی مقدار اس نے (...۲۰۴) درہم یعنے کم و بیش (۱۲۰۰۰۰۰۰) روپیہ بتائے ہیں +

دار الخلافہ کے دوبارہ بغداد میں منتقل ہونے سے قدرتی طور پر سامرّا کی رونق میں کمی آ گئی، اور اوس کے اکثر محل بہت جلد ویران اور کھنڈر ہو گئے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے یہاں کے خوبصورت باغوں کی، خصوصاً ان کی جو دجلہ کے مغربی کنارے پر واقع تھے، بہت تعریف کی ہے۔ لیکن مقدسی لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں شمال میں کرخ شہر کا سب سے زیادہ آباد اور معمور حصہ تھا۔ سامرّا کی عظیم الشان جامع مسجد اب بھی موجود ہے، اور مقدسی کا قول ہے کہ وہ خوبصورتی اور شان و شوکت میں دمشق کی جامع مسجد کا مقابلہ کرتی تھی۔ اس کی دیواروں پر چینی (مینا) کا کام تھا اس کا فرش سنگِ مرمر کا تھا، اور اس کے ستون بھی سنگِ مرمر کے تھے، اس کے مینار کی بلندی (۵۶)
مشہور تھی۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ یہ اس پہلی مسجد کا مینار تھا جو معتصم نے بنوائی تھی، خلیفہ کی خواہش یہ تھی کہ اذان کی آواز تمام شہر میں سنائی دے۔ چنانچہ یہ مینار اتنا اونچا تھا کہ چاروں طرف سے ایک فرسخ کے فاصلے سے دکھائی دیتا تھا۔ غالباً یہی وہ قدیم مینار ہے جو موجودہ سامرّا کے شمال میں آدھے میل کے فاصلے پر واقع ہے اور مینارۂ ملویہ کہلاتا ہے۔ اس کے گرد باہر کی طرف ایک چکردار زینہ ہے۔ کم از کم مستوفی کا یہی خیال ہے کیونکہ اس نے آٹھویں (چودھویں) کی ابتدا میں لکھا ہے کہ جامع مسجد کے مینار کا طول (۱۷۰) فرع ہے، اور اس کا زینہ باہر کی طرف ہے، جس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی۔ اسی کا بیان ہے کہ یہ مسجد خلیفہ معتصم باللہ نے تعمیر کرائی تھی۔

بعد کے زمانے کے مصنف سامرّا کے متعلق ہمارے علم میں کچھ اضافہ نہیں کرتے لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے بعد اس شہر میں شیعوں کی آبادی بہت بڑھ گئی تھی، کیونکہ یہاں شیعوں کے دسویں اور گیارہویں امام یعنی حضرت امام علی الہادی اور ان کے صاحبزادے حضرت امام حسن عسکری کے مزارات تھے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر بات

یہ تھی کہ یہیں وہ مسجد تھی جس کے تہ خانہ میں شیعوں کی روایت کے مطابق ۲۶۴ھ (۸۷۸ء) میں ان کے بارہویں امام غائب ہو گئے تھے جن کے متعلق خیال تھا کہ وہی مہدی بن کر واپس آئیں گے، اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ اسی وجہ سے ان کو امام منتظر کہا جاتا ہے۔ ان اماموں کے مزار شہر کے جس حصے میں تھے وہ عسکر معتصم (معتصم کی فوجی چھاؤنی) کہلاتا تھا، اور اسی وجہ سے حضرت امام حسنؓ (گیارہویں امام) کے نام کے ساتھ عسکری کے لفظ کا اضافہ ہو گیا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے ابتدا میں مستوفی نے جو شیعہ تھا، خاص طور پر ان مزاروں کا ذکر کیا ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان مزاروں کے قریب جو جامع مسجد تھی اس میں اس مینار کے علاوہ جس کا ذکر ہو چکا ہے، پیالہ کی شکل کا ایک سنگین حوض تھا، جسے طاس فرعون کہتے تھے۔ اس کا دور (۲۳) قدم، بلندی سات ذرع اور ضخامت نصف ذرع تھی۔ یہ طاس صحن مسجد کے وسط میں وضو کے لئے حوض کا کام دیتا تھا، اور اسے خلیفہ معتصم نے تیار کرایا تھا۔ لیکن مستوفی نے لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں سامرا کا بہت سا حصہ برباد ہو چکا تھا، اور کچھ حصہ آباد تھا۔ اس کے بیان کی تصدیق ابن بطوطہ سے ہوتی ہے، جو مستوفی کا ہم عصر تھا، اور یہاں ۷۳۰ھ (۱۳۳۰ء) میں آیا تھا[1]۔

(۵۷) تکریت، جو سامرا سے تیس میل شمال میں دجلہ کے مغربی کنارے پر واقع تھا عام طور پر عراق کا آخری شہر سمجھا جاتا تھا، اور اپنے قلعے کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا جو دریا کے کنارے بلندی پر واقع تھا۔ ابن حوقل چوتھی (دسویں) صدی میں لکھتا ہے کہ اس شہر میں عیسائیوں کی آبادی کثرت سے تھی۔ اور وہاں ان کی ایک بڑی خانقاہ بھی تھی۔ مقدسی کہتا ہے کہ یہاں کے اون کے کام کرنے والے مشہور تھے، اور اس کے قرب و جوار میں تل کی کاشت بکثرت ہوتی تھی۔ مستوفی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ باوجود سرد آب و ہوا کے یہاں تربوز کی سال میں تین فصلیں ہوتی تھیں۔ ابن جبیر اندلسی کا

[1] بلاذری ص ۲۹۷، ۲۹۸ + یعقوبی ص ۲۵۵-۲۶۸ + ابن خرداذبہ ص ۹۴ + ابن سراپیون ص ۱۰ + اصطخری ص ۸۵ + ابن حوقل ص ۱۶۲ + مقدسی ص ۱۲۲، ۱۲۳ + ابو الفدا ص ۲۸۹ + یاقوت ج ۳ ص ۱۴، ۲۲، ۱۷۵ + ج ۴ ص ۱۱۰ + ابن خلکان عدد ص ۱۵ + مستوفی ص ۱۳۹ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۳۲ +

بیان ہے کہ شہر کی فصیل کا دور (۶۰۰۰) قدم تھا، اور اس کے برج اچھی حالت میں تھے، یہ اس وقت کا حال ہے جب وہ ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں تکریت سے گذرا تھا۔ ابن بطوطہ نے بھی یہاں کے بازاروں اور بکثرت مسجدوں کی بہت تعریف کی ہے[۱]

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ نہروان کی بڑی نہر مقام دُور سے ذرا جنوب میں دریائے دجلہ سے نکلتی تھی۔ اور اپنے بالائی حصہ میں القاطول[۲] الکسروی (کسراؤں کی کاٹی ہوئی نہر) کہلاتی تھی، کیونکہ یہ نہر ساسانیوں کے زمانہ میں تیار ہوئی تھی۔ اس نہر سے وہ تمام علاقہ سیراب ہوتا تھا جو دجلہ کے مشرقی کنارے پر سامرا کے جنوب میں سو میل تک واقع تھا۔ ابن سیرابیون نے اس کے کنارے کے بہت سے شہروں کا تذکرہ کیا ہے، جن میں پل اور پشتے[۳] بندھے ہوئے تھے، لیکن ان میں سے اکثر شہروں کا اب پتہ نہیں ہے، گو نہر کا گذر اب بھی نقشے پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ نہر دُور نامی شہر سے چل کر (جس کو اسی نام کے دوسرے شہروں سے ممیز کرنے کے لئے دُور العربایا دُور الحارث کہا جاتا تھا) جب محلہ متوکلیہ کی پشت اور دوسرے محلوں سے جو سامرا کے شمال میں تھے گذرتی تھی تو ایک سنگین پل آتا تھا، جو اس پر واقع تھا، پھر یہ نہر ایتاخیہ آتی تھی جو ایتاخ نام ایک ترک کی جاگیر کا گاؤں تھا، اور یہ کسی زمانہ میں خلیفہ معتصم کا سپہ سالار تھا۔ اس جگہ کسی زمانہ میں ایک خانقاہ تھی اور دیر ابو الصفرۃ کہلاتی تھی یہیں مشہور پل قنطرۂ کِسرَوِیَہ (کسرے کا پل) تھا۔ خانقاہ کا نام مشہور خارجی ابو صفرہ پر رکھا گیا تھا اس کے بعد نہر نہروان المحمّدیہ سے گذرتی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا، اور یہاں نہر کو عبور کرنے کے لئے چھوٹی کشتیوں کا پل (جسر زواریق) بنا ہوا تھا[۴]۔ یاقوت کے مطابق

---

[۱] اصطخری ص ۷۷ + ابن حوقل ص ۱۵۶ + مقدسی ص ۱۲۳ + ابن جبیر ص ۲۳۲ + مستوفی ص ۱۳۸، ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۱۳۳ +

[۲] قطل = قطع۔ مترجم

[۳] عربی:۔ شاذُروان + انگریزی Weir ترجم

[۴] واضح ہو کہ جسر سے مراد ہمیشہ کشتیوں کا پل ہوتی ہے، اور قنطرہ سے پکا پل، شاذروان، جس کا ترجمہ پشتہ کیا گیا ہے، اصل میں اس سے دریا یا نہر کے گذرگاہ کا وہ حصہ مراد لیا جاتا تھا جہاں پتھر کا فرش بنا کر پانی کے روکنے کو

(۵۸) ایتاخیہ کا نام ہی متوکل نے اپنے بیٹے محمد المنتصر کے نام پر بدل کر محمدیہ رکھ دیا تھا۔ ان مقامات سے ذرا ہی جنوب میں تین اور چھوٹی چھوٹی نہریں (قاطول) یعنے نہر یہودی نہر ماموُنی اور نہر ابو الجند، نہروان کی نہر میں ملتی ہیں۔ یہ تینوں نہریں مُطیرہ کے قریب سامرّا کے جنوب میں دریائے دجلہ کے بائیں کنارے سے نکلتی تھیں، اور اس شہر کے جنوبی علاقے کی زرخیز زمینوں کو سیراب کرتی تھیں۔ ان کے مقام اتصال سے ذرا شمال میں نہروان کی نہر کے بہت سے پشتوں (شاذروان) میں سے پہلا پشتہ آتا تھا، اور جہاں یہ پہلی نہر یعنے نہر یہودی آکر نہروان سے ملتی تھی وہیں ماموُنیہ کا بڑا قریہ آباد تھا۔ مطیرہ اور ماموُنیہ کے درمیان نہر یہودی کو عبور کرنے کے لئے ایک پختہ پل قنطرہ وَصِیف موجود تھا، وصیف خلیفہ معتصم کی ترکی فوج کا ایک افسر تھا جسے بعد کے عہد میں بہت رسوخ اور اثر حاصل ہوگیا تھا۔ دوسری نہر ماموُنی ایک گاؤں کے پاس جس کا نام القناطیر (جمع قنطرہ: پل) تھا، نہر نہروان میں گرتی تھی۔ تیسری نہر ابو الجناں کو۔ یہ نام اس لئے دیا گیا تھا کہ اس علاقے کی پیداوار جسے یہ نہر سیراب کرتی تھی، فوج (جند) کے سپاہیوں کے آذوقہ کے لئے مخصوص تھی۔ یہی نہر تینوں نہروں میں سب سے بڑی تھی۔ اسے ہارون الرشید نے کھدوایا تھا، اور کام کی نگرانی کے وقت وہاں اپنے لئے ایک محل بھی تعمیر کرایا تھا۔ اس کے کنارے پر طَفو کا شہر آباد تھا، اور نہر کو عبور کرنے کے لئے یہاں کشتیوں کا پل تھا۔ یاقوت ساتویں (تیرھویں) میں بذات خود یہاں آیا تھا؛ اس کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں طفو ایک بے آب و گیاہ میدان میں واقع تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ (۷۵) پشتے بنا دیتے تھے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض مرتبہ جسر سے مراد بلا شک و شبہ پکے پل سے ہوتی تھی مثلاً مشہور جسر الولیہ؛ یہ وہ محراب دار پل تھا جو دریائے سیحان (Sarus) پر اَذَنَہ (Adana) اور ماپسوستا (Mopsuestia) کے درمیان قیصر جسٹینین نے تعمیر کرایا تھا۔ لفظ قنطرہ کا اطلاق بعض مرتبہ ہر ایک محراب دار عمارت پر ہوتا تھا مثلاً پل اگر محراب دار ہو یا پانی کے گذرنے کا راستہ جو محرابوں پر قایم کیا گیا ہو ان سب کو قنطرہ کہتے ہیں۔ اصل میں قنطرہ لاطینی لفظ (Centrum) سے معرب کیا گیا ہے اور سنٹرم کے معنے کسی پل کے درمیانی محراب کے ہیں لیکن رفتہ رفتہ اس لفظ کا اطلاق تمام پل پر ہونے لگا۔

جہاں وحشی جانور رہا کرتے تھے۔ یہ شہر بَعقُوبا اور دَ قُوقا کے درمیان واقع تھا یاقوت بغداد سے اِربل جاتے ہوئے۔ طفقر سے گذرا تھا، اس کا بیان ہے کہ یہاں کہیں آبادی کا نام نہ تھا، رات کے وقت یہ نوبت ہوئی کہ قافلے کے رہنما کو قطب ستارے کی مدد سے یہ معلوم کرنا پڑا کہ کس سمت کو جانا ہے، اور صبح کے ہوتے ہوتے قافلے نے ویران میدان کو طے کر لیا۔

(۵۹) جس مقام پر ان تینوں نہروں میں سے آخری نہر یعنے ابو الجند نہروان سے ملتی تھی اُس سے چار فرسخ جنوب میں صُولا یا صَلوا کا شہر تھا جو باب صَلوا یا باصلوا بھی کہلاتا تھا۔ اس کے جنوب میں بغداد سے تقریباً دس فرسخ شمال کی طرف نہروان کے بالائی علاقہ کا صدر مقام بَعقُوبا واقع تھا۔ بَعقُوبا کے مقام پر قاطول کی بڑی نہر کا نام بدل کر تامرّا ہو جاتا تھا۔ اسی نام سے یہ نہر باجسرا کے مقام سے گذرتی ہوئی جسر نھروان نامی شہر پر سے گذرتی تھی، اور اس کے بعد یہ نہر خاص طور پر نہر نھروان کہلاتی تھی۔ باجسر، جو بیت الجسر کی اُرامی شکل ہے، ایک مزرعہ میدان میں واقع، اور کھجور کے درختوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس کے قریب تامرّا کے دائیں کنارے سے ایک نہر، جو نہر خالص کہلاتی تھی، نکلتی تھی، اور بغداد کے شمال میں بَرَدان کے مقام پر دریائے دجلہ میں جا ملتی تھی، یہی نہر خالص تھی جس کا پانی مشرقی بغداد کے اکثر نہروں میں پہنچتا تھا۔

جسر نہروان، یعنی پل والے شہر کا ذکر ابھی کیا جائے گا۔ اس شہر میں سے خراسان کی شاہ راہ جو بغداد سے آتی تھی گذرتی تھی، اور یہیں سے ایک نہر یعنی نہر نہروان کی دائیں کنارے سے نکلتی تھی، اور کلواذا کے مقام پر دریائے دجلہ میں گر جاتی تھی اس نہر سے مشرقی بغداد کے جنوبی محلوں کی نہروں کو پانی پہنچتا تھا۔ جسر نھروان سے ایک میل جنوب میں نہر دیالا نہر نہروان سے جنوب کی طرف چلتی تھی، اور مشرقی بغداد کے باغوں کو سیراب کرتی ہوئی دار الخلافہ سے تین میل جنوب میں دریائے دجلہ سے مل جاتی تھی۔

جسر نھروان کے جنوب سے اس زبردست نہر کا قطعی طور پر نہروان نام ہو جاتا تھا۔ اور شمالی شاذروان سے گذر کر وہ جسر بُوران آتی تھی۔ اس پل کا نام

خلیفہ مامون عباسی کی مشہور و معروف ملکہ بوران کے نام پر رکھا گیا تھا۔ اس کے جنوب میں برزاطیہ (یا غالباً برزاطیہ) تھا اور پھر عبرتا کا شہر تھا[علہ] جس کے متعلق یاقوت نے لکھا ہے کہ وہ ایرانی شہر تھا اور اس میں بڑے بڑے بازار تھے۔ عبرتا کے اور جنوب میں جنوبی شاذرکان اور اس کے بعد بنی جنید کا شہر اسکاف یا اسکاف [اسکاف بنی جنید] تھا۔ یہ شہر نہر کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ بنی جنید کے متعلق یاقوت راوی ہے کہ وہ اس علاقہ کے رؤسا، اور شیوخ، اور مہمان نوازی میں مشہور تھے۔ یاقوت نے یہ بھی لکھا ہے کہ ساتویں (تیرہویں) صدی میں جب اوس نے اپنی کتاب لکھی ہے تو اسکاف کے گرد و نواح کی تمام زمینیں بالکل غیر
(۶۰) مزروعہ ہو چکی تھیں۔ کیونکہ گذشتہ دو صدیوں کے دوران میں نہروان کی نہر مٹی اور ریت سے اٹ گئی تھی، اور سلاطین سلجوق، اپنی خانہ جنگیوں میں اس قدر مصروف تھے کہ وہ اسے صاف کرانے اور بندوں کی مرمت کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ "ان کی فوجوں نے اس نہر کو سڑک بنا لیا ہے، جس کی وجہ سے یہ نہر اور اوس کا علاقہ دونوں برباد ہو گئے ہیں"۔

اسکاف کے بعد تقریباً ساٹھ میل تک نہر نہروان مسلسل قریوں اور دیہات سے گذرتی ہوئی آخر ماذرایا پہنچتی تھی، جہاں وہ دجلہ میں مل جاتی تھی۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ماذرایا جبل کے جنوب اور المبارک کے شمال میں تھا اور المبارک کا شہر نہر سایس کے شہر کے سامنے آباد تھا۔ جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے تو یہ بالکل اجڑا ہوا شہر تھا، اور اس کا نام بھی اب نقشوں میں درج نہیں کیا جاتا۔ لیکن وہ یقیناً اسی مقام پر ہوگا جہاں آج کل کوط العمارہ آباد ہے، یعنی وہ مقام جہاں سے آج کل دریائے دجلہ دریائے شط الحی کے راستے سے الگ ہوتا ہے[۲]۔

علہ۔ نقشے میں پہلے عبرتا اور پھر برزاطیہ آتا ہے۔ (مترجم)

۲۔ برزاطیہ غالباً وہی مقام ہے جو آج کل برزطیہ کہلاتا ہے، اور عبرتا کے شمال میں واقع ہے + یعقوبی ص ۳۲۱ + ابن سراپیون ص ۱۹، ۲۰ + بلاذری ص ۲۹۷ + ابن رستہ ص ۹۰ + ابن خردادبہ ص ۱۷۵ + مسعودی (تنبیہ) ص ۵۲ + یاقوت ج ۱ ص ۲۵۲، ۴۵۴ + ج ۳ ص ۵۲۹، ۶۰۴ + ج ۴ ص ۱۶، ۳۸، ۴۳۰، ۴۳۴ +

اس طرح سے نہر نہروان کے یہ تینوں ٹکڑے (یعنی قاطول تامرّا اور نہروانِ خاص) مع اپنی تینوں معاون نہروں (یعنی نہر خالص، نہر بین اور نہر دیالا) کے مشرقی بغداد کو سیراب کرنے کے بعد پھر دجلہ میں آملتے تھے۔ بہرحال ابن سراپیون نے نہروں کے اس الجھے سوت کو اسی طرح سلجھایا ہے۔ اس کے بعد کے زمانہ میں یہ نام اس طرح عائد نہیں ہوتے تھے، جس طرح اُس نے عائد کئے ہیں۔ اگر موجودہ نقشے پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ نہر نہروان، جو دو سو میل لمبی تھی، یقیناً ایران کی سطحات مرتفع سے آنے والی تمام ندیوں کا پانی سمیٹ لیتی ہوگی۔ اور اگر یہ نہ ہوتی تو سیلاب کے وقت ان ندیوں کا پانی دریائے دجلہ میں اُس کے بائیں کنارے کی طرف سے آکر شامل ہوجاتا۔ تامرّا والا ٹکڑا ان ہی ندیوں کے قبیل سے تھا۔ چنانچہ یاقوت نے ذکر کیا ہے کہ اُس کی گذرگاہ کو سات فرسخ تک پختہ بنا دیا گیا تھا، تاکہ ریت اس کا پانی جذب نہ کرسکے کیونکہ اسی پانی سے مشرقی بغداد کے بہت سے حصے سیراب کئے جاتے تھے۔ اس کے بیان کے مطابق نہر خالص اور نہر دیالا دونوں تامرّا کی شاخیں تھیں۔ (بہرکیف جب نہر خالص کا ذکر عرب جغرافیہ نویس کرتے ہیں، وہ موجودہ زمانہ کا دریائے خالص نہیں ہوسکتا، کیونکہ اب یہ بعقوبا سے کچھ دور اس کی شمالی مغربی سمت کو بہتا ہے)۔ یاقوت کے زمانے میں خالص اس علاقے کا نام تھا جو خراسان کی سڑک کے شمال میں واقع تھا، اور جو ایک سمت میں مشرقی بغداد کی دیواروں تک پہنچتا تھا۔ تیسری (نویں) (۶۱)
صدی میں ابن رستہ اور ابن خرداذبہ اُس پہاڑی ندی کو نہر کہتے ہیں، جو حلوان کے مقام پر قاطول الاعظم سے آکر ملتی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی لکھتا ہے کہ نہروان دریائے دیالا کا نام ہے، جو کردستان کے پہاڑوں سے نکلتا ہے، اور دو دریاؤں سے مل کر بنتا تھا۔ یہ دو دریا شیروان اور حلوان تھے۔ شیروان کا نام آخر میں تیمرّا ہوگیا تھا، اور دریائے حلوان قصر شیرین اور خانقین کے پاس سے ہوکر گذرتا تھا، اور یہ دونوں دریا بعقوبا کے شمال میں ملتے تھے، اور یہیں پر وہ نہر نہروان میں شامل ہوجاتے تھے۔

نہروان کا شہر جو جسر نہروان (نہروان کا پل) بھی کہلاتا تھا، بغداد سے جو کر خراسان کی شاہراہ پر پہلا پڑاؤ تھا، اور اگرچہ آج کل اس شہر کا نشان محض ایک گمنام

چھوٹے سے گاؤں بسفوۃ میں رہ گیا ہے، لیکن قدیم زمانہ میں یہ شہر بہت بڑا سمجھا جاتا تھا۔ تیسری (نویں) صدی میں ابن رستہ نے لکھا ہے کہ نہروان کا شہر نہر کے دونوں کناروں پر آباد تھا، شہر کے مغربی حصے میں بڑے بڑے بازار، ایک جامع مسجد، اور آب پاشی کے لئے بہت سے رہٹ (دُولاب) تھے؛ مشرقی حصے میں بھی ایک دوسری جامع مسجد اور بازار تھے اور جامع مسجد کے گرد بہت سی سرائیں تھیں، جہاں حاجی اور دوسرے مسافر ٹھیرا کرتے تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے اس شہر کے گرد و نواح کی زرخیز زمینوں کا ذکر کیا ہے، اور مقدسی لکھتا ہے کہ اُس کے زمانہ میں شہر کا مشرقی حصہ سب سے زیادہ آباد تھا اور اسی حصے کی جامع مسجد عام طور پر استعمال ہوتی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو اس وقت نہروان کا شہر برباد ہو چکا تھا، کیونکہ خراسان کی شاہراہ اس شہر میں سے گذرنے کے بجائے اب شمال کی سمت میں بَعقُوبا کے پاس سے گذرتی تھی۔ گرد و نواح کا زرخیز علاقہ اس وقت بھی طریق خراسان کہلاتا تھا۔ مستوفی کا بیان ہے کہ اس علاقے کا صدر مقام بَعقُوبا کا شہر تھا، اور اس شہر میں باغوں اور نخلستانوں کا ایک سلسلہ تھا، ان میں کھجوروں اور نارنگیوں کی فصلیں بڑی اعلیٰ درجہ کی اُٹھتی تھیں[1]۔

بَرَازالرُّوذ (یعنے چاولوں کے کھیت) کا شہر جو اب بلاد الرُّوذ کے نام سے مشہور ہے، نہروان کے شہر کے شمال مشرق میں واقع تھا، اور یاقوت نے اس شہر کا ذکر کیا ہے۔ خلیفہ معتضد باللہ عباسی نے یہاں ایک محل تعمیر کرایا تھا۔ یہ شہر تامَرّا کے علاقہ میں شمار ہوتا تھا، اور خراسان کی شاہراہ سے مشرق کی طرف واقع تھا۔ اس شہر کا ذکر مستوفی نے بھی کیا ہے۔ شہر نہروان سے آگے بڑھ کر خراسان کی شاہراہ پر دوسری منزل
(۶۲) دَسکرۃُ الملِک کا مقام تھا، ابن رستہ اسے ایک بڑا شہر بتاتا ہے، جہاں ساسانی عہد کی تعمیر شدہ فصیل سے گھرا ہوا ایک قلعہ تھا، جس میں داخل ہونے کے لئے مغرب کی سمت میں صرف ایک دروازہ تھا۔ جائے وقوع کے لحاظ سے یہ "شاہی دسکرہ" مشہور و معروف دَستگرد

[1] ابن رستہ ص ۹۰، ۱۶۳ + ابن خرداذبہ ص ۱۷۵ + اصطخری ص ۸۶ + ابن حوقل ص ۱۶۷ + مقدسی ص ۱۲۱ + یاقوت ج ۱ ص ۸۱۲ + ج ۲ ص ۳۹۰، ۲۳۸ + مستوفی ص ۱۳۹، ۱۴۰، ۲۱۲ +

معلوم ہوتا ہے، جہاں خسرو پرویز ساسانی کا وہ عالیشان محل تھا جسے قسطنطنیہ کے قیصر ہرقل نے ۶۲۸ء میں لوٹ کر جلا دیا تھا، اس محل کو جس کے کھنڈر بظاہر چوتھی (دسویں) صدی تک دسکرۃ کیسرویہ کے نام سے مشہور تھے، ایک سیاح ابن مہلہل نے دیکھا تھا جس کی عبارت کو یاقوت نے نقل کیا ہے۔ ابن مہلہل کا بیان ہے کہ اس وقت ان کھنڈروں میں ایک عجیب و غریب عمارت نظر آتی تھی، جس میں بہت سے اطاق اور کمرے اس خوبی سے بنائے گئے تھے کہ ان کی دیواریں ایک سالم پتھر سے تراش کر نکالی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ یہ تو ایرانی شہر کا حال تھا۔ عربی شہر کے متعلق ابن حوقل چوتھی (دسویں) صدی میں لکھتا ہے کہ دسکرہ میں غالباً عربوں کا تعمیر کردہ ایک مضبوط قلعہ تھا، اور مقدسی کہتا ہے کہ یہاں ایک چھوٹی سی منڈی اور ایک جامع مسجد تھی، جس کی چھت گنبد نما تھی۔ دسکرہ سے تھوڑی ہی دور پر شہرابان کا قصبہ تھا، جس کا ذکر یاقوت اور مستوفی دونوں نے کیا ہے۔ مستوفی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسی گاؤں اس شہر سے متعلق تھے، اور اس کی بنیاد خسروان ساسانی میں سے کسی کی بیٹی گلبن نے ڈالی تھی۔

شاہراہ خراسان پر اس کے بعد کی منزل جلولا کا شہر تھا، جس کے گرد درخت بکثرت تھے، مگر شہر کے گرد فصیل اور مورچے نہ تھے۔ قریب ہی ہارونیہ گاؤں کے پاس کسی ساسانی خسرو کا بنایا ہوا پتھر کا پل تھا، جس کی چنائی میں پتھروں کو سیسے سے جوڑا گیا تھا۔ یاقوت راوی ہے کہ یہ پل اس دریا پر تھا، جس میں سے کشتیاں بعقوبا اور باجسرا کو جاتی تھیں۔ تاریخ میں جلولا کی شہرت اس وجہ سے ہے کہ یہاں سنہ ۱۶ھ (۶۳۷ء) میں مسلمانوں نے ایرانیوں کو شکست دی تھی، اور بادشاہ یزدجرد کو بالکل تباہ ہو کر بھاگنا پڑا تھا۔ بعد کے زمانے میں مستوفی نے اس مقام کو رباط جلولا لکھا ہے کیونکہ یہاں ملک شاہ سلجوق نے ایک رباط تعمیر کرایا تھا۔ آج کل جلولا کے مقام پر قزل رباط (سرخ رباط)
آباد ہے۔ جلولا کے مشرق میں خانقین کا شہر تھا۔ مقدسی کا بیان ہے کہ یہ شہر حلوان (۶۳)
کی سڑک پر تھا۔ ابن رستہ لکھتا ہے کہ یہاں دریا پر پزاوے کی پکی ہوئی مضبوط اینٹوں کا بنا ہوا کئی محرابوں کا ایک پل تھا۔ خانقین کے قریب روغن نفط کا ایک چشمہ تھا جس سے بہت محصول وصول ہوتا تھا۔ یاقوت نے مذکورہ بالا پل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس زمانہ یعنی ساتویں (تیرھویں) صدی میں اس کی چوبیس محرابیں تھیں، اور

اُسی پر سے خراسان کی شاہراہ گذرتی تھی۔ آئندہ صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو خانِقین کا شہر بالکل برباد ہو چکا تھا، اور اس وقت صرف ایک چھوٹے سے گاؤں کی صورت میں باقی تھا، لیکن اس کا علاقہ اس وقت بھی نہایت زرخیز تھا۔

خانِقین سے چھ فرسخ آگے قصرِ شیرین واقع تھا۔ یہ اس راستہ کے بالکل وسط میں تھا جو حُلوان کو جاتا تھا، اور اس راستہ پر حُلوان پہلا شہر تھا جو صوبہ جبال میں مسافر کو ملتا تھا۔ قصرِ شیرین کا نام خسرو پرویز کی مشہور و معروف ملکہ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہاں پر فصیل سے گھرا ہوا ایک بڑا قصبہ اور ایک ساسانی محل کے کھنڈر تھے، اس کے متعلق تیسری (نویں) صدی میں ابن رستہ نے لکھا ہے کہ اس میں پکی اینٹوں کا محراب دار ایک وسیع دالان تھا اور اوس کے گرد اور متعدد کمرے تھے، جن کی دیواریں نہایت مضبوط تھیں۔ اس بڑی محراب والے وسیع کمرے کے سامنے ایک بڑا چبوترا تھا، جس پر سنگ مرمر کی سلوں کا فرش تھا۔ یاقوت اور مستوفی نے قصرِ شیرین کا جس کے کھنڈر اب بھی ملتے ہیں نہایت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

یہاں یہ بھی ذکر کر دینا ضروری ہے کہ اس کے گرد و نواح کے علاقے میں بہت سے نام ایسے پائے جاتے ہیں جن سے شیریں کے عاشق فرہاد، پھلباذ مغنی، اور خسرو پرویز کے مشہور گھوڑے شبدیز کی حکایتوں کی یاد تازہ ہوتی ہے۔[1] قصرِ شیرین کے قریب بلند پہاڑوں کی وہ دیوار ہے جہاں سے ایران کی سطح مرتفع شروع ہو جاتی ہے۔

حُلوان جو خراسان کی شاہراہ پر دوسرا پڑاؤ ہے، اور جو پہاڑوں کے درے میں داخل ہوتے ہی آتا ہے، اکثر عراق کا شہر سمجھا جاتا ہے۔ اس شہر کے حالات ہم کو آگے ملیں گے۔

شاہراہ خراسان کے جنوب میں خوزستان کی سرحد پر بَنْدَنِیجان اور بیاتُ کے دو بڑے شہر تھے۔ بَنْدَنِیجان اب نقشوں پر نہیں ملتا۔ یہ مقام بادرایا اور باکسایا کے علاقوں کا سب سے بڑا شہر تھا۔ باکسایا کا گاؤں اب بھی موجود ہے، اور ضرور ہے کہ اُسی کے قریب بَنْدَنِیجان واقع ہوگا۔ یہ دونوں علاقے نہرنہروان کے پار شمال مشرق میں تھے، اور اُن میں بہت سے زرخیز گاؤں شامل تھے۔ یاقوت کے بیان کے مطابق ان کا

---

[1] ابن رستہ ص ۱۶۴ + اصطخری ص ۱۰۷ + مقدسی ص ۱۲۱ + قزوینی ج ۲ + ص ۵ ۲۹ + یاقوت ج ۱ ص ۵۳۴ + ج ۲ ص ۱۰۷، ۲۹۳، ۵۷۳، ۸۱۲ + ج ۴ ص ۱۱۲ + مستوفی ص ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۹۳ +

صدر مقام بَنْدَ نیجان تھا، جو فارسی میں وَنْدَ نیگان کہلاتا تھا، اور مستوفی کہتا ہے کہ
اس کے زمانہ میں اُسے بَنْدَ نیگان کہتے تھے۔ یہ لحف (دامن کوہ) کے علاقہ میں تھا۔
جہاں کُردستان کے سلسلۂ کوہ کی نیچی پہاڑیاں پھیلی ہوئی تھی، دریا جو اس علاقے میں
بہتا تھا وہ اَرِوَجان سے آتا تھا۔ ابن خرداذبہ کے مطابق بندنیجان اور بَرازالرُّوز (۶۴)
دونوں ایک ہی شہر سمجھے جاتے تھے۔ بَیات کا ذکر جس کے کھنڈر اب بھی پائے جاتے ہیں مستوفی
نے کیا ہے، اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا دریا جس کا نکاس کردستان کے پہاڑوں سے
تھا، دِجلہ تک پہنچنے سے پہلے ہی ہموار زمین میں آکر غائب ہو جاتا تھا، اور گو اس کا
پانی کھاری تھا، لیکن بہت سی زمینیں اس کے پانی سے سیراب ہوتی تھیں۔ بَیات بظاہر
شہر اَلطیب معلوم ہوتا ہے، جس کا ذکر ابن حوقل نے کیا ہے، اور جہاں نہایت عمدہ پٹیاں
ارمنی پٹیوں کے شکل تیار ہوتی تھیں۔ عباسیوں کے زمانہ میں یہ شہر کسی قدر مشہور مقام تھا
اس کے کھنڈر بیات کے قریب ہی ملتے ہیں، یاقوت کہتا ہے کہ اس کے زمانہ میں طِیب
کے باشندے نبطی تھے، اس وقت تک اپنی آرمی بیان بولتے تھے، اور اپنے آپ کو حضرت
شیث کی اولاد بتلاتے تھے[1]

اب عراق کے اُن شہروں کا ذکر کیا جاتا ہے جو دریائے فُرات کے کنارے اور
فرات اور دجلہ کی درمیانی نہروں کے کناروں پر آباد تھے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے
اگر ایک سیدھا خط تکریت کے مقام پر دجلہ کے دریا سے مغرب کی طرف فرات تک کھینچا
جائے تو یہ خط دریائے فرات کو عانہ سے کچھ جنوب میں اس مقام پر قطع کرے گا
جہاں سے فرات یک دم مڑکر جنوب کے رخ سے بہنے لگتا ہے، اور یہی خط بقول مستوفی
جزیرہ اور عراق کے مابین ایک حد فاصل تصور کیا جا سکتا تھا۔ اسی خط کے جنوب سے بابل
کی زرعی زمین یعنے سَوَاد شروع ہوتا ہے، اور شمال میں شمالی میسوپوٹیمیا کا زیادہ کوہستانی
علاقہ شروع ہوتا ہے۔ اس علاقہ سَواد میں عانہ سے (۲۵) میل جنوب میں اَلحُدِیثہ

[1] ابن خرداذبہ ص ۶ + اصطخری ص ۹۴ + ابن حوقل ص ۱۷۶ + یاقوت ج ۱ ص ۲۳۰، ۴۵۹، ۷۷۴، ۸۵۴، ج ۳ ص ۵۶۶ + ج ۴ ص ۳۵۳ + مستوفی ص ۱۳۷، ۱۳۸، ۲۲۰ + بندنیجان کے علاقہ بادرایا اور مغربی بغداد کا جنوبی علاقہ بادوریا دونوں الگ الگ اضلاع ہیں، ان کو غلطی سے ایک نہ سمجھ لینا چاہیے۔

سب سے زیادہ شمالی شہر ہے۔ اس لفظ کے معنی "نئے شہر" کے ہیں۔ اور دریائے دجلہ
کے حدیثہ سے ممیز کرنے کے لئے اسے الحدیثۃ النورہ (کھریا مٹی والا نیا شہر)
کہتے تھے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اس شہر میں ایک مضبوط قلعہ تھا، جو دریائے فرات سے
گھرا ہوا تھا، اور یہ شہر اسلامی فتوحات کو زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ
کے عہد مبارک میں تعمیر کیا گیا تھا، مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ شہر جائے وقوع اور آب و ہوا کے
لحاظ سے بالکل تکریت کا مقابل اور ضد تھا۔ حدیثہ اور ہیت کے درمیان دریا
کے بہاؤ کی جانب اَلُوسَہ اور اَلنُّوسَہ کے دو شہر ایک دوسرے سے سات فرسخ کے
فاصلے پر واقع تھے ان میں سے اَلُوسَہ جسے یاقوت نے چھوٹا سا شہر بتایا ہے، اب بھی باقی
ہے۔ اسلامی فتوحات کی تاریخ میں ان دونوں شہروں کا اکثر ذکر آیا ہے؛ اس کے علاوہ
(٦٥) اَلنُّوسَہ ہیت کا ایک گاؤں شمار ہوتا تھا، اور ہیت کے گرد شہر پناہ تھی، اور ایک مضبوط
قلعہ بھی اس میں تھا، اس شہر کے نخلستان دور دور نزدیک مشہور تھے، اور وہ فرات کے مغربی کنارے
پہ آباد تھا۔ ابن حوقل نے ہیت کو بہت آباد بتایا ہے، اور مستوفی نے آٹھویں (چودھویں)
صدی میں بیس قریوں کا، جن میں جبّہ بھی شامل تھا، ذکر کیا ہے کہ وہ اس سے متعلق
تھے۔ گرم و سرد [جروم و صرود] دونوں قسم کے ملکوں کے پھل یہاں بکثرت ہوتے
تھے۔ اخروٹ، کھجور، نارنگیاں، اور شفتالو بہت پیدا ہوتے تھے۔ لیکن نفط کے چشموں کی
قرب کی وجہ سے بدبو اسقدر تھی کہ اس شہر میں رہنا مشکل تھا۔

اسلامی فتح کے وقت مشہور خندق سابور (ثانی) موجود تھی۔ یہ خندق چوتھی صدی
عیسوی میں شاہپور ثانی نے، جسے عرب سابور ذوالاکتاف کہتے تھے، کھدوائی
تھی۔ یہ ہیت سے شروع ہو کر اُبُلّہ (یعنی بعد کے شہر کا بصرہ) تک پہنچتی تھی، اور خلیج فارس
سے جا ملتی تھی۔ شروع میں اس میں پانی بھرا رہتا تھا، کیونکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ جنوبی
میسوپوٹیمیا کی زرخیز زمینوں کو ریگستان کے قبائل سے محفوظ رکھا جائے، اس وقت
بھی ایک حد تک اس خندق کے خشک گذرگاہ کی نشان دہی کی جا سکتی ہے۔ عَیْنُ التَّمر
(کھجوروں والا چشمہ) ریگستان میں ہیت کی جنوب کی طرف واقع تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے
کہ یہ ایک چھوٹا سا قلعہ تھا، اور ایک ندی یہاں سے نکل کر ہیت کے جنوب میں بہتی ہوئی
دریائے فرات میں مل جاتی تھی؛ اس علاقے سے کھجوریں اور گنے فروخت کے لئے باہر

بھیجے جاتے تھے۔ خاص کر گنے قریب کے ایک شہر شفاثا سے بہت بھیجے جاتے تھے۔ لیکن عین التمر اور شفاثا دونوں شہروں کے صحیح جاء وقوع حال معلوم نہیں ہے[1]

ھِیت سے بارہ فرسخ جنوب میں الرَبّ کا گاؤں تھا۔ یہ مقام وہ تھا جہاں سے چوتھی (دسویں) صدی سے بھی قبل دُجیل کی (پرانی) نہر دریائے فرات سے نکلتی تھی، یہ نہر شرق کی طرف چلکر مسکِن اور قطربُل کے علاقوں کو سیراب کرنے کے بعد مغربی بغداد کی شمالی بستیوں میں پہنچتی تھی۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ (پرانی) دُجیل کا یہ مغربی حصہ جلد مٹی سے اٹ گیا۔ چنانچہ جب ۳۴۰ھ (۹۵۱ء) میں اصطخری نے اپنی کتاب لکھی ہے تو دُجیل کی ندی دِجلہ سے اس مقام سے پانی لیتی تھی جو قادِسیہ کے سامنے تھا، اس کا ذکر ہم علاقہ مِسکن کے بیان میں کر چکے ہیں۔ الانبار (غلے کا گنج) فرات کے مغربی کنارے پر تھا اور عباسی عہد میں عراق کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ یہ اسلامی فتوحات سے پہلے کا شہر تھا، اور ایرانی اسے فیروز سابور (یا فیروز سابور۔ یونانی پری سابور) کہتے تھے، کیونکہ اس کا بانی شاپور تھا[2] عربوں کے زمانہ میں فیروز سابور کے نام کا اطلاق (۶۶)
گرد و نواح کے علاقے پر ہونے لگا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کا نام الانبار (غلے کا گنج) اس وجہ سے پڑ گیا تھا کہ قدیم ایرانی بادشاہوں نے یہاں اپنی فوج کے لئے گیہوں، جوار اور بھوسے کا ذخیرہ جمع کیا تھا۔ عباسیوں کے پہلے خلیفہ سفاح نے انبار کو کچھ مدت کے لئے اپنا دارالخلافہ بنایا تھا، اور اوس نے یہیں اپنے تعمیر کردہ محل میں وفات پائی تھی۔ اس کا بھائی منصور بھی چند روز یہیں رہا تھا؛ اور اس کے بعد جب عباسیوں کا نیا دارالخلافہ بغداد تعمیر ہونے لگا تو وہ وہاں جا رہا۔ مستوفی نے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب یہودیوں کو بنو کند زبیت المقدس سے قید کر کے بابل لایا تھا، تو اہیں انبار ہی میں نظر بند کیا گیا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں اس کے بیان کے مطابق شہر کی فصیل کا دور (۵۰۰۰) قدم تھا۔

لہ۔ ابن سراپیون ص ۱۰، ۱۳ + ابن رستہ ص ۱۰۷ + قدامہ ص ۲۱۷ + بلاذری ص ۹، ۱۷ + اصطخری ص ۷۷ + ابن حوقل ص ۱۵۰ + مقدسی ص ۱۱۷، ۱۲۳، ۱۳۵ + یاقوت ج ۱ ص ۲۵۲ + ج ۱ ص ۲۲۳ - ج ۳ ص ۵۹، ج ۴ ص ۲۱۱، ۔ و مستوفی ص ۱۳۴، ۱۴۱ +

ٹہ سابور فارسی شاہ پور کا معرب ہے۔ یونانی اسے ساپور (Sapor) کہتے تھے۔

شہر انبار کی اہمیت اس میں مضمر تھی کہ فرات سے دجلہ کی طرف جو نہریں نکلتی
تھیں ان میں سب سے پہلی اور سب سے بڑی نہر کے کنارے وہ واقع تھا، اور اس نہر میں
کشتیاں اور جہاز چل سکتے تھے۔ یہ نہر مغربی بغداد کے شہر مُلَوَّد کے جنوب میں بندرگاہ
(الفرضہ) میں داخل ہوتی تھی، اس نہر کا نام نہر عیسےٰ تھا۔ عیسےٰ جس کے نام پر یہ نہر موسوم
ہوئی، وہ یا تو خلیفہ منصور عباسی کا بھتیجا عیسےٰ بن موسےٰ تھا۔ اور یا اس خلیفہ کا چچا عیسےٰ بن
علی۔ یہ آخری نام زیادہ قابل وثوق سمجھا جاتا ہے۔ بہرکیف خاندان خلفاء کے کسی رکن عیسےٰ
نامی نے اس نہر کو اپنا نام بھی دیا تھا، اور اس کو دوبارہ کھدوا کر اتنا وسیع کر دیا تھا
کہ کشتیاں اور جہاز اس کے ذریعہ فرات سے بغداد آ سکیں۔ انبار سے ذرا ہی جنوب میں
جب یہ نہر فرات سے نکل کر انبار سے کچھ آگے بڑھتی تھی تو وہاں ایک عالی شان پل اس پر
بنا ہوا تھا، جسے قنطرہ دِمَمّا کہتے تھے، کیونکہ اس کے قریب الفَلّوجَہ کے گاؤں
کے پاس دریائے فرات کے کنارے پر دَمَمّا کا قریہ تھا۔ نہر عیسےٰ فیروز سابور کے بہت
سے قریوں اور کھیتوں میں سے ہوتی ہوئی آخر کار شہر مُحَوَّل تک پہنچتی تھی، جو مغربی
بغداد کی بیرونی شہر آبادیوں سے ایک فرسخ کے فاصلے سے واقع تھا۔ اس شہر تک پہنچنے
سے کچھ پہلے نہر عیسیٰ کے بائیں جانب سے نہر صَرَاۃ نکلتی تھی، اور یہ نہر مغربی
بغداد کے شمال میں قَطَرَبُّل اور جنوب بادُورَیا کے علاقوں میں حد فاصل تھی۔ نہر
صَرَاۃ جس کا خم ار گذرگاہ نہر عیسیٰ کے گذرگاہ سے تقریباً متوازی تھا، شہر مدینہ
(۶۷) کے باب بصرہ سے ذرا جنوب میں دریائے دجلہ سے مل جاتی تھی، چنانچہ انہی دو نو
نہروں سے، باستثناء ایسی چند نہروں کے جو نہر دُجَیل سے متعلق تھیں مغربی
بغداد کی تمام نہریں اپنا پانی حاصل کرتی تھیں۔

المُحَوَّل کے لغوی معنے اس مقام کے ہیں جہاں اسباب اُتارا جائے۔ اس شہر
کو یہ نام اس لئے دیا گیا تھا کہ یہاں دریائے فرات کے شہروں سے بغداد جانے
والی کشتیاں اپنا اسباب اتار کر دوسری چھوٹی کشتیوں پر منتقل کرتی تھیں۔ یہ کشتیاں
بہت چھوٹی ہوتی تھیں تاکہ ان بے شمار پلوں کے نیچے سے گذر سکیں جو مُحَوَّل کے
جنوب میں نہر عیسیٰ کے اس حصے پر بنے ہوئے تھے جو بیرون شہر بغداد کرخ
کی بستی میں سے گذرتا تھا۔ مُحَوَّل بہت اچھا شہر تھا۔ وہاں کے بازار اور باغ مشہور تھے

آٹھویں (چودھویں) صدی تک اس میں چند عالی شان عمارتیں موجود تھیں، جن میں مستوفی نے خلیفہ معتصم کے بنائے ہوئے ایک محل کو بھی شمار کیا ہے۔ یہ محل ایک ٹیلے کی چوٹی پر واقع تھا، اور ایک زبردست سحری عمل کے ذریعے اسے مچھروں سے بالکل محفوظ کر دیا گیا تھا۔ آج کل مُحَوّل کی اصلی جائے وقوع کا پتہ نہیں چلتا، لیکن وہ یقیناً اس قدیم بابل والے ٹیلے (تل بابل) کے شمال شرق میں واقع ہوگا، جسے عرب عقر قوف کہتے ہیں، اور جس کا ذکر عربی جغرافیوں میں بھی آتا ہے۔ مستوفی نے اس ٹیلے کو نمرود کی حکایات سے متعلق کر دیا ہے۔ نمرود وہ ظالم بادشاہ تھا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈلوا دیا تھا۔[1]

دِمّما کے گاؤں سے تین فرسخ جنوب میں اُن نہروں میں سے جو دجلہ و فرات کو ملاتی تھیں دوسری نہر صرصر تھی جو فرات سے نکل کر مدائن سے چار فرسخ شمال میں دجلہ سے جا ملتی تھی۔ یہ نہر اپنے جنوبی راستے میں بادوریا کے علاقے سے گذرتی تھی، جو مغربی بغداد کے جنوب میں واقع تھا۔ ابن سراپیون نے ذکر کیا ہے کہ اس کے کنارے کنارے بے شمار رہٹ (دالیہ) اور ڈھیکلیاں (شادوف) کھیتوں کو سینچنے کے لئے لگی ہوئی تھیں۔ یہاں سے ذرا شمال میں زَرِیران کے قریب یہ نہر دجلہ میں گرتی تھی، اور ساسانیوں کے قصر ابیض کے قریب ہی صرصر کا آباد و معمور شہر تھا۔ یہاں کشتیوں کا ایک پل تھا، جس پر سے کوفہ کی سڑک گذرتی تھی۔ شہر صرصر مغربی بغداد کی بیرونی جنوبی بستی کرخ سے صرف دو فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ نہر صرصر میں سے کشتیاں گذر سکتی تھیں، اور شہر صرصر کھجور کے

[1] ابن سراپیون ص ۱۰، ۱۴ + ابن خرداذبہ ص ۷، ۲۷، ۴۷ + قدامہ ص ۲۱۷ + اصطخری ص ۷۷ + ابن حوقل ص ۵۵، ۱۶۶ + مقدسی ص ۱۲۳، ۱۳۴ + یاقوت ج ۱ ص ۲۶۴ + ج ۲ ص ۶۰۰ + ج ۳ ص ۶۹۷ + ج ۴ ص ۳۲۴ + مستوفی ص ۱۳۶، ۱۴۳، ۱۴۰، ۱۴۱ + نہر عیسیٰ اور نہر صرصر کے زیرین گذرگاہ کا تعلق بغداد کے بلدی حالات سے ہے، اور اس شہر کے متعلق ایک مستقل کتاب شائع کی جاچکی ہے۔ انبار کا جائے وقوع بظاہر وہی معلوم ہوتا ہے جہاں آج کل سفیرہ کے کھنڈر ہیں، یا غالباً وہ کھنڈر جو اس گاؤں کے قریب ہیں، اور جن کا نقشہ مسٹر جے پی پیٹرس (J. P. Peters) نے نیپور (Nippur) جلد اول صفحہ ۱۷۷ پر دیا ہے۔

درختوں کے ایک گھنے جنگل میں واقع تھا۔ مقدسی نے عمارات کی طرز کے لحاظ سے اسے فلسطین کے شہروں سے تشبیہ دی ہے۔ صرصر آٹھویں (چودھویں) صدی تک، جب کہ تیمور نے بغداد فتح کرکے گرد و نواح کے علاقے میں اپنی فوج پھیلائی ہے، ایک بڑا شہر سمجھا جاتا تھا۔ (۶۸)

دجلہ اور فرات کو ملانے والی تیسری نہر نہرالملک تھی، جو نہر صرصر کے سرے سے پانچ فرسخ جنوب میں الفلوجہ[1] کے گاؤں سے شروع ہوتی تھی، اور مدائن سے تین فرسخ جنوب میں دجلہ سے آملتی تھی۔ یہ "شاہی نہر" بہت قدیم تھی، اور یونانی اسے نہر ملکا (Malcha) کہتے تھے۔ یاقوت نے بیان کیا ہے کہ عام روایت یہ تھی کہ اسے یا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کھدوایا تھا اور یا سکندر اعظم نے۔ اس کے کنارے پر نہرالملک کا شہر تھا؛ یہاں کشتیوں کا پل تھا، جس پر سے کوفہ کی سڑک گذرتی تھی۔ یہ پل شہر صرصر سے سات میل جنوب میں تھا۔ ابن حوقل راوی ہے کہ شہر الملک وسعت کے لحاظ سے شہر صرصر سے ڈیوڑھا تھا، اور اوس کے مزروعات اور نخلستان مشہور تھے۔ مستوفی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ (۳۰۰) سے کچھ زیادہ قریے اس علاقہ میں شامل تھے۔

دجلہ اور فرات کو ملانے والی نہروں میں ایک چوتھی نہر کوثا تھی۔ یہ بھی دریائے فرات سے نکلتی تھی؛ اس کا منبع نہرالملک کے منبع سے تین فرسخ جنوب میں اور دجلہ سے اس کا مقام اتصال مدائن سے دس فرسخ جنوب میں تھا۔ نہر کوثا اسی نام کے علاقے کو سیراب کرتی تھی، علاقہ کوثا کا ایک دوسرا نام سب سے پہلی ساسانی بادشاہ کے نام پر علاقہ "اردشیر بابکان" بھی تھا، اگرچہ اس علاقے کا ایک حصہ نہر جوبر سے

[1] یہ وہی گاؤں ہے جسے سیزر فریڈرک اور ملکہ ایلزبتھ کے عہد کے دوسرے سیاح فلوچیا (Feluchia) یا فلوجیا (Felugia) (Feluge) لکھتے ہیں۔ جہاں سے یہ لوگ براہ فرات آتے ہوئے خشکی کے راستے بغداد جاتے تھے۔ اس کا ذکر حسب ذیل کتاب میں ملے گا۔

Hakluyt, Principal Navigation

(گلاسگو ۱۹۰۴) ج ۵۔ ص ۳۶۷، ۴۵۵؛ ج ۶۔ ص ۴۔

جو کُوثَا کی ایک شاخ تھی، متعلق سمجھا جاتا تھا + کُوثَا رَبَا کا ایک شہر جہاں کشتیوں کا ایک پل بھی تھا، نہر کوثا کے کنارے واقع تھا، اور اوسے توریت کا شہر کُوثہ سمجھا جاتا ہے، جس کا ذکر دوسری کتاب سلاطین کے باب (۱۷)، ورس (۲۴) میں ہوا ہے، اور بابل کے نواح میں بڑا شہر سمجھا گیا ہے۔ اسلامی روایات کے مطابق کوثا وہ مقام تھا جہاں نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تھا، اور ان ہی روایات کے مطابق اس شہر کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دادا کے نام کوثا پر رکھا گیا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے بیان کیا ہے کہ کُوثا دو بستیوں پر مشتمل تھا، ایک کُوثا الطریق (راستہ والا کوثا) اور دوسرا کُوثَا رَبَا۔ ان میں سے کُوثَا رَبَا، ابن حوقل کے مطابق بابل سے بڑا تھا۔ ابن حوقل ہی کا (۷۹) بیان ہے کہ اس کے قریب راکھ کے بڑے بڑے ٹیلے تھے، جن کو نمرود کے آتشدان کا مقام سمجھا جاتا تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ شاہراہ کے قریب ایک قدیم منارہ دکھائی دیتا ہے، جس کے متعلق طرح طرح کے حکایات مشہور تھیں، جغرافیہ نویسوں کے بیانات کے مطابق کوثا کا شہر جس کی جائے وقوع آج کل غالباً تَلِّ اِبرَاهِیم (ابراہیم کا ٹیلا) کے نام سے نقشوں پر ظاہر کی جاتی ہے، شہر نهر الملك سے چار میل کے فاصلے پر واقع تھا۔

نہر کوثا سے چند میل شمال کی طرف اَلفرَاشَہ کا بڑا گاؤں تھا، یہ مقام اس شاہراہ پر بغداد اور حِلّہ کے وسط میں ایک منزل تھا، جہاں چھٹی (بارھویں) صدی میں کوفہ کو ویک جانے والے قیام کرتے تھے۔ ابن جُبَیر جو ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں یہاں آیا تھا، بیان کرتا ہے کہ یہ گاؤں بڑا سرسبز و شاداب تھا، مسافروں کے لئے ایک بڑی سرائے یہاں موجود تھی، اور اوس کی حفاظت کے لئے ایک فصیل مع برجوں کے تعمیر کی گئی تھی۔ مستوفی نے فراشہ کا ذکر کیا ہے اور اوسے شہر صَرصَر سے سات فرسخ جنوب میں بتایا ہے [1]۔

---

[1] ابن سراپیون ص ۱۵ + ابن رُستہ ص ۱۸۲ + اصطخری ص ۸۵، ۸۶ + ابن حوقل ص ۱۶۶، ۱۶۸ + مقدسی ص ۱۲۱ + ابن جبیر ص ۲۱۷ + یاقوت ج ۱ ص ۲۶۸ + ج ۴ ص ۳۱۷، ۳۸۷ + مراصد ج ۲ ص ۳۳۶ + مستوفی ص ۱۴۱، ۱۹۳ + نہر عیسے کا کم و بیش بظاہر وہی گذرگاہ معلوم ہوتی ہے جو موجودہ نہر سَقلَوِیَہ کی ہے، اور نہر صرصر کی گذرگاہ بظاہر وہی ہے جو نہر ابوغریب کی گذرگاہ ہے، نہر الملک بظاہر نهر رضوانیہ ہے، اور نہر کوثا وہی ہے جسے موجودہ نقشے میں جبلی ابراهیلر (ابراہیم کی نہر) کہا جاتا ہے۔ مگر یہ تمام قیاسات ہیں کیونکہ قدرتی طور پر عہد عباسیہ کے بعد ہزار سال کے اندر سواد کی مزروعہ زمین کی شکل و صورت بالکل بدل چکی ہے۔

باب پنجم

عراق (جاری)

دریائے فرات کی دو شاخوں میں تقسیم۔ نہر سُورا۔ قصر ابن ھُبَیرہ۔ نیل اور اوس کی نہر۔ نہر نرس۔ نہر بدٰاة اور پوم ریں بِتیا۔ رود کوفہ۔ شہر کوفہ۔ قادسیہ مشہد علیؑ اور کربلا۔ عراق کے بارہ اُستان۔ عراق کی بڑی سڑکیں۔ (۸۰)

چوتھی (دسویں) صدی میں دریائے فرات اُس مقام سے جہاں نہر کُوثا اس میں سے نکلتی ہے۔ چھ فرسخ کے فاصلے پر دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتا تھا، داہنے ہاتھ والی مغربی شاخ، جو اوس وقت دریا، فرات کا اصلی دھارا سمجھی جاتی ہے کوفہ کے پاس سے گذرتی تھی، اور وہاں سے آگے چل کر مرداب تک آتی تھی۔ بائیں ہاتھ والی مشرقی شاخ وہ ہے جو آج کل دریا کا خاص دھارا ہی اسی شاخ کو ابن سراپیون اور دوسرے عرب جغرافیہ نویس نہر سُورا یا السُورَان لکھتے ہیں۔ یہ شاخ بہت سے نالوں اور ندیوں کے رستے اپنا پانی مرداب اعظم میں شامل کر دیتی ہے۔ نہر سُورا (یعنے موجودہ دریائے فرات) کے متعلق اسی زمانہ میں ابن سراپیون نے لکھا ہے کہ وہ کوفہ والی شاخ سے بڑی اور زیادہ چوڑی ہے۔ نہر سُورا کا شمالی حصہ اُس مقام سے جہاں سے فرات کی دو شاخیں ہوتی تھیں، سُورا، بَربِیسما، اور بارُوسما کے تین چھوٹے علاقوں کو سیراب کرتا تھا۔ اور یہ تینوں علاقے بہ قُباذ کے علاقے کے وسطی حصے تھے۔ پھر جنوب کی جانب فرات کا راستہ قصر ابن ھُبَیرہ کے شہر کے مغرب میں دو میل کے فاصلے سے گذرتا تھا؛ اور یہاں اس پر جسر سُورا یا سُورَان نام کا کشتیوں کا ایک پل تھا۔ اس پل سے ہوتی ہوئی حاجیوں کی سڑک قصر ابن ھُبَیرہ سے کوفہ جاتی تھی۔

قصر ابن ھُبَیرَہ کا نام جسے مختصراً القصر کہتے ہیں، اُس کے بانی ابن ھُبَیرَہ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہ شخص بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان کے عہد میں عراق کا حاکم تھا۔ ابن ھُبَیرَہ کی زندگی میں اس قصر کی تعمیر پوری نہیں ہوسکی۔ بنی امیہ کی بربادی کے بعد عباسیوں کے پہلے خلیفہ ابو العباس سفاح نے یہاں سکونت اختیار کی، اور اس عمارت کی تکمیل کر کے اپنے جد اعلیٰ ہاشم کے نام پر اس کا نام ھاشِمیَہ رکھا تھا۔ لیکن پھر بھی جو شہر بہت جلد اس قصر کے گرد آباد ہوا وہ اموی عہد کے حاکم عراق ابن ھُبَیرَہ ہی کے نام سے مشہور رہا۔ اور اگرچہ بغداد کی تعمیر سے قبل خلیفہ منصور عباسی نے کچھ مدت کے لئے اس شہر میں قیام کیا، لیکن بہرکیف یہ مقام عام طور پر قصر ابن ھُبَیرَہ ہی کہلاتا رہا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں قصر ابن ھُبَیرَہ بغداد اور کوفہ کے درمیان سب سے بڑا شہر تھا، اور وہ نہر سُورا سے نکلی ہوئی ایک چھوٹی سی نہر پر جو پھر نہر سُورا سے مل جاتی تھی، اور نہر ابو رحا (چکی کی نہر) کہلاتی تھی، واقع تھا۔ یہ شہر بے انتہا آباد تھا اور اوس میں بڑے خوبصورت بازار تھے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں یہودی بھی بہت سے رہتے تھے، اور جامع مسجد بازار میں واقع تھی، لیکن چھٹی (بارھویں) صدی کے آغاز تک اس کا تنزل شروع ہوگیا تھا، نئے شہر حِلّہ کی روز افزوں ترقی اس کے زوال کا باعث ہوئی تھی، آج کل تو کوئی اتنا بھی نہیں جانتا کہ قصر ابن ھُبیرہ کہاں واقع تھا، گو اس میں شبہ نہیں کہ قدیم بابل والے بڑے بڑے ٹیلوں سے چند میل شمال میں جو کھنڈر پھیلے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک کھنڈر قصر ابن ھُبَیرَہ کے نشانات بتاتا ہے۔

حِلّہ کا قدیم شہر بابل کے آثار سے ذرا جنوب میں دریائے فرات کی اس شاخ پر واقع تھا جسے چوتھی (دسویں) صدی میں نہر سُورا کہتے تھے۔ حِلّہ کا نام اُس زمانہ میں الجامِعین (یعنے دو جامع مسجدیں) تھا، اور شہر کا بڑا حصہ دریا کے مشرقی کنارے پر واقع تھا۔ یہاں کی آبادی بہت زیادہ تھی، اور زمینیں سیر حاصل اور زرخیز تھیں۔ اس کے بعد تقریباً ۴۹۵ھ (۱۱۰۲ء) بنی مزید کے سردار سیف الدولہ نے جامعین کے بالمقابل دائیں کنارے پر الحِلّہ (لغوی معنے بستی) آباد کیا۔ یہ شہر بہت جلدی ترقی کرتا چلا گیا۔ چنانچہ اس کی کشتیوں کے پل پر سے حاجیوں کی وہ سڑک جو بغداد سے کوفہ کو جاتی تھی فرات کو عبور کرنے لگی، اور وہ پہلی سڑک جو قصر ابن ھُبیرہ کے پاس اپنے اور

جسْر سُورَا پر سے گزرتی تھی شاہراہ نہ رہی + چھٹی (بارھویں) میں ہی فرات کی سُورَا والی شاخ فرات کا اصلی دھارا سمجھی جانے لگی، اور آج کل بھی سمجھی جاتی ہے۔ پھر نہرِ سُورا کا نام بھی بالکل متروک ہوگیا۔ ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں ابن جُبَیر اندلسی نے حِلّہ کے مقام پر کشتیوں کے ایک بڑے پل کے ذریعے سے جو دونوں طرف آہنی
(۴۲) زنجیروں سے بندھا ہوا تھا" دریائے فرات کو عبور کیا تھا۔ حِلّہ اُس زمانہ میں دریائے فرات کے مغربی کنارے پر پھیلا چلا گیا تھا۔ ابن جُبَیر کے بعد آٹھویں (چودھویں) صدی میں ابن بطوطہ نے حِلّہ کا سفر کیا، اوس نے وہاں کے کشتیوں کی پل کا حال بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ اوس پل کے دونوں طرف کی آہنی زنجیریں دریائے دونوں کناروں پر بڑے بڑے بھاری کھمبوں میں بندھی ہوئی تھیں۔ ابن بطوطہ نے اس شہر کے بازاروں کی بھی تعریف کی ہے، اور اس کے بیانات کی تصدیق اُس کے ہم عصر مستوفی سے بھی ہوتی ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں حِلّہ کی آبادی فرات کی مشرقی اور مغربی دونوں کناروں پر پھیلنی شروع ہوگئی تھی۔ شہر کے چاروں طرف نخلستان تھے، ان کی وجہ سے یہاں کی آب و ہوا مرطوب تھی۔ مستوفی یہ بھی لکھا ہے کہ حِلّہ کی تمام آبادی غالی شیعوں کی تھی، چنانچہ یہاں اُن کا ایک مقام (زیارت گاہ) بھی تھا، اور اس کے متعلق اُن کا خیال تھا کہ امام منتظر جو ۲۶۴ھ (۸۷۸ء) میں سامَرّا میں غائب ہوئے تھے وہ ایک وقت میں مہدی بن کر یہیں سے ظاہر ہوں گے اور تمام دنیا کو اپنے عقائد کی دعوت دیں گے[لہ] (دیکھو صفحہ ۵۶)۔

چوتھی (دسویں) صدی میں ابن سراپیون نے جو حالات نہرِ سُورا کے لکھے ہیں اب پھر ہم ان کی طرف عود کرتے ہیں۔ یہ نہر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، بابل کے عظیم الشان ویرانوں کے مغرب سے گذرتی تھی۔ مقدسی لکھتا ہے کہ اس کے زمانے میں ان کھنڈروں میں کشتیوں کے پل کے قریب ایک گاؤں آباد تھا۔ مستوفی نے اُن بڑے بڑے جادوگروں کا حال نہایت تفصیل سے لکھا ہے جو بابل میں گذرے تھے، اور اوس نے پہاڑ کی

لہ۔ ابن سراپیون ص ۱۰، ۱۶؛ یعقوبی ص ۳۰۹ + اصطخری ص ۸۵، ۸۶ + ابن حوقل ص ۱۶۶، ۱۶۸ + مقدسی ص ۱۲۱ یاقوت ج ۲ ص ۳۲۲ + ج ۳ ص ۸۶۱ + ج ۴ ص ۱۲۳ + ابن جبیر ص ۲۱۲ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۹۷ + مستوفی ص ۱۳۰ +

چوٹی پر اُس کنویں کا حال بھی لکھا ہے جس میں روایت کے مطابق دو فرشتے ہاروت و ماروت قیامت تک کے لئے قید ہیں۔

بابل کے شمال میں فرات سے دجلہ کو جانے والی نہر نہر سُورا سے نکلتی تھی۔ یہ نہر آج کل شط النیل (نیل کی نہر) کہلاتی تھی۔ لیکن ابن سراپیون نے اس نہر کے اُن حصے کو جو فرات اور شہر نیل کے درمیان پڑتا ہے صراۃ اعظم لکھا ہے یہ صراۃ کا نام وہی ہے جس سے مغربی بغداد کی ایک اس سے بھی زیادہ مشہور نہر موسوم تھی (دیکھو صفحہ ۶۶) اپنے منبع سے مشرق کی طرف چل کر صراۃ اعظم بہت سے زرخیز قریوں کے پاس سے گذرتی تھی، اور راستے میں اپنے بیشمار شاخیں اِدھر اُدھر چھوڑتی جاتی تھی۔ نیل کے شہر تک پہنچنے سے پہلے اُس سے ایک نہر جس کا نام صراۃ جاماسپ ہے، بائیں جانب سے نکل کر نیل کے مشرق میں پھر اصلی نہر سے آملتی تھی۔ اس شاخ کو خلافت اموی کے مشہور حاکم عراق حجّاج بن یوسُف نے دوبارہ کھدوایا تھا، لیکن اس کا نام زردشتیوں کے مشہور موبد جاماسپ کے نام پر تھا جس نے ایران میں شاہ گشتاسپ کو زردشتی مذہب پھیلانے (۷۳)
میں بہت مدد دی تھی۔ نیل کا شہر بھی حجاج کا بسایا ہوا تھا، یہ شہر بہت جلد اس علاقے کا صدر مقام ہو گیا، اور اُس کے کھنڈر اب بھی نیلیہ کے نام سے نقشے پر ظاہر کئے جاتے ہیں نہر نیل کا نام مصر کے دریائے نیل پر رکھا گیا تھا، کیونکہ اس نہر کو دیکھ کر مصر کا دریا یاد آتا تھا۔ شہر نیل کے بالمقابل اصل نہر پر ایک پختہ پل تھا، جو قنطرۃ المآسی کہلاتا تھا۔ ابو الفداء کے زمانہ میں نہر کا وہ حصہ بھی جو شہر کے مغرب میں واقع تھا جسے ابن سراپیون نے صراۃ اعظم لکھا ہے، نہر النیل کہلاتا تھا۔ لیکن ابن سراپیون نے یہ نام نہر کے صرف اوس حصے کو دیا ہے جو شہر نیل کے مشرق میں تھا۔

بہرحال یہ حصہ آگے بڑھ کر گرد و نواح کے علاقوں کو سیراب کرتا ہوا دجلہ کے قریب نُعمَانیہ کے بالمقابل (دیکھو صفحہ ۳۷) الھَول (جھیل) ایک مقام پر پہنچ جاتا تھا اور یہاں اوس کی ایک شاخ جو بالائی زاب کی نہر کہلاتی تھی، براہ راست دریائے دجلہ سے جاملتی تھی۔ نہر نیل کا اصلی رہگذر یہاں سے جنوب کی طرف پھر کر کچھ فاصلے تک دریائے دجلہ کے متوازی گیا تھا، حتیٰ کہ نہر سابُس کے شہر سے ایک فرسنخ جنوب میں وہ ایک مقام پر پہنچتا تھا، جو واسط سے شمال کی طرف ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔ یہاں

نہر کا پانی غالباً ایک حد تک زیرین زاب کی نہر کے ذریعے سے دریائے دجلہ میں گر جاتا تھا۔ یہ بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ النھروان (جھیل) کے جنوب میں نہر نیل کا آخری حصہ نہر سابس کہلاتا تھا، اور اسی نام کا ایک شہر دریائے دجلہ کے دائیں کنارے آباد تھا جس کا ذکر اس سے قبل بھی ہو چکا ہے (دیکھو صفحہ ۳۴)۔ ان نہروں کے نام مختلف عہدوں میں بدلتے رہتے تھے۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت کہتا ہے کہ شہر نیل سے لیکر نعمانیہ تک کی تمام نہر بالائی زاب کی نہر کہلاتی تھی اور جس زیرین زاب کی نہر کا ذکر اُس نے کیا ہے وہ بظاہر وہی معلوم ہوتی ہے جسے ابن سراپیون نے نہر سابس لکھا ہے۔ بہرحال یہ دونوں نہریں ساتویں (تیرھویں) صدی میں بہت کچھ شکستہ ہو چکی تھیں، گو اس پر بھی اُن کے دونوں جانب زرخیز زمینیں موجود تھیں۔

دریائے فرات کے کنارے قدیم شہر بابل کے کھنڈر تھے؛ ان کے ذرا جنوب میں نہر سورا کو عبور کرنے کے لئے ایک پختہ پل بنا ہوا تھا جسے قنطرۃ القامغان کہتے تھے، اور ابن سراپیون کا بیان ہے کہ "اس پل کے نیچے سے نہر کا پانی بڑے زور و شور سے بہتا تھا"۔ اس پل سے چھ فرسخ جنوب میں جامعان کے قریب، جو بعد میں حلّہ کہلانے لگا تھا، نہر سورا کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں؛ داہنے ہاتھ والی شاخ جامعان کے پاس سے جنوب کی طرف جاتی تھی، اور بائیں جانب کی شاخ، جو نہر النرس کہلاتی تھی، جنوب مشرق کی طرف مڑ کر حمام عمر اور دوسرے قریوں کو سیراب کرتی ہوئی آخر کار نفّر کے شہر تک پہنچتی تھی۔ اس نہر کا نام ایک قدیم ایرانی بادشاہ نرس (یا نرسیس) کے نام پر تھا۔ نرس ۲۹۲ء میں تخت پر بیٹھا تھا، اور اوسی نے یہ نہر کھدوائی تھی۔ جنوب کی طرف کچھ اور (۴۷
فاصلہ طے کر لینے کے بعد نہر نرس اور نہر سورا دونوں اپنا پانی نہر بدات میں گرا دیتی تھیں اور یہ نہر بطائح (مرداب اعظم) کے شمالی سرحد سے ملی ہوئی تھی۔ نہر بدات (یا بدات) شہر کوفہ سے سمت شمال میں ایک مقام سے جو کوفہ سے ایک دن کی مسافت پر تھا، اور جو غالباً شہر قنطرۃ الکوفہ سے قریب تھا پانی کے نکاس کے لئے دریائے فرات سے نکالی گئی تھی۔ یہ شہر القناطر (پلوں والا شہر) بھی کہلاتا تھا، اور بلاشبہ یہیں سے بڑی شاہ راہ بدات کو عبور کرتی ہوگی۔ قناطر نہر سورا کے کشتیوں والے بڑے پل سے ستائیس میل جنوب میں، اور کوفہ سے اٹھائیس میل شمال میں واقع تھا۔

یہ شہر یا تو غالباً وہی مقام تھا جو عبرانی میں پمحوبدیتا (فم البدات) کہلاتا تھا، اور یا ممکن ہے کہ اُس کے قریب ہو۔ پمحوبدیتا وہی مقام ہے جس کا ذکر چھٹی (بارھویں) صدی میں تطیلہ (Tudela) کے بنجمن نے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ بابل کے علاقے میں یہودیوں کے علم ادب کا بڑا مرکز تھا۔ نہر بدات پچاس میل چلنے اور اپنی بائیں جانب نہر سورا اور نہر نرس کے زیریں حصوں کے پانی کو لینے کے بعد آخر کار نفّر کے شہر کے قریب بطائح (مرداب اعظم) میں گر جاتی تھی [۱]۔

وہ علاقہ جو زیریں [۲] فرات کی دو شاخوں کے درمیان واقع تھا، اور جن کے مشرق میں نہر سورا اور مغرب میں دریا کا اصلی دھارا تھا بالائی اور زیریں فلوجہ کے علاقے کہلاتے تھے۔ ان کے جنوب میں فرات کا اصلی دھارا القنطرہ کے شہر کے پاس سے گزرتا تھا، اور یہیں سے نہر بدات کوفہ کے شہر کو جاتی تھی۔ کوفہ دریائے فرات کے مغربی کنارے پر کشتیوں کے پل کے بالمقابل آباد تھا، اور اسی کے جنوب میں دریائے فرات کا پانی متفرق ندیوں میں تقسیم ہوتا ہوا آخر کار بطائح (مرداب اعظم) میں گرتا تھا، قدامہ اور مسعودی نے دریا کی اس قدیم تر شاخ کو نہر علقمی لکھا ہے اور بظاہر یہ نہر وہی معلوم ہوتی ہے جو آج کل نہر ہندیہ کہلاتی ہے۔ یہ نہر مسیّب کے جنوب میں موجودہ فرات سے نکلتی ہے اور کوفہ کے کھنڈروں کے پاس سے ہوتی ہوئی ان دلدلوں میں سے چکر لگا کر جو عہد عباسیہ کے مرداب اعظم کا ایک حصہ تھیں، پھر فرات کے موجودہ اصلی دھارے سے آملتی ہے۔

کوفہ کا شہر میسوپوٹیمیا کی اسلامی فتح کے بعد بصرہ کے ساتھ ساتھ ۱۷ھ (۶۳۸ء) (۷۵)
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں بسایا گیا تھا۔ اس شہر کو بسانے کا مقصد یہ تھا کہ

---

[۱] ابن سراپیون ص ۱۶+ بلاذری ص ۲۵۴، ۲۹۰+ ابن رستہ ص ۱۸۲+ ابن حوقل ص ۱۶۷+ مقدسی ص ۱۲۱+ ابوالفدا، ص ۵۳+ یاقوت ج ۱ ص ۷۷۰+ ج ۲ ص ۳۱، ۹۰۳+ ج ۳ ص ۴، ۳۷۹ ج ۴ ص ۳، ۷، ۹۸، ۴۸، ۸۶۱+ مستوفی ص ۱۳۶+ ٹریولز آف بنجمن آف ٹولیڈو (اشر) ج ۱ ص ۱۱۲+ ڈی خویہ زیڈ ڈی ایم جی ۱۸۸۹ء ص ۲۹۰۔

[۲] دریا یا نہر کا حصہ زیریں وہ حصہ ہوتا ہے جو دریا کے دہانہ سے قریب ہو اور بالائی حصہ وہ ہوتا ہے جو منبع کے قریب مثلاً گنگا کو اپنے منبع سے الہ آباد تک بالائی حصہ گنگا اور الہ آباد سے آگے جب تک اس کا ملاپ خلیج بنگالہ سے ہو زیریں حصہ گنگا کہتے ہیں۔ مترجم۔

وہ فرات کے عربی یا ریگستانی کنارے پر ایک مستقل معسکر کا کام دے۔ کوفہ قدیم ایرانی شہر حِیرہ کے بالکل قریب دریا کے کنارے پر ایک وسیع میدان میں واقع تھا۔ بہت جلد اس کی آبادی بڑھتی گئی یہاں تک کہ جب ۳۶ھ (۶۵۷ء) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس شہر کو اپنا دارالخلافہ بنایا تو اُن کے چار برس کے زمانۂ قیام میں یہ شہر کم از کم نصف سلطنت اسلام کا مستقر بن گیا۔ اس کی مسجد میں آپ ۴۰ھ (۶۶۱ء) میں شہید ہوئے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اصطخری نے کوفہ کو باعتبار وسعت بصرہ کے برابر لکھا ہے لیکن کوفہ کی آب و ہوا بصرہ سے بہتر اور وہاں کی عمارتیں بصرہ کی عمارتوں سے زیادہ وسیع تھیں۔ اس کے بازار بھی بہت اچھے۔ لیکن اس اعتبار سے وہ بصرہ سے دوسرے درجے پر تھا۔ جامع مسجد جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ شہید ہوئے تھے، شہر کے مشرقی حصے میں تھی۔ اس میں جو اونچے ستون لگے ہوئے تھے وہ کوفہ کے قریب حِیرہ کے شہر سے لائے گئے تھے۔ کوفہ کو جوں جوں ترقی ہوتی گئی حِیرہ کا شہر برباد ہوتا گیا۔ کوفہ کے بڑے بڑے محلوں میں سے ایک کُناسہ (کوڑے کرکٹ کی جگہ) تھا۔ یہ محلہ شہر کے ریگستانی سمت میں واقع تھا، اور اس کے گرد نخلستان تھے جن میں بہت اچھی کھجوریں پیدا ہوتی تھیں۔ ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں جب ابن جبیر اندلسی کوفہ میں سے گذرا ہے تو شہر کے گرد فصیل نہ تھی، اور شہر کا اکثر حصہ برباد ہو چکا تھا۔ جامع مسجد البتہ اس وقت تک باقی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) میں ابن بطوطہ نے بیان کیا ہے کہ اس مسجد کے ستون بڑے بڑے پتھروں کو سیسے سے جوڑ کر بنائے گئے تھے۔ مسجد میں ایک محراب بھی تھی جہاں بتایا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ زخمی ہوئے تھے۔ مستوفی جس نے کوفہ کے تفصیلی حالات بیان کئے ہیں، لکھتا ہے کہ کوفہ کی شہر پناہ جس کا دور (۱۸۰۰۰) قدم تھا، خلیفہ منصور عباسی نے تعمیر کرائی تھی۔ عراق میں سب سے بہتر گنا یہاں پیدا ہوتا تھا، اور روئی کی فصل بھی اچھی ہوتی تھی۔ مسجد میں ایک ستون پر حضرت علی کے ہاتھ نشان تھا، اور یہیں پر وہ تنور بھی محفوظ تھا جس کے منہ سے طوفان نوحؑ کے وقت پانی نکلنا شروع ہوا تھا۔

کوفہ سے ایک فرسخ جنوب میں حِیرہ کے کھنڈر تھے، جو ساسانیوں کے عہد میں ایک بڑا شہر تھا، قریب ہی سَدِیر اور الخَوَرْنَق کے قدیم محل تھے۔ ان میں سے خورنق کو حِیرہ کے بادشاہ نعمان نے بادشاہ بہرام گور کے لئے تعمیر کرایا تھا جو مشہور شکاری تھا۔ مسلمانوں کی

جب اس علاقے کو فتح کیا تو اس محل اور اس کے بلند ایوانوں کو دیکھ کر بہت متحیر ہوئے تھے۔ بعد کے زمانہ میں خلفاء بھی اکثر سیر و شکار کے زمانہ میں یہیں قیام کیا کرتے تھے۔ اب خورنق کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا لیکن جب ابن بطوطہ آٹھویں (چودھویں) صدی کی ابتدا میں یہاں آیا ہے تو اس کی چند دیواروں اور گنبدوں کے شکستہ حصے باقی تھے۔

بادیہ کی اصلی سرحد پر کوفہ سے پانچ فرسخ مغرب میں اور مکہ کی سڑک کی پہلی منزل میں نخلستانوں سے گھرا ہوا القادسیہ کا بہت بڑا قصبہ یا شہر تھا، جس کے قریب ۱۴ھ (۶۳۵ء) میں مسلمانوں نے ایرانیوں کے خلاف سب سے پہلی بڑی لڑائی لڑ کر فتح حاصل کی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان بہت جلد تمام میسوپوٹیمیا پر قابض ہو گئے۔ یہ مقام دریائے دجلہ کے کنارے والے قادسیہ سے تمیز کرنے کے لئے قادسیۃ الکوفہ کہلاتا تھا (دیکھو صفحہ حاشیہ ۵۱) مقدسی نے بیان کیا ہے کہ قادسیہ میں حج کے موسم میں خوب چہل پہل رہتی ہے۔ یہاں شہر کی حفاظت کے لئے ایک چھوٹا سا قلعہ بھی تھا، اور شہر کے دو دروازے تھے۔ اس کی زمینیں دریائے فرات کی ایک نہر سے سیراب ہوتی تھیں، جو شہر کے باب بغداد سے شہر کے اندر آتی تھی۔ باب البادیہ (ریگستان والا دروازہ) کے پاس جامع مسجد تھی، جہاں حج کے موسم میں بڑا بازار لگتا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب ابن بطوطہ قادسیہ میں سے گذرا ہے تو وہ محض ایک چھوٹا سا گاؤں رہ گیا تھا، اور مستوفی کا بیان ہے کہ وہ تقریباً برباد ہو چکا تھا[1]۔

نجف اشرف، جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مشہد[2] مبارک ہے، اور جسے شیعہ نہایت ہی مقدس اور متبرک سمجھتے ہیں، کوفہ کے کھنڈروں سے مغرب کی طرف چار میل کے فاصلے پر

---

[1] ابن سراپیون ص ۱۰، ۱۶ + قدامہ ص ۲۲۳ + مسعودی (تنبیہ) ص ۵۲ + اصطخری ص ۸۲ + ابن حوقل ص ۱۶۲، ۱۶۳ + مقدسی ص ۱۱۶، ۱۱۷ + یاقوت ج ۲ ص ۹۲۴ + ج ۳ ص ۵۹ + ج ۴ ص ۳۲۲ + ابن جبیر ص ۲۱۳ + ابن بطوطہ ج ۱ ص ۴۱۲، ۴۱۴ + ج ۲ ص ۹۴ + مستوفی ص ۱۲۳، ۱۳۸، ۱۴۰ + وہ عریض و کم گہری جھیل جو بحر نجف کے نام سے مشہور ہے اور جو آج کل کوفہ کے کھنڈروں اور نجف اشرف تک پھیلی ہوئی ہے، زمانہ وسطے میں موجود نہ تھی اور کوفہ سے مکہ جانے والے حاجیوں کی سڑک اس زمین پر سے گزرتی تھی جس میں آج کل یہ جھیل ہے۔

[2] مشہد کے معنے مقام شہادت کے ہیں۔ اسے زیارت گاہ بھی سمجھا جاتا ہے۔ زیارت گاہ یا مشہد کے لئے مقام کا لفظ ہی استعمال ہوتا ہے۔

واقع ہے اور اس وقت تک نہایت معمور و آباد شہر ہے۔ اس شہر کے متعلق مستوفی نے حسب
ذیل روایت بیان کی ہے۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ کی جامع مسجد میں زخمی ہوئے
اور آپ کو زندگی کی امید نہ رہی تو آپ نے وصیت فرمائی کہ وفات کے بعد آپ کا جنازہ
ایک اونٹ پر رکھ کر اونٹ کو آزاد چھوڑ دیا جائے اور جہاں کہیں اونٹ بیٹھے وہیں جنازہ
(۸۸) دفن کر دیا جائے۔ اس وصیت پر عمل کیا گیا۔ لیکن چونکہ بنی امیہ کی طرف سے ہمیشہ خطرہ رہتا
تھا اس لئے ان کے عہد خلافت میں مشہد مبارک پر کوئی عمارت نہیں بنائی گئی۔ مگر ۱۷۵ھ
(۷۹۱ء) میں ہارون الرشید نے اس مشہد کا پتہ لگایا اور وہ اس طرح کہ ایک دن جب
کہ وہ کوفہ کے قریب شکار کھیل رہا تھا اس نے ایک جانور کا ایک جھاڑی تک تعقب کیا
لیکن آگے بڑھنے کا ارادہ کیا تو گھوڑے نے باوجود ہر طرح کی کوشش کے ایک قدم بھی آگے
نہ اوٹھایا۔ یہ واقعہ دیکھ کر ہارون الرشید نے اس نواح کے کاشتکاروں سے سبب
دریافت کیا۔ اون سے معلوم ہوا کہ یہ مقام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مدفن سمجھا جاتا ہے
اور اس لئے حرم ہے کہ جہاں وحشی جانوروں کو اماں نصیب ہوتا ہے۔ یہ سن کر ہارون
الرشید نے اس جگہ کو کھودنے کا حکم دیا۔ چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی میت وہاں
پائی گئی۔ اس لئے بقول مستوفی وہاں ایک مشہد یا مقبرے کی عمارت بنا دی گئی اور بہت
جلد یہ مقام زیارت گاہ خاص و عام ہو گیا۔ بہرکیف اس زیارت گاہ کی ابتدائی تاریخ
صاف طور سے معلوم نہیں ہے۔ اوپر جس روایت کا ذکر ہوا وہ شیعوں میں عام طور سے
مشہور ہے۔ یہ درست ہے کہ ہارون الرشید اپنے عہد خلافت میں کچھ دنوں تک حضرت
علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کا طرف دار رہا تھا۔ مگر کسی عربی مورخ نے بیان نہیں کیا کہ
اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مدفن دریافت کیا تھا یا اس پر عمارت بنوائی تھی۔
مشہد علی کرم اللہ وجہہ کا سب سے پہلا مفصل حال ابن حوقل نے چوتھی (دسویں)
صدی میں لکھا ہے کہ اس نے بیان کیا ہے کہ حمدانی شہزادہ ابوالہیجا نے جو ۲۹۲ھ
(۹۰۴ء) میں موصل کا حاکم تھا اور ۳۱۷ھ (۹۲۹ء) میں فوت ہوا، مشہد علی پر ایک گنبد
چار ستونوں پر تعمیر کرایا تھا۔ اس زیارت گاہ کو قیمتی قالینوں اور دیوار پوشوں سے
مزین کیا تھا اور اس شہر کے گرد جو اس مقام کے قریب واقع تھا فصیل تعمیر کرائی
تھی۔ مگر اصطخری اور ابن حوقل کا بیان ہے کہ ان کے زمانہ میں کوفہ کی جامع مسجد کے

ایک گوشہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مدفن بتایا جاتا تھا۔ اکثر بڑے لوگوں نے بھی اسی کو ان کا مدفن یقین کیا ہے اور دیگر قابل وثوق مصنفوں نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ مستوفی یہ بھی لکھتا ہے کہ سنہ ۳۶۶ھ (۹۷۷ء) میں بنی بویہ کے سلطان عضد الدولہ نے یہاں ایک مقبرہ تعمیر کرایا تھا، جو مستوفی کے زمانہ تک موجود تھا۔ اس وقت یہ مقام خاصا بڑا شہر بن گیا تھا، اور اس کا دور (۲۵۰۰) قدم تھا۔ ابن اثیر نے کامل میں لکھا ہے کہ عضد الدولہ کی وصیت کی مطابق وہ خود، اور اس کے بعد اس کے بیٹے شرف الدولہ اور بہاء الدولہ وہیں دفن کئے گئے، اور بعد کے زمانہ میں بہت سے مشہور و معروف لوگ بھی وہیں مدفون ہوئے۔ سنہ ۴۴۳ھ (۱۰۵۱ء) میں بغداد کے لوگوں نے، جو اس وقت شیعوں کو تنگ کرنے پر تلے ہوئے تھے، اس زیارت گاہ کو جلا کر خاک کر دیا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بہت جلد از سر نو درست کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ ملک شاہ سلجوقی اور اس کا وزیر نظام الملک دونوں سنہ ۴۷۹ھ (۱۰۸۶ء) میں زیارت کے لئے وہاں حاضر ہوئے تھے۔

(۷۸) آٹھویں (چودھویں) صدی میں ابتداء میں مستوفی لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں ایل خانی بادشاہ غازان نے مشہد علیؑ کے قریب سادات کے لئے ایک مکان جو دار السیادۃ کہلاتا تھا، اور درویشوں کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرائی تھی۔ اس سے قبل کی صدی میں یاقوت نے اس بند کا تو ذکر کیا ہے، جو فرات کے پانی سے نجف کو محفوظ رکھنے کے لئے بنایا گیا تھا، مگر مشہد علیؑ کا نام تک نہیں لیا۔ ابن بطوطہ سنہ ۷۲۶ھ (۱۳۲۶ء) میں یہاں آیا تھا، اس کا بیان ہے کہ مشہد علی ایک عمدہ شہر تھا، اور وہ خود اس شہر میں باب الحضرۃ سے داخل ہوا تھا، جس سے زیارت گاہ کو سیدھا راستہ جاتا تھا۔ اس نے یہاں کے عالیشان بازاروں اور مدرسوں کا ذکر کیا ہے، اور اس مسجد کا نام بھی لیا ہے۔ جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار بتایا جاتا تھا، اور جس کی دیواروں پر کاشانی ساخت کی چینی کی اینٹیں لگی ہوئی تھیں۔ اس نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مزار پر اپاہجوں کو صحت حاصل ہوتی تھی، اور اس کے علاوہ اس نے بہت تفصیل سے وہاں کے سونے چاندی کے چراغدانوں کا ذکر کیا ہے، جو لوگوں نے بطور نیاز وہاں چڑھاتے تھے۔ اس نے وہاں کے خوبصورت اور بیش قیمت قالینوں کی بھی تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ قبر کے گرد سونے کی چادروں کا ایک نقشین کٹہرا لگا ہوا تھا، اور اسے چاندی کی میخوں سے

جڑا گیا تھا۔ زیارت گاہ میں داخل ہونے کے لئے چار دروازے تھے، ہر ایک پر پردہ پڑا رہتا
تھا اور دہلیز چاندی کی تھی، دیواریں بھی ریشمی زردوزی کے کپڑوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ آخر
میں ابن بطوطہ اُن کرامات کا ذکر کرتا ہے جو ہر سچے مسلمان کو یہاں نظر آیا کرتے تھے[1]

کربلا[6] یا مشہد حسین، کوفہ سے شمال مغرب میں آٹھ فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے، یہ وہی
میدان ہے جہاں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ۶۱ھ (۶۸۰ء) میں تقریباً اپنے کل
اہل خاندان کے ساتھ شہید ہوئے تھے۔ موجودہ زمانہ کے شیعوں کے لئے مشہد حسین کا رتبہ
مشہد علیؓ سے بھی زیادہ ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ اس زیارت گاہ کو پہلے کس نے تعمیر کرایا تھا، لیکن
تیسری (نویں) صدی میں وہاں کوئی عمارت ضرور موجود تھی، چونکہ ۲۳۶ھ (۸۵۰ء) میں
خلیفہ متوکل عباسی نے یہ حکم دے کر تمام شیعوں کو اپنا دشمن بنا لیا تھا کہ حضرت امام حسین
رضی اللہ عنہ کے مزار کو برباد کر کے اُس کی زمین میں پانی بھر دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس
نے زیارت کی بھی ممانعت کر دی تھی، اور زائروں کو جرمانہ کی سزا دینے کا حکم دیا تھا۔ سامرا
کے محلوں کا ذکر کرتے ہوئے مستوفی نے لکھا ہے کہ متوکل کو اُس کی بدبختی کی سزا خدا نے یہ دی
کہ جتنے محل اس نے سامرا میں بنوانے شروع کئے تھے ان میں سے ایک بھی اختتام کو نہ (۷۹)
پہنچ سکا، بلکہ جس قدر تعمیر ختم ہوئی تھی وہ بھی اسی طرح برباد ہوئی جس طرح اس خلیفہ نے
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مزار کو برباد کرایا تھا۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ مزار کب تک بے چراغ
رہا۔ بہرکیف ۳۶۹ھ (۹۷۹ء) میں جب بنی بویہ کے سلطان عضدالدولہ نے یہاں ایک نہایت
شاندار مشہد تعمیر کرایا جو غالباً اس تعمیر کی توسیع تھی جس کا حال ضمناً اصطخری اور ابن حوقل
نے اپنی تصانیف میں جو اس زمانہ سے قبل لکھی گئی تھیں بیان کیا تھا۔

۴۰۷ھ (۱۰۱۶ء) میں مشہد حسین کا گنبد جل گیا، لیکن بہت جلد وہاں نیا گنبد تیار
کرا دیا گیا۔ کیونکہ ۴۷۹ھ (۱۰۸۶ء) میں ملک شاہ سلجوقی جب سیر و شکار کے لئے اس علاقے میں
آیا ہے تو وہ اس مزار کی زیارت سے بھی مشرف ہوا تھا، خرابی یہ ہے کہ یاقوت نے کربلا کی زیارت
گاہوں کا حال نہیں لکھا، بلکہ صرف ضمناً یہ لکھا ہے کہ حضرت امام حسین کے مزار کے گرد جو احاطہ ہے

[1] اصطخری ص ۸۲، ابن حوقل ص ۱۶۳، مقدسی ص ۱۳۰، ابن الاثیر ج ۹ ص ۱۳، ۲۲، ۶۹، ۹۴، ۳۹، ج ۱۰ ص ۱۰۳،
مستوفی ص ۲۲۳، یاقوت ج ۴ ص ۷۶۰، ابن بطوطہ ج ۱ ص ۱۱۴، ۱۱۶

اُس کو الحائر (باغ کا حوض) کہا جاتا ہے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ اُس چھوٹے سے شہر کا دور جو اس زیارت گاہ کے گرد آباد ہو گیا تھا (۲۴۰۰) قدم تھا مستوفی کے ہم عصر ابن بطوطہ نے یہاں کے عمدہ مدرسہ کا ذکر کیا ہے، جو اُس نے خود دیکھا تھا اس کا بیان ہے کہ مزار کی دہلیز جسے زائر بوسہ دے کر اندر جاتے تھے ٹھوس چاندی کی تھی زیارت گاہ میں رات کو چاندی اور سونے کے چراغوں میں روشنی کی جاتی تھی، اور زردار ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے۔ ابن بطوطہ نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ یہ چھوٹا سا شہر باشندوں کے مختلف فرقوں کی مسلسل جنگ وجدل کی وجہ سے اکثر و بیشتر برباد ہو چکا تھا، لیکن اس کے گرد بہت سے نخلستان تھے، جو دریائے فرات کی نہروں سے خوب شاداب رہتے تھے[1]۔

تیسری نویں صدی میں عراق کا حال بیان کرتے وقت ابن خرداذبہ اور قدامہ نے لکھا ہے کہ تمام صوبہ بارہ علاقوں میں منقسم تھا، جو اُستان کہلاتے تھے، اور ہر استان میں متعدد اضلاع تھے جنہیں طسّوج کہا جاتا تھا؛ ان طسوج کی مجموعی تعداد ساٹھ تھی۔ یہ تقسیم غالباً ابتداء میں مالی مقاصد کے لئے کی گئی تھی، اور اس کا اعادہ ایک حد تک آئندہ صدی میں مقدسی نے بھی کیا ہے۔ اس لحاظ سے ان بارہ اُستان اور ان کے سب سے زیادہ مشہور طسوج کا یہاں ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا۔

پہلا مجموعہ چار اُستان کا تھا، جو دجلہ کے مشرقی جانب واقع تھے، اور دریائے دجلہ اور دریائے تامرّا سے سیراب ہوتے تھے۔ یہ چار اُستان حسب ذیل تھے:۔
اُستان شاد۔ فیروز یا حُلوان (جو شاذ فیروز بھی کہلاتا تھا) اس میں تامرّا اور خانقین اور ان کے علاوہ تین اور طسوج شامل تھے۔ یعنے طساسیج کی کل تعداد پانچ تھی + (۲) استان شاد ہُرمز، بغداد کے گرد تھا؛ اس میں نہر بوق، کلواذا، اور نہر بین، المدینۃ العتیقہ (یعنے مدائن)، بالائی راذان اور زیرین راذان اور ان کے علاقوں کے علاوہ دو اور طسوج بھی شامل تھے، یعنی ان کی کل تعداد سات تھی + (۳) استان شاذ قباذ اس میں جلولا، بندنیجان، براز الروز اور دسکرہ کے علاوہ چار اور طسوج شامل تھے (۸۰)

[1] اصطخری ص ۸۵ + ابن حوقل ص ۱۶۳ + یاقوت ج ۲ ص ۱۸۹ + مستوفی ص ۱۳۴، ۱۳۹ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۹۹
ابن اثیر ج ۷ ص ۴۳۶ + ج ۸ ص ۵۱۸ + ج ۹ ص ۲۰۹ + ج ۱۰ ص ۱۰۳ +

اور ان کی مجموعی تعداد آٹھ ہوتی تھی + ان اخیر دو استان یعنے شاذ ھُرمز اور شاذ قُباذ کے نام ابن خرداذبہ نے اسی طرح لکھے ہیں؛ لیکن قدامہ نے ان ناموں کو رد و بدل کے ساتھ لکھا ہے، اس طرح کہ شاذ قُباذ کو بغداد کا اُستان بتایا ہے، اور جلولا طسوج اور اس کے سات علاقوں [طَسَاسیج] کو استان خسرو شاذ ھُرمُز کا نام دیا ہے + (۴) دریائے دجلہ کے مشرق میں آخری استان بازیجان خسرو تھا، جو استان نَھروان بھی کہلاتا تھا۔ اسی کا نام قدامہ نے اَرْدَشیرْ بَابَکان لکھا ہے + اس استان میں پانچ طسوج شامل تھے؛ یعنی بالائی نَھروان اور درمیانی نھروَان زیرین نھروَان (مع اسکاف بنی جنید اور جرجرایائے)؛ اس کے بعد بادرایا طسوج اور سب سے آخرین باکُسَایا تھا۔

استان کا دوسرا مجموعہ وہ تھا جن کی زمینیں کچھ تو دجلہ سے سیراب ہوتی تھیں اور کچھ فرات سے۔ ان میں سے پہلا (۵) کَسکَر تھا جو شاذ سابور بھی کہلاتا تھا؛ اس میں واسط کے گرد کے چار طسوج شامل تھے۔ (۶) زیریں دجلہ کا استان شاذ بَھمَن یا کُورۂ دجلہ، اس میں چار طسوج تھے، جن میں سے دو میسان اور دستمیسان تھے؛ دست میسان اُبُلّہ کے گرد واقع تھا۔

باقی چھ استان سب دریائے دجلہ کے مغرب میں تھے؛ ان کی زمینیں نہر دجیل سے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، اور ان بڑی نہروں سے سیراب ہوتی تھیں جو فرات سے دجلہ کی طرف مشرقی سمت میں بہتی تھیں۔ ان میں پہلا (۷) استان الاعلیٰ (یعنے بالائی استان) تھا، اس میں چار طسوج تھے، اور یہ سب کے سب نہر عیسٰے کے کنارے واقع تھے، یعنی فیروز سابور یا الانبار، مسکن قطربُل اور بادوریا + اس کے جنوب میں (۸) استان اردشیر بابگان جو نہر کوثا اور نہر نیل کے کنارے تھا، اور اسی میں مل اُن کے بالمقابل طسوج بہرسیر اور رومقان اور طسوج کوثا اور نہر جوبر اور نہر دُرقیت کے طسوج بھی شامل تھے۔ اس استان کے مشرق میں زاب کی نہروں کا استان یعنے استان بِہ ذِمان سفلی تھا، جس میں اعلیٰ اوسط اور اسفل نہر زاب کے طسوج شامل تھے +

سب سے آخری تین استان یکے بعد دیگرے بالائی، درمیانی اور زیریں بہ قباذ کے تھے۔ ان میں سے پہلے (۱۰) یعنی اعلیٰ بہ قباذ میں چھ طسوج تھے؛ یعنے بابل (بابلیون کے گرد کے کھنڈر) بالائی اور زیریں الفلّوجہ، مع دو اور طسوج کے، اور طسوج عین التمر (۹)

جو فرات سے کچھ فاصلے پر مغرب میں واقع تھا۔ (۱۱) اوسط بہ قباذ کے استان میں چار طسوج تھے:۔ فرہلاتا، سوراء مع بربیسما، باروسما، اور نہر الملک۔ (۱۲) اسفل بہ قباذ میں پانچ طسوج تھے، اور یہ سب کے سب دریائے فرات کے زیریں حصے سے جہاں یہ دریا مرداب میں گرتا تھا، بظاہر ملحق تھے۔ مذکورہ بالا فہرست کے ناموں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تقسیم ساسانیوں کے عہد کی تھی، اور اسلامی فتوحات کے بعد عربوں نے اسے اختیار کر لیا تھا۔ مثلاً اردشیر بابکان ساسانی خاندان کا بانی تھا؛ اور فارسی میں شاذ فیروز یا شاذ فیروز کے معنے "خوش بختی" کے ہیں۔ اسی طرح بہ قباذ کے معنے کسرے قباذ کے بنیلی یا اچھی زمین کے ہیں، اور شاذ فارسی میں "شان وشوکت" کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ ہرمز، قباذ، شاپور، اور بہمن کے ساتھ استعمال ہوا ہے، اور یہ چاروں ایران کے مشہور ترین بادشاہوں میں سے تھے[1]۔

عراق میں زیادہ تر مال تجارت ایسا تھا جو باہر سے یہاں آتا تھا، نہ کہ وہ جو یہاں سے باہر جاتا تھا۔ چونکہ یہ خلافت کا مرکزی صوبہ تھا اس لئے سلطنت کے تمام صوبوں کی اشیاء اس میں صرف ہوتی تھیں۔ مقدسی نے ان اشیاء اور مصنوعات کی ایک فہرست دی ہے جن کے لئے مختلف شہر مشہور تھے؛ یہ فہرست اگرچہ بہت زیادہ مفصل نہیں لیکن دلچسپ ضرور ہے۔

بغداد کے بازار ہر قسم کی عجیب و غریب اشیاء کے لئے جو بیرونی ممالک سے یہاں لائی جاتی تھیں، مشہور تھے۔ لیکن شہر بغداد کی خاص صنعت رنگین ریشمی کپڑے تھے خصوصاً عتابی (یا تبی) ریشمین کپڑے۔ یہ نام بغداد کے ایک محلہ پر رکھا گیا تھا۔ یہ کپڑا بہت مضبوط ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں پر دے، نقاب، عماموں کے لئے ریشم کا کپڑا، ہر قسم کے رومال، اور نرسلوں کے بوریئے بھی تیار کئے جاتے تھے۔ بصرہ میں بھی مختلف قسم کے کپڑے بغیر صاف کئے ہوئے ریشم کے بنے جاتے تھے؛ اس شہر کے بازار میں خاص کر جوہریوں کی دکانیں بہت مشہور تھیں۔ جہاں ہر طرح کے نوادر فروخت ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ وہ معدنی اشیاء، کچی دھاتوں، سرمہ، زنگار (زنجار) سیندوزا اور مردہ سنگ (مُردا سنگ)

[1] ابن خرداذبہ ص ۵۔۸ ؛ قدامہ ص ۲۳۵، ۲۳۶ ؛ مقدسی ص ۱۳۳ ؛

کی بڑی تجارت گاہ تھا۔ اس شہر سے کھجوریں، مہندی، کپڑا، ریشم، گلاب کا عرق، اور عطر نافرمان فروخت ہونے کے لئے باہر جاتے تھے۔ کوفہ کھجوروں، عطر بنفشہ اور ریشم (خز) کے کپڑے کی وجہ سے مشہور تھا، جس سے عمامے تیار ہوتے تھے۔ اُبلّہ میں سوتی کپڑا نہایت عمدہ بُنا جاتا تھا واسطہ سے باقلہ مصری، اور ایک قسم کی سوکھی مچھلی جسے شُشیم کہتے تھے دساور کی جاتی تھی
۴۲ نُعمانیہ میں کپڑا بکثرت تیار ہوتا تھا، اور یہ شہر ہر قسم کے اونی کپڑے کے لئے بہت مشہور تھا[۱]۔

پہلے باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ عباسیوں کے دور میں تمام بڑی شاہراہوں کا مرکز قدرتی طور پر بغداد تھا، یہیں سے بصرہ، کوفہ، انبار، تکریت اور حُلوان جانے والی شاہ راہیں شروع ہوتی تھیں، اور بالآخر سلطنت کے انتہائی حصہ تک پہنچتی تھیں۔

بصرہ سے بغداد جانے کے لئے بہترین اور آسان ترین راستہ قدرتاً دجلہ تھا۔ ابن رستہ اور یعقوبی نے اسی راستہ کو مع ان تمام شہروں کے جو دریا کے دونوں جانب واقع تھے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ دریا کے بہاؤ کے رخ القطر تک آنے میں دریائے دجلہ کے بڑے دھارے کا راستہ اختیار کیا جاتا تھا، اس کے بعد مرداب اعظم (بطائح) کا علاقہ شروع ہوتا تھا، جس میں کشتیاں جھیلوں (دیکھو صفحہ ۴۲ حاشیہ ۴) میں سے ہو کر گذرتی تھیں۔ بحر الاسد مسافروں کو دجلہ کی کھاڑی کے آغاز تک پہنچا دیتی تھی، اور یہاں سے نہر معقل کے ذریعے بصرہ پہنچتے تھے۔ بصرہ سے نہر اُبلّہ پھر کھاڑی کی طرف آتی تھی، اور اوس میں وہ مسافر سفر کرتے تھے جو عبادان یا خلیج فارس کا قصد رکھتے ہوں۔ ابن رستہ نے بغداد سے واسط کا وہ خشکی کا راستہ بھی بیان کیا ہے جو دجلہ کے مشرقی جانب سے مدائن سے ہو کر گذرتا تھا، اور اس راستہ کی وجہ سے ہم دریا کے کنارے کے تمام شہروں کا محل وقوع بآسانی مرتسم کر سکتے ہیں، کیونکہ شہروں کے فاصلے فرسخوں میں بیان کر دئے گئے ہیں۔ قدامہ نے بھی اس راستے کو مفصل بیان کیا ہے، اور دو ایک موقعوں پر جہاں ذرا کمی رہ گئی ہے، اُسے ابو الفداء کی کتاب سے رفع کیا جا سکتا ہے۔ واسط سے بصرہ کا خشکی کا راستہ بھی، جو بطائح کے شمالی کنارے کے متوازی جاتا تھا، قدامہ

[۱] مقدسی ص ۱۲۸۔

نے بیان کر دیا ہے؛ اس کے علاوہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں ابن بطوطہ نے بھی یہی راستہ اختیار کیا تھا۔ ابن رُستہ اور قدامہ نے اس سڑک کا حال بھی دیا ہے جو واسط سے بسمت مشرق خوزستان کے صدر مقام اھواز کو جاتی تھی۔ اسی سڑک پر واسط سے مشرق میں ایک مرحلہ کے فاصلے پر بازبین ایک منزل تھی؛ یہاں سے اس سڑک کی ایک شاخ شمال مشرق کی سمت طِیب گئی تھی، طِیب سے خوزستان کے شہر سُوس کو جایا کرتے تھے[1]۔

حاجیوں کی سڑک جو بغداد سے جنوب میں کوفہ جاتی تھی، شہر مدور کے باب کوفہ سے شروع ہو کر کوثیٰ میں سے ہوتی ہوئی صرصر آتی تھی، اور وہاں سے قصر ابن ھبیرہ پہنچتی تھی۔ قصر ابن ھبیرہ سے آگے چل کر یہ سڑک فرات کی مشرقی شاخ (یعنی موجودہ اصلی دھارے) کو جو چوتھی (دسویں) صدی میں نہر سُورا کہلاتی تھی، شہر سُورا والے کشتیوں (۸۳) کے پل سے عبور کرتی تھی؛ اور پھر وہاں سے کوفہ کی طرف آتی تھی کوفہ کے شہر کے سامنے وہ فرات کی مغربی شاخ پر سے گذرتی ہوئی کوفہ کے مشرقی حصے میں داخل ہوتی تھی۔ کوفہ سے آگے یہ سڑک جنوب مغرب کو چل کر قادسیہ پہنچتی تھی؛ اور اسی مقام سے عرب کا ریگستان شروع ہو جاتا تھا۔ اس راستے کا ذکر سب پرانے جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے۔ خصوصاً ابن رُستہ نے اسے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اُس نے کوفہ جانے والے راستہ کے بعض حصوں کی جگہ دوسرے راستے بھی بیان کئے ہیں، اور تمام فاصلے فرسخ اور میل دونوں کے حساب سے لکھے ہیں۔ چھٹی (بارھویں) صدی کی ابتدا کے بعد کوفہ اور بغداد کی درمیانی منزل یعنی قصر ابن ھبیرہ برباد ہو گیا؛ حِلّہ نے اس کی جگہ لے لی (دیکھو صفحہ حاشیہ ۱)؛ اور اب حاجیوں کی سڑک صرصر سے چل کر فراشہ ہوتی ہوئی حِلّہ پہنچتی تھی حِلّہ کے مقام پر فرات کے مشرقی دھارے کو عبور کرنے کے لئے ویسا ہی ایک ڈراکشتیوں کا پل بنا ہوا تھا جیسا کسی زمانہ میں سُورا پر تھا یہی راستہ ابن جبیر اندلسی اور بعد کے تمام سیاحوں نے اختیار کیا ہے کوفہ سے بصرہ کا فاصلہ الگ اس سڑک سے جلین جو مرداب اعظم (بطائح) کی جنوبی سرحد کے کنارے گئی تھی تو اسی یا بچاسی فرسخ ہوتا تھا۔ اور اس سڑک کا حال جو قادسیہ کے جنوب میں ریگستان کی دوسری منزل سے بائیں ہاتھ کو مڑ جاتی تھی۔ ابن رستہ

[1] ابن رستہ ص ۱۸۴، ۱۸۶-۱۸۸ + یعقوبی ص ۳۲۰ + قدامہ ص ۱۹۳، ۲۲۵، ۲۲۶ + ابوالفدا ص ۳۰۵ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۸ + مستوفی ص ۱۹۵ +

اور ابن خردادبہ نے لکھا ہے[1]۔

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے میسوپوٹیمیا سے حجاز کو جانے کے لئے حاجیوں کی دو سڑکیں عرب کے ریگستان میں سے گذرتی تھیں۔ ایک کوفہ سے چلتی تھی اور دوسرے بصرہ سے، اور ذات عرق کے مقام پر، جو مکۂ معظمہ سے شمال مشرق کی سمت میں دو دن کی راہ تھا، یہ دونوں سڑکیں مل جاتی تھیں۔ تیسری (نویں) صدی کی لکھی ہوئی کتب مسالک اور مقدسی کی کتاب میں ان دونوں مشہور سڑکوں اور ان کی منزلوں اور نصف منزلوں کا حال، جہاں حاجی کھانا کھانے کے لئے (المتعشا) قیام کیا کرتے تھے، اور ہر منزل سے دوسری منزل کا درمیانی فاصلہ بہت احتیاط سے بیان کیا گیا ہے۔ کوفہ کی سڑک فید میں سے گذرتی (۴۴)
تھی جو جبل شمّر کے موجودہ صدر مقام حائل سے ذرا جنوب کی طرف تھوڑے سے فاصلے پر واقع تھا۔ بصرہ کی سڑک ضریّہ سے گزرتی تھی۔ یہ شہر اس ریاست کا صدر مقام تھا جو بعد کے زمانے میں وہابیوں کی ریاست ہو گئی، اور اس شہر کے کھنڈر اب بھی نجد کے موجودہ صدر مقام الریاض سے چند میل مغرب میں پائے جاتے ہیں۔ حاجیوں کی کوفہ اور بصرہ والی دونوں سڑکوں سے داہنے جانب کو وہ سڑکیں نکلتی تھیں جو سیدھی مدینۂ منورہ کو جاتی تھیں[2]۔

---

[1] ابن رستہ ص ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۸۰، ۱۸۲ + یعقوبی ص ۳۰۸ + ابن خردادبہ ص ۱۲۵، ۱۴۵ + قدامہ ص ۱۸۵ + ابو الفدا ص ۳۰۳ + ابن جبیر ص ۲۱۴ - ۲۱۹ + مستوفی ۱۹۳ + مقدسی (ص ۲۵۲) نے اندازہ کیا ہے کہ ریگستان کے کنارے کے ساتھ ساتھ کوفہ سے بصرہ کا فاصلہ دس لمبے مرحلے اور کم از کم (۲۵۰) میل سے کچھ زیادہ تھا۔ تاریخ میں یہ فاصلہ اس لئے مشہور ہے کہ بلال ابن بردہ نامی ایک شخص نے اسے چوبیس گھنٹوں میں تیز رفتار اونٹنیوں کے ذریعے سے طے کیا تھا، کیونکہ اسے حاکم عراق خالد بن عبد اللہ القسری کے پاس کوفہ میں نہایت ضروری کام تھا۔ یہ واقعہ خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے عہد میں سنہ ۱۲۰ھ (سنہ ۷۳۸ء) میں پیش آیا تھا + طبری ج ۲ ص ۱۶۲۷ + (اس ضمن میں یہ یاد ہوگا کہ ڈک ٹرپن (Dick Turpin) نے لنڈن سے یارک کا فاصلہ (۱۸) گھنٹوں میں طے کیا تھا۔ یہ فاصلہ کم و بیش (۲۰۰) میل تھا۔ اور اس لئے ان دونوں شخصوں کی رفتار تقریباً ایک ہی سی تھی۔

[2] مکۂ معظمہ اور مدینہ منورہ کی کوفہ والی سڑک کے لئے دیکھو: - ابن خردادبہ ص ۱۲۵ + قدامہ ص ۱۸۵ + ابن رستہ ص ۱۷۵ + یعقوبی ص ۳۱۱ + مقدسی ص ۱۰۷، ۲۵۱ - بصرہ والی سڑک کے لئے دیکھو: - ابن خردادبہ

بغداد کے شہر مدور کے باب کوفہ سے ایک اور شاہراہ مغرب کی مڑتی تھی۔ یہ پہلے محول پہنچتی تھی، پھر وہاں سے نھر عیسیٰ کے کنارے کنارے دریائے فرات کے شہر انبار تک آتی تھی۔ اور یہاں سے فرات کے چڑھاؤ کے رخ دریا کے بالکل متوازی عراق کے سب سے آخری شہر حدیثہ تک پہنچتی تھی۔ اور وہاں سے جزیرہ کے شہر عانہ کو جاتی تھی۔ یہ دریائے فرات کی ان سڑکوں میں سے جو بغداد سے شام کو فرات کے کنارے کنارے جاتی تھیں ایک سڑک

(بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۰۶) ص ۲۴۶+ قدامہ ص ۱۹۰+ ابن رستہ ص ۱۸۰، ۱۸۲+ مقدسی ص ۱۰۹، ۲۵۱+ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ عرب جغرافیہ نویس نجد کے پرانے صدر مقام کو (فی) سے لکھتے ہیں۔ حاجی خلیفہ پہلے مصنف ہیں (جہاں نما ص ۵۲۰) جنہوں نے موجودہ زمانہ کا املا درعیّہ لکھا ہے، اگرچہ جہاں نما میں دو ایک مقام پر (جہاں نما ص ۵۲۷، ۵۲۳) انہوں نے بھی ضریہ یا حصنِ ضریہ لکھا ہے حجاز اور عرب کے اس علاقے کی جغرافیہ کو جو دھنا (ریگستان اعظم) کے شمال میں واقع ہے۔ پروفیسر ایف وسٹنفلڈ نے اپنے بعض مضامین میں جنہیں عربی اسناد کی بنا پر لکھا گیا ہے، بالکل صاف کردیا ہے۔ یہ مضامین Abhun dlungen der Koniglichen Geslischaft der Wissenschaft zu Gottengin میں چھپے ہیں، ان کو واضح کرنے کے لئے Kiepert نے نقشے بھی لگائے ہیں، اور تمام مضامین کا اشاریہ بھی شایع ہوا ہے۔ ان میں حسب ذیل مضامین شامل ہیں۔ میں ان کی مفصل فہرست اس لئے نقل کرتا ہوں کہ انگریز جغرافیہ نویسوں کو ان میں سے اکثر کا علم نہیں ہے۔ Die von Medina auslaufenden Hauptstrasson (Vol. XI, 1862); Die Wohnsitze und Wanderungen de Arabischen Stamme (Vol. XIV 1869); Die Strasse von Basra nach Mecca mit der Landschaft Dharija (Vol. XVIII, 1873) اسی مضمون میں کوفہ سے مکہ جانیوالے حاجیوں کی سڑک کا حال ہے۔ Bahrein und Jemama (Vol. XIX 1874), Geschte de Stadt Medina (Vol. IX 1860) Chroniken der Stadt Mecca (Liepzig 1861) کی جلد چہارم + اسی جلد میں مصنف نے جرمنی زبان میں مکہ کی مختصر تاریخ مع جغرافیائی حالات کے بیان کی ہے۔

کا پہلا حصہ ہے، اور اس کا ذکر ابن خرداذبہ اور قدامہ نے کیا ہے۔ بغداد سے شام کو جانے والی دوسری سڑک شمال کی جانب دجلہ کے متوازی موصل پر سے گزرتی تھی، اور بغداد سے تکریت تک وہ عراق کی حدود میں رہتی تھی۔ یہ سڑک جس پر ڈاک جاتی تھی شرقی بغداد کے باب بردان سے شروع ہوتی تھی۔ اور دریا کے بائیں کنارے کے متوازی عکبرا اور سامرا سے ہوتی ہوئی تکریت پہنچتی تھی تکریت سے یہ سڑک اُس کاروانی سڑک سے مل جاتی تھی جو مغربی بغداد کے محلہ حرمیہ سے شروع ہو کر نہر دجیل کے کنارے کنارے گزرتی ہوئی حربا پہنچتی تھی، اور حربا سے سامرا کے شاہی محلوں اور باغوں کے متوازی چل کر تکریت پہنچ جاتی تھی۔ اس کاروانی سڑک پر ابن جبیر اور ابن بطوطہ نے سفر کیا تھا[1]۔

مشرقی بغداد کے باب خراسان سے خراسان کی بڑی شاہ راہ شروع ہوتی تھی۔
(۸۵) یہ سڑک جیسا کہ بیان ہو چکا ہے ایران میں سے گزرتی ہوئی ماوراء النہر میں داخل ہوتی تھی اور وہاں سے آخر کار چین کی سرحد تک پہنچ جاتی تھی۔ ابن رستہ نے اس شاہراہ کا ذکر منزل بمنزل نہایت تفصیل سے کیا ہے اور تقریباً تمام جغرافیہ نویس بھی اس شاہراہ کے مختلف حصوں کے باہمی فاصلوں کو بیان کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے بڑی سڑکوں میں یہی سڑک ہے جس کے حالات ہم کو سب سے زیادہ معلوم ہیں[2]۔

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۷۲، ۹۳۔ قدامہ ص ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۱۷ + مقدسی ص ۱۳۴ + ابن جبیر ص ۲۳۲ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۳۲ + مستوفی ص ۱۹۵ +

[2] ابن رستہ ص ۱۶۳ + یعقوبی ص ۲۶۹ + ابن خرداذبہ ص ۱۸ + قدامہ ص ۱۹۷ + مقدسی ص ۱۳۵ + مستوفی ص ۱۹۴ +

(۸۶)

باب ششم

جزیرہ

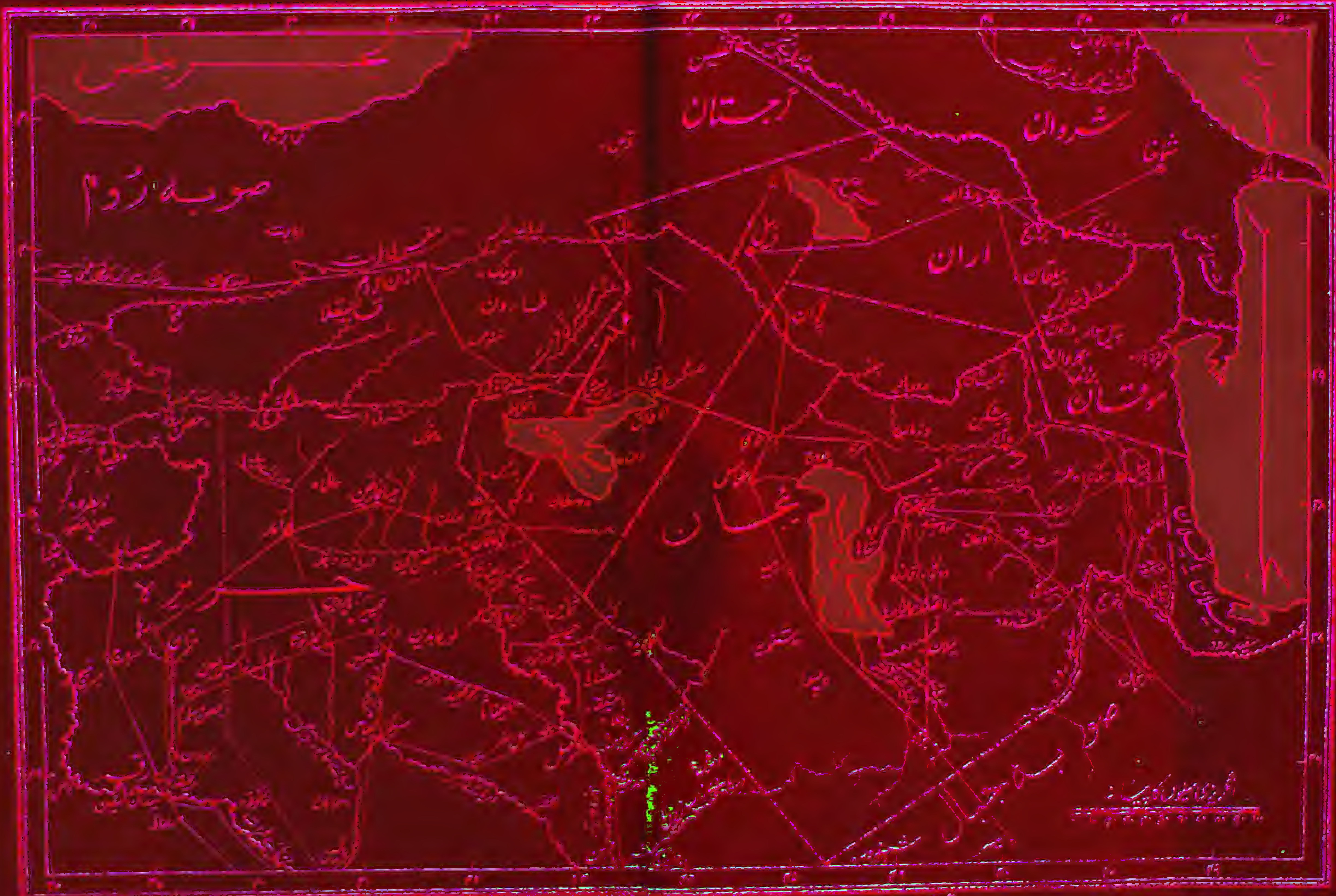
جزیرہ کے تین علاقے۔ دیار ربیعہ۔ موصل، نینوہ اور قرب وجوار کے شہر۔ زاب اعظم حدیثہ اور اربل۔ زاب ادنےٰ سنّ اور دقوق۔ خابور خرد حسنیہ اور عمادیہ۔ جزیرہ ابن عمر اور جبل جودی نصیبین اور راس العین۔ ماردین اور دنیسر، ہرماس اور خابور۔ عربان اور دریائے ثرثار۔ سنجار اور حضر۔ بلد اور اذرمہ۔

اس کی شرح ہم پہلے کر چکے ہیں کہ عرب شمالی میسو پوٹیمیا کو الجزیرہ (یعنی ٹاپو یا جزیرہ نما) کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ تمام ملک دجلہ اور فرات کے بالائی حصوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس صوبے کو بالعموم تین حصوں یعنی دیار ربیعہ، دیار مضر اور دیار بکر میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ یہ نام عرب کے قبائل ربیعہ، مضر اور بکر کے نام سے مشہور ہوئے تھے، کیونکہ یہ تینوں قبیلے ان علاقوں میں ظہور اسلام سے پہلے ہی ساسانیوں کی حکومت میں بس گئے تھے ان میں سے ہر قبیلے کو ایک مخصوص زمین بطور گھر (دیر جمع دیار) کے ملی تھی۔ جسے اس نے بعد کو اپنے نام سے مشہور کر دیا دیار ربیعہ کا صدر مقام دریائے دجلہ کے کنارے کا شہر موصل اور دیار مضر کا فرات کے کنارے کا شہر رقہ تھا، اور آمِد کا شہر جو دجلہ کے بالائی گزرگاہ کے کنارے واقع تھا، دیار بکر کا صدر مقام تھا، دیار بکر ان تینوں حصوں میں سب سے زیادہ شمال کی طرف واقع تھا۔ لیکن مقدسی نے جزیرہ کے حالات اس صوبے کو اقلیم اقور کے نام سے موسوم کر کے لکھے ہیں۔ اس نام یعنی اقور کی اصلیت صاف طور پر تحقیق نہیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ شمالی میسو پوٹیمیا کی ہموار زمین کا نام کسی زمانے میں اقور تھا۔

اگر نقشہ پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ بالائی میسو پوٹیمیا کے علاقے میں دجلہ

اور فرات کے تمام معاون تقریباً بلا استثنا، شمال مشرق یا شمال سے بہتے ہوئے ان دونوں
دریاؤں میں ان کے بائیں کنارے کی طرف سے ملتے تھے۔ صرف ایک مستثنےٰ مثال اس قاعدہ
(۸۷) کلیہ کی زمانہ وسطےٰ میں دریائے ھِرماس کے بہاؤ میں ملتی ہے۔ ھِرماس جس کا منبع نَصیبِین کے
قریب ہے، دریائے خابور اعظم کا معاون ہے، اور جس مقام پر ان کا اتصال دریائے خابور
سے ہوتا ہے ٹھیک اس کے شمال میں کچھ دور سُکیر العباس کے مقام پر دریائے ھِرماس
کو بند باندھ کر اس طرح روکا گیا تھا کہ اُس کا آدھا پانی تو بہہ کر دریائے خابور میں چلا جائے
جو آگے بڑھ کر قَرقِیسِیا کے مقام پر دریائے فرات سے جا ملتا تھا؛ اور باقی ھِرماس کا
اصلی دھارا نھرالثَرثار کے رہگذر پر بہتا ہوا تکرِیت کے مقام دجلہ کے بائیں کنارے
کی جانب سے دجلہ میں مل جائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہو گا کہ جزیرہ کے ان تینوں
خطوں کے حدود کا اندازہ بھی دریاؤں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ چنانچہ دیار بکر کی سرزمین
وہ تھی جو دریائے دجلہ کے بالائی رہگذر سے، یعنی اُس کے منبع سے لے کر اس زمین تک
جہاں تل (ٹیلہ) فافان کے جنوب میں اس دریا نے ایک خم کھایا ہے سیراب ہوتی تھی اور
اس سرزمین میں جانب شمال کے وہ قطعات بھی شامل تھے جن میں دجلہ کے بہت سے معاون
دریا بہتے تھے۔ یہ دریا تل فافان کے مغرب میں تھے، اور دجلہ کے بائیں کنارے سے دریائے
دجلہ میں آکر ملتے تھے۔ دیار بکر کے جنوب میں دیار مضر تھا۔ اس میں وہ تمام زمینیں شامل
تھیں جو دریائے فرات کے کنارے سُمَیسَاط سے لے کر جہاں یہ دریا پہاڑی دروں سے
نکل کر باہر آتا ہے، جنوب میں عَانَہ کے مقام تک واقع ہیں، اور اس میں وہ ہموار قطعات
بھی شامل تھے جو دریائے فرات کے معاون دریائے بلیخ سے، کہ حَرَّان سے بہتا ہوا آیا تھا،
سیراب ہوتے تھے۔ جزیرہ کا تیسرا حصہ یعنی دیار ربیعہ وہ علاقہ تھا، جو دیار مضر کے مشرق
میں واقع تھا؛ یعنی یہ علاقہ راس العین سے آنے والے دریائے خابور اعظم اور دریائے
ھِرماس کا تھا، جس کی نسبت بیان ہو چکا ہے کہ وہ نھرالثَرثار کے رہگذر پر بہتا ہوا دجلہ
میں گرتا تھا۔ اسی دیار ربیعہ میں وہ زمینیں بھی شامل تھیں جو تل فافان سے جنوب میں
تکریت تک نَصِیبِین سے مغرب میں دریائے دجلہ کے دونوں کناروں سے ملحق واقع تھیں
اور وہ زمینیں بھی شامل تھیں جو نصیبین سے مشرق میں تھیں؛ اور جن میں وہ ہموار قطعات
شامل تھے جو دریائے زاب اعلیٰ اور زاب ادنیٰ اور دریائے خابور صغیر سے سیراب ہوتے تھے

نقشه ۲



نقشه ولایات شمال مغرب یعنی جزیره و آذربایجان

مَوصِلُ (یا المَوصِلُ) دیارِ ربیعہ کا صدر مقام، دجلہ کے مغربی کنارے پر اس جگہ واقع ہے جہاں دریا کی بہت سی منجدار شاخیں مل کر ایک بڑا پاٹ بناتی ہیں، اور دریا ان سب کو ضم کر کے آگے چلتا ہے۔ انہی متعدد شاخوں کے اتصال سے اس شہر کا نام موصل (سنگھم) ہو گیا۔ ساسانیوں کے عہد میں جو شہر یہاں آباد تھا، اسے بُوذ اَرْدَشِیر کہتے تھے[1]۔ خلفاء بنی امیہ کے عہد میں موصل کو ترقی ہوئی؛ اور مغربی سمت میں شہر کو نینوا کے آثار قدیمہ سے ملانے کے لئے، جو دریا کے مشرقی کنارے واقع تھے، کشتیوں کا ایک پل بھی بنایا گیا۔ آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کے عہد میں موصل جزیرہ کا صدر مقام قرار پایا، اور یہاں خلیفہ نے وہ مسجد تعمیر کرائی جو بعد میں مسجد کہنہ کے نام سے مشہور ہوئی[1]۔

ابن حوقل نے جو ۳۵۸ھ (۹۶۹ء) میں موصل آیا تھا، لکھتا ہے کہ موصل ایک خوبصورت شہر ہے جس میں بارونق بازار ہیں، اور اوس کے چاروں طرف سیر حاصل زمینیں ہیں؛ ان میں سب سے زیادہ زرخیز علاقہ مشہور نینوا (نو نوے) کے گرد واقع ہے۔ نینوا میں حضرت یونس علیہ السلام کا مدفن ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں زیادہ تر کردوں کی آبادی تھی۔ ابن حوقل نے موصل کے گرد و نواح کے تمام اضلاع کو جن کے مجموعے سے مراد دیار ربیعہ کی کل سرزمین ہے بہت احتیاط سے شمار کرایا ہے۔ مقدسی نے موصل کی متعدد کاروان سراؤں (فنادق) کی تعریف کی ہے، اور شہر کی نسبت لکھا ہے کہ وہ غیر معمولی طور پر عمدہ بنا ہوا ہے۔ نصف دائرہ کی شکل میں وہ آباد تھا، اور بصرہ کے مقابلے میں اس کی وسعت نسبتاً ایک ثلث کے قریب تھی۔ اس کا قلعہ المُربَّعہ کہلاتا تھا، اور وہ ایک معاون دریا کے کنارے جسے نہر زُبَیدَہ کہتے تھے واقع تھا۔ اس قلعہ کے اندر سوق الاربعاء یعنی چہارشنبہ کا بازار ہوا کرتا تھا، اور بعض اوقات قلعہ کو بھی سوق الاربعاء کہتے تھے۔ جامع مسجد جو خلیفہ مروان بن محمد اموی نے بنوائی تھی، دجلہ سے ایک تیر کے ٹپے (رمیۃ السہم) پر ایک بلند مقام پر واقع تھی، جس پر چڑھنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اس عمارت

---

[1] مقدسی ص ۱۳۶-۱۳۸، ابن خرداذبہ ص ۱۷، یاقوت ج ۴ ص ۶۸۲-۶۸۴، مراصد ج ۱ ص ۴۴
یاقوت نے موصل کا ساسانی نام بُوذَرْدَشِیر یا بُوذَرَ دَشِیر لکھا ہے لیکن یقیناً نوذَرْ دَشِیر کتابت کی غلطی ہے۔

کی چھت سنگ بستہ واٹ کی تھی۔ مسجد کے دالانوں سے صحن میں جانے کے لئے دروازوں میں کواڑ نہ تھے۔ موصل کے بازار بھی اکثر و بیشتر پٹے ہوئے تھے۔ مقدسی نے شہر کی آٹھ بڑی سڑکوں کے نام گنوائے ہیں؛ شہر کے مکانات دجلہ کے کنارے کنارے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ موصل کا قدیم نام خَوَلان تھا اور قصر الخلیفہ (خلیفہ کا محل) دریا کی دوسرے کنارے شہر سے نیم فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا؛ یہاں سے نینوہ سامنے نظر آتا تھا۔ قدیم زمانے میں اس قصر کے گرد ایک مستحکم فصیل تھی، جسے ہوا کے طوفان نے بعد میں گرا دیا۔ مقدسی نے جس زمانے میں یہ حالات لکھے ہیں اس قصر کے کھنڈروں میں جہاں سے نہر الخوصر بہتی ہوئی نکلتی تھی کھیتی باڑی ہوتی تھی۔

۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں ابن جبیر اندلسی موصل آیا، اور اُس نے اس شہر کے حالات لکھے ہیں۔ اُس زمانہ سے کچھ ہی پہلے مشہور و معروف سلطان نور الدین زنگی نے، جس کے زیر سایہ صلاح الدین ایوبی نے ترتیب پائی تھی، ایک نئی جامع مسجد موصل کے بازار میں تعمیر کرائی تھی۔ لیکن خلیفۂ مروان بن محمد اموی کی تعمیر کردہ مسجد ابھی تک دریا کے کنارے قائم تھی؛ اور اس کی خوشنما نقش و نگار والی محراب اور کھڑکیوں کی آہنی جالیاں اب بھی اس کی پرانی شان و شوکت کا پتہ دے رہی تھیں۔ شہر کے بالائی حصہ میں بڑا قلعہ تھا؛ اور شہر کی فصیل، جس پر جا بجا برج تھے، دریا تک آکر اُس کے کنارے کنارے چلی جاتی تھی۔ شہر کے بالائی اور زیریں حصوں کو ملانے کے لئے ایک چوڑی سڑک تھی۔ فصیل شہر کے باہر بہت سی بڑی بڑی آبادیاں تھیں، جن میں بہت سی چھوٹی چھوٹی مسجدیں، کارواں سرائے [فنادق] اور حمام موجود تھے۔ موصل کا مارستان (شفاخانہ) اور قیصریہ[1] یعنی ایک بازار کی (۱۰۹)
عالیشان عمارتیں مشہور تھیں۔ ان کے علاوہ یہاں متعدد مدرسے بھی تھے۔ قزوینی نے

---

[1] عرب، بالخصوص مغربی سمت کے رہنے والے عرب بازار کی بڑی بڑی عمارتوں کو جو اکثر کارواں سرائے کے طور پر برتی جاتی تھیں، قیصریہ یا قیساریہ کہتے تھے۔ ضرور ہے کہ یہ لفظ انہوں نے یونانیوں سے لیا ہو، گو یونانی لفظ کیساریہ یا کیساریون، جس سے مراد شہر کے شاہی بازار سے ہوتی تھی، بازنطینی مؤرخوں کی تحریروں میں کہیں نہیں پایا جاتا۔ ہر حالت میں قیاس اس کا مقتضی نہیں ہے کہ مسلمانوں نے اس لفظ کو کیساریوں سے ماخوذ کیا تھا؛ کیساریون اسکندریہ کے ایک مشہور محلے کا نام تھا۔ گو قیصریہ کی وجہ تسمیہ

دیر دن (یعنی مسیحی خانقاہوں) کی بھی ایک فہرست دی ہے، جو موصل کے قرب و جوار میں واقع تھے۔ اس نے موصل کے قلعہ کی گہری خندق اور اونچی دیوار کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ شہر کے گرد باغات بکثرت تھے۔ اور قزوینی لکھتا ہے کہ ان میں رہٹ کے ذریعے پانی دیا جاتا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ نینوہ کے ٹیلے مقدسی کے زمانہ میں تل التوبہ (توبہ کے ٹیلے) کے نام سے مشہور تھے، جہاں حضرت یونس علیہ السلام نینوہ کے باشندوں کو گمراہی سے سچے دین پر لائے تھے۔ اس کا نشان قائم رکھنے کے لئے یہاں ایک مسجد بنا دی گئی تھی؛ اور اس کے گرد مقدسی لکھتا ہے کہ ناصر الدولہ حمدانی نے زایرین کے لئے مکانات تعمیر کرائے تھے۔[1] اس سے نیم فرسخ کے فاصلے پر ایک صحت بخش چشمہ تھا جسے حضرت یونس علیہ السلام کی نام پر عین یونس کہتے تھے، اور اس کے قریب ہی ایک مسجد تھی۔ یہیں پر وہ شجرۃ الیقطین (کدو کا درخت) تھا، جسے حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے لگایا تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ موصل کے اکثر مکانات سنگ مرمر یا چونے کے پتھر کے بنے ہوئے تھے؛ اور چھتیں ڈاٹ کی تھیں؛ شہر میں جرجیس نبی (سینٹ جارج) کی قبر بھی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں ابن بطوطہ موصل سے گذرا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ شہر کی حفاظت کے لئے دہلی کی طرح یہاں بھی دوہری فصیلیں تھیں، اور ان میں جا بجا اونچے اونچے برج بنے ہوئے تھے۔ شہر کا قلعہ اس زمانہ میں الحدبا (کہان) کہلاتا تھا، اور نور الدین زنگی کی جامع مسجد میں سنگ مرمر کا ایک ہشت پہلو حوض تھا، جس میں ایک فوارہ لگا ہوا تھا، جس سے پانی کی ایک دھار قد آدم اونچی نکلتی تھی۔ ایک تیسری جامع مسجد دجلہ کے کنارے نئی تیار ہوئی تھی اور غالباً یہی مسجد ہے جس کی مستوفی نے تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ اس کی محراب میں سنگ تراشی کا کام ایسا نازک اور باریک تھا کہ اس پر لکڑی کے نفیس کام کا گمان ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں موصل کا دور ایک ہزار قدم تھا۔ مستوفی نے بھی حضرت یونس علیہ السلام کے مزار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۳) بیان کرنے میں اکثر یہی نام پیش کیا جاتا ہے۔

[1] مقدسی نے لکھا ہے کہ مکانات ناصر الدولہ حمدانی کی بیٹی جمیلہ نے تعمیر کرائے تھے۔ چنانچہ مقدسی کی عبارت حسب ذیل ہے:۔ بنتہ جمیلۃ ابنۃ ناصر الدولہ و وقفت علیہ اوقافاً جلیلۃ (ص ۱۴۶) مترجم

(مشہد یونس) کا ذکر کیا ہے، جو دجلہ کے دوسرے کنارے پر نینوہ کے کھنڈروں میں واقع تھا[۱]۔

(۹۰) موصل سے چند میل مشرق میں برطلّا اور کرمالیس کے دو چھوٹے چھوٹے شہر ہیں، اور ان سے ذرا شمال میں باعَشیقا کی بستی ہے۔ یہ تینوں موصل کے اعمال میں سمجھے جاتے ہیں۔ مقدسی کا بیان ہے کہ باعَشیقا کی ایک قسم کی گھاس مشہور تھی جس سے خنازیر اور بواسیر کے مریض شفایاب ہوتے تھے۔ یاقوت کہتا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا، اور اس میں ایک نہر تھی جس سے متعدد پن چکیاں چلتی تھیں، اور شہر کے باغات سیراب ہوتے تھے۔ ان باغوں میں زیتون، کھجوریں، اور نارنگیاں بکثرت پیدا ہوتی تھیں یہاں ایک بڑا بازار "قیصریہ" تھا جس میں نہایت عمدہ حمام تھے۔ جامع مسجد میں ایک خوبصورت مینار تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں شہر کی آبادی زیادہ تر عیسائیوں پر مشتمل تھی۔ باعَشیقا سے چند میل جنوب میں برطلا کا شہر بھی نینوہ کے اعمال میں سمجھا جاتا تھا۔ یاقوت کہتا ہے کہ وہ ایک بڑا تجارتی مقام تھا، آبادی زیادہ تر عیسائیوں کی تھی۔ مگر یہاں بھی ایک خوبصورت جامع مسجد موجود تھی، اور بہت سے مسلمان وہاں رہتے تھے۔ برطلا کا کاہو اور سبز ترکاریاں عمدگی میں ضرب المثل تھیں، اور مستوفی نے روئی کی فصل کی بھی تعریف کی ہے۔ اس شہر سے چند میل جنوب کی طرف کرمالیس کا شہر تھا۔ یاقوت کے بیان کے مطابق یہاں بہت بڑا بازار تھا، شہر کی آبادی ایک گاؤں سے بہت زیادہ اور ایک بڑے شہر سے ذرا کم تھی، اور تجار کی یہاں اکثر آمدورفت رہتی تھی۔ مرج جُہَینہ یا مَرج (چراگاہ) جُہَینہ انہیں مقامات کے قریب دجلہ کے کنارے پر مغرب کی طرف موصل سے بغداد جانے والی سڑک پر پہلا مرحلہ تھا۔ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ یہاں کبوتروں کے رہنے کے لئے بہت سے مینار بنے ہوئے تھے۔ اس کا قلعہ گچ کا مستحکم بنا ہوا تھا، اور جامع مسجد عین آبادی میں تھی۔

موصل اور تکریت کے درمیان زاب نام کے دونوں دریا دجلہ کے مشرقی کنارے

[۱] ابن حوقل ص ۱۴۳-۱۴۵؛ مقدسی ص ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۶؛ ابن جبیر ص ۲۳۶-۲۳۸؛ یاقوت ج ۴ ص ۶۸۴؛ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۳۵؛ قزوینی ج ۲ ص ۲۴۰، ۳۰۹؛ مستوفی ص ۱۶۵، ۱۶۸۔

کی طرف سے دجلہ میں گرتے ہیں، زاب زیرین کے اتصال سے تقریباً سو میل شمال کی جانب
زاب بالا کا اتصال دجلہ سے ہوتا تھا۔ ابن حوقل نے ان دونوں دریاؤں کے بیچ
کی وسیع زمینوں کی زرخیزی اور سرسبزی کی تعریف کی ہے۔ بالائی یا بڑا دریائے زاب
ان پہاڑوں میں سے نکلتا ہے جو ارمینیہ اور آذربائجان کے درمیان واقع ہیں، یہ
دریا حَدِیثہ کے مقام پر دجلہ سے ملتا تھا۔ زیرین یا چھوٹا زاب، جو اپنی تیزروی
اور تند رفتاری کی وجہ سے مجنون (دیوانہ) کہلاتا تھا، شَہْرُزُوْر کے نواح سے
نکل کر سِنّ کے مقام پر دجلہ سے ملتا تھا۔ یاقوت کا بیان ہے کہ وہ سرزمین، جس میں
سے ہو کر بڑا دریائے زاب گزرتا تھا مُشْتَکْہَر اور بابغیش کہلاتی تھی، اس دریا
کا پانی منبع کے قریب سرخ ہوتا تھا، لیکن آخر میں سفید ہو جاتا تھا۔ الحدیثہ (نیا
شہر) بڑے دریائے زاب اور دجلہ کے سنگم سے ایک فرسخ شمال میں واقع تھا، (۹۱)
اس کو دریائے فرات کے کنارے والے الحَدِیثہ سے، جس کا ذکر اس سے قبل
ہو چکا ہے، ممیز کرنے کے لئے حدیثۃ الموصل کہتے تھے۔ اسے آخری اموی خلیفہ
مروان بن محمدؒ نے ایک بلند مقام پر دوبارہ تعمیر کیا تھا۔ اس بلندی کے نیچے مرداب
کی زمین پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے گرد مشہور شکارگاہ اور بہت سے باغات تھے، شہر کی
شکل نصف دائرے کی تھی، شہر چونکہ بلندی پر واقع تھا اس لئے دریا کے کنارے
سے شہر میں آنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں، اور اس کی جامع مسجد، جو سنگ
بستہ عمارت تھی، دریا کے کنارے پر واقع تھی، ساسانیوں کے زمانہ میں یہ شہر نوکرد
(نیا شہر) کہلاتا تھا، اور موصل کی ترقی سے قبل یہی شہر صوبے کا صدر مقام تھا۔[1]

اَلسِّنّ (یعنے دانت) کا شہر مسعودی کے مطابق چھوٹے دریائے زاب اور
دجلہ کے مقام اتصال سے ایک میل جنوب میں تھا۔ لیکن مقدسی لکھتا ہے کہ بقدر اسی
فاصلے کے وہ شمال میں واقع تھا، اور چھوٹا دریائے زاب اس کے مشرق میں بہتا تھا۔
زمانۂ وسطےٰ میں یہاں زیادہ تر عیسائی آباد تھے، اور یاقوت نے لکھا ہے کہ یہاں متعدد

۱؎ اصطخری ص ۷۵ + ابن حوقل ص ۱۴۷، ۱۵۵ + مقدسی ص ۱۳۹، ۱۴۲ + یاقوت ج ۱ ص ۴۲۶، ۲۴۳، ۵۶۷ ج ۲ ص ۱۹۰، ۲۲۲، ۵۵۲، ۹۰۲ ج ۳ ص ۲۶۷ + مستوفی ص ۱۶۵، ۱۶۶، ۲۱۴ +

گرجا بھی تھے۔ یہ شہر دوسرے ہم نام شہروں سے ممیز کرنے کے لئے سِنّ بارِمّا کہلاتا تھا۔ بارِمّا ایک سلسلۂ کوہ تھا جسے اسی سِنّ کے قریب دریائے دجلہ نے کاٹ کر اپنا راستہ نکالا تھا۔ سِنّ کے بازار میں ایک سنگ بستہ جامع مسجد تھی، اور شہر کے گرد فصیل تھی۔ اس کے مشرق کی جانب، شمال میں چار فرسخ کے فاصلے پر چھوٹے دریائے زاب کے کنارے بوازیج کا شہر تھا جسے ابن حوقل نے مدینۃ البوازیج لکھا ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جغرافیہ کے نقشوں پر اپنا کوئی نشان نہیں چھوڑا اور یہی حال سِنّ اور حدیثہ کے شہروں کا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ چوتھی (دسویں) صدی کے بعد زاب نام کے دونوں دریاؤں نے اپنا راستہ بدل دیا تھا۔ یاقوت نے اسی شہر کو بوازیج الملک (بادشاہ کا بوازیج) لکھا ہے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی تک یہ شہر باقی تھا، کیونکہ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس کے محاصل جن کی مقدار (۱۴۰۰۰) دینار تھی، ایل خانیوں کے خزانہ میں ادا کیئے جاتے تھے۔

سِنّ کے جنوب میں سامرّا اور بغداد کو جانے والی برید کی سڑک دجلہ کے بائیں کنارے کنارے بارِمّا سے گزرتی ہوئی گئی تھی۔ یہ بارِمّا اسی بارِمّا نام کی پہاڑیوں میں، جو جبل حمرین بھی کہلاتی تھیں، ایک چھوٹا سا قریہ تھا، اس سے آگے بڑھ کر برید کی سڑک السودقانیہ سے گزر کر آخر جبلتا (یا جبلتا) پہنچتی تھی معلوم ہوتا ہے کہ ۳۰۶ھ (۹۱۶ء) میں یہ شہر دارالضرب تھا، اور تکریت سے ذرا شمال میں دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے سے واقع تھا۔ ان چھوٹے چھوٹے شہروں میں سے ایک بھی اب باقی نہیں، لیکن سیاحت ناموں میں ان کی جاءِ وقوع نہایت صحت سے درج ہے۔

سِنّ سے مشرق کی طرف سو میل سے کچھ زیادہ فاصلے پر دقوقا یا دقوق کا شہر تھا، علی یزدی نے اس شہر کا نام تاؤق یا تاؤدق لکھا ہے، جیسا کہ آج کل بھی کہا جاتا ہے۔ اس شہر کا ذکر یاقوت اور زمانۂ مابعد کے جغرافیہ نویسوں نے اکثر کیا ہے۔ مستوفی نے دریائے دقوقا (اس نے یہی ہجے لکھے ہیں) کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ دربند خلیفہ یعنے خلیفہ کا درہ) کے قریب کردستان کے پہاڑوں سے نکل کر شہر دقوق کے جنوب میں ریگستانی میدان سے گذرتا تھا۔ یہاں بقول مستوفی بہت سے خطرناک قطعے ریگ رواں کے تھے۔ جو شخص اس ریگزار کو عبور کرنے کی کوشش کرتا تھا (۹۲)

وہ ریگ رواں میں دھنس کر غائب ہو جاتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ سیلاب کے زمانہ میں دریائے دَقُوق دجلہ تک پہنچتا تھا؛ اور اُس کا جنوبی گذرگاہ وہی ہے جو آج کل نہر الاعظم کہلاتا ہے۔ لیکن قدیم زمانہ میں جب کہ نہر نہروان پوری سلامت ہوگی تو یقیناً دقوق کے سیلاب ربیع کا پانی اسی نہر میں گرتا ہوگا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ دَقوق کا شہر درمیانی درجہ کا سمجھا جاتا تھا، لیکن اُس کی آب و ہوا بغداد سے بہتر اور زیادہ صحت آور تھی، اور شہر کے قریب روغن نفت کے چشمے تھے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں نے اس شہر کا ذکر نہیں کیا[1]۔

اِربِل جس کا نام قدیم زمانہ میں اربیلا تھا، بڑے اور چھوٹے زاب کے دو دریاؤں کے درمیانی میدان میں واقع تھا؛ اور یاقوت نے لکھا ہے کہ یہاں تاجروں کی آمد و رفت بہت تھی۔ شہر کا قلعہ ایک پہاڑی کی چوٹی پر تھا، قلعہ کے گرد ایک گہری خندق تھی اور اس کا ایک حصہ شہر کی فصیل سے گھرا ہوا تھا۔ یہاں پر بہت بڑا بازار لگا کرتا تھا، اور یہاں کی مسجد، جو مسجد الکف (ہاتھ کی مسجد) کہلاتی تھی، اس لئے مشہور تھی کہ اس کے ایک پتھر پر انسان کی ہتھیلی کا نشان بنا ہوا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں بازار کی عمارتوں کو پھر درست کر لیا گیا تھا، اور شہر کی بیرونی آبادی یا ربض[2] فصیل کے باہر دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ مستوفی نے یہاں کی عمدہ فصلوں کی بہت تعریف کی ہے، خاص کر

---

[1]۔ اصطخری ص ۷۵ + ابن حوقل ص ۱۵۳، مسعودی (تنبیہ) ص ۵۲ + قدامہ ص ۲۱۴ + مقدسی ص ۱۲۳ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۶۴، ۵۰۷ + ج ۲ ص ۵۸۱ + ج ۳۔ ص ۱۴۹ + مستوفی ص ۱۳۹، ۱۶۵ + ۲۲۰ + علی یزدی ج ۱ ص ۶۶۰ + کرکوک کے متعلق، جس کا ذکر یاقوت یا اور دوسرے شروع زمانہ کے جغرافیہ نویسوں نے نہیں کیا، علی یزدی لکھتا ہے (ج ۱۔ ص ۶۶۱) کہ وہ تاؤق کے قریب تھا۔ دجلہ کے کنارے تکریت کے بالکل بالمقابل جبلتا کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس نام کو اکثر غلطی سے حبلتا پڑھ لیا گیا ہے (مثلاً مقدسی ص ۱۲۵) کیونکہ عربی میں ح اور ج میں صرف ایک نقطے کا فرق ہے۔ لیکن یہاں بجائے حبلتا کے یقیناً جبلتا پڑھنا چاہیئے کیونکہ شامی زبان میں یہ نام اکثر آتا ہے اور ہر جگہ اسکو گبلتا لکھا گیا ہے اور شامی زبان میں گ اور ح کے لکھنے میں کبھی التباس نہیں ہو سکتا۔

[2] ربض ایسی آبادی کو کہتے ہیں، جو قلعہ کے نیچے شہر کے باہر ہو۔ مترجم

روئی کی جو یہاں پیدا ہوتی تھی۔ موصل کے شمال میں عمادیہ کا شہر دریائے زاب بالا
کے منبع کے قریب آباد تھا۔ مستوفی کے مطابق اس کا نام دیلمی شہزادہ عماد الدولہ کے نام (۵۳)
پر جس نے ۳۳۸ھ (۹۴۹ء) میں وفات پائی رکھا گیا تھا۔ لیکن دوسرے مصنف
عمادیہ کے شہر یا کم از کم اس کی دوبارہ تعمیر کو ۵۳۷ھ (۱۱۴۲ء) میں عماد الدین زنگی
سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ زنگی میسوپوٹیمیا کے مشہور و معروف بادشاہ نور الدین زنگی
کا جس کے زیر تربیت سلطان صلاح الدین ایوبی رہ چکا تھا باپ تھا۔ یاقوت کا بیان
ہے کہ قدیم زمانہ میں یہاں ایک قلعہ تھا جس پر کرد قابض تھے اور اوس کا نام آشب
تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ عمادیہ ایک بڑا شہر تھا۔

قرب و جوار کے پہاڑوں میں دریائے خابور الحسنیہ کا منبع تھا۔ یہ دریا
موصل سے شمال کی جانب تقریباً دو منزل کے فاصلے پر اور شہر فیشابور سے بالکل
شمال میں دریائے دجلہ سے مل جاتا تھا۔ اس دریا کو راس العین والے دریائے خابور
سے خلط ملط نہ کرنا چاہیئے۔ یاقوت اس دریا کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ الزوزان کے
علاقے سے نکلتا تھا اور الحسنیہ کے شہر میں اس پر پتھر کا ایک عالیشان پل بندھا ہوا
تھا جس کے شکستہ آثار حسن آغا کے قریہ کے قریب جو غالباً قدیم شہر کا قائم مقام ہے
اب تک ملتے ہیں۔ حسنیہ کو جس میں ایک جامع مسجد بھی تھی مقدسی نے خاصا بڑا شہر
بتلایا ہے۔ اس سے ایک منزل جنوب میں موصل کی سڑک پر معلثایا کا ایک چھوٹا
سا شہر تھا؛ یہاں بھی پہاڑی پر ایک جامع مسجد تھی اور شہر کے چاروں طرف پورے
دور میں باغ ہی باغ تھے۔

فیشابور کے شمال میں ایک بڑا شہر جزیرہ کا نامی تھا؛ اس کا بانی کوئی شخص
حسن بن عمر تغلبی تھا۔ اسی وجہ سے شہر کو جزیرۃ ابن عمر کہتے تھے۔ یاقوت لکھتا
ہے کہ دجلہ آدھے شہر کے گرد نصف دائرہ کی شکل میں آیا ہوا تھا۔ اور خشکی کی طرف
ایک خندق تھی جو پانی سے بھری رہتی تھی۔ اس لئے یہ شہر بالکل ٹاپو ہو گیا تھا جو تھی

ل مقدسی ص ۱۳۹ + قزوینی ج ۲ ص ۱۹۲ + یاقوت ج ۱ ص ۱۸۶ + ج ۲ ص ۳۸۴ + ج ۳ ص ۷۰۸
۹۳۱ + مستوفی ص ۱۶۵، ۱۶۶ +

(دسویں) صدی میں ابن حوقل نے بیان کیا ہے کہ جزیرہ کے گرد فصیل تھی۔ وہاں آرمینیہ کی پیداوار اور مال لاکر فروخت کیا جاتا تھا، اور خاص شہر جزیرہ کا پنیر اور شہد مشہور تھا۔ اس کے مکانات پتھر کے بنے ہوئے تھے، اور مقدسی نے لکھا ہے کہ سردی کے موسم میں یہاں کیچڑ کی کوئی انتہا نہ رہتی تھی + ابن بطوطہ جب آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں آیا ہے تو یہ شہر بہت کچھ برباد ہو چکا تھا۔ لیکن پرانی مسجد اس وقت بھی بازار میں موجود تھی۔ اور پتھر کی بنی ہوئی فصیل بھی باقی تھی۔ مستوفی نے لکھا کہ سو سے زیادہ گاؤں اور قریئے اس کے اعمال میں شامل تھے جزیرۃ ابن عمر کے بالمقابل
دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر علاقہ باقردا کا شہر بازبدا تھا۔ یہ پرانا رومی قلعہ (۹۴)
بیزابدا تھا۔ جغرافیہ نویس اس مقام کا کچھ حال بیان نہیں کرتے۔

جزیرۃ ابن عمر سے مشرق کی طرف جبل جُودی دکھائی دیتا تھا جس کی چوٹی پر مسجد نوحؑ اور جس کے دامن میں قریۃ الثمانین (اسی آدمیوں کا گاؤں) تھا۔ قرآن شریف (سورۂ ھود آیت ۴۶) میں آیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے بعد الجُودی پر آکر ٹھہری تھی (وَاسْتَوَتْ عَلَی الجُودِیِّ) اور اسلامی روایات کے مطابق جودی سے مراد یہی جبل جودی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اسی ہمراہیوں نے یہ گاؤں تعمیر کیا تھا، جو اُن کے نام پر ثمانینؔ کہلاتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ ثمانین حسنیہ سے اچھا بڑا شہر تھا اور الحَسَنیہ کے شمال میں ایک منزل پر واقع تھا۔ مستوفی اسے سُوق ثمانین (اسی آدمیوں کا بازار) لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کے زمانہ میں یہ مقام برباد ہو چکا تھا۔ جزیرۃ ابن عمر کے قریب دجلہ کے کئی معاون دریا دجلہ کے بائیں کنارے سے اس میں ملتے تھے۔ یاقوت نے ان معاون دریاؤں کے نام بیزنا (یا بیزنی) اور باعَلینا ثا (اسے ابن سراپیون نے باسانفا لکھا ہے) لکھے ہیں۔ باعَلینا ثا کے کنارے اسی نام کا ایک بڑا گاؤں جزیرۃ ابن عمر کے شمال میں آباد تھا۔ جزیرۃ ابن عمر کے جنوب اور خابور الحَسَنیہ کے شمال میں دریائے بُوَیار اور دُوشا تھے، جو الزَوزَن کے علاقے سے بہتے ہوئے آتے تھے [1]+

[1] اصطخری ص ۷۵ + ابن حوقل ص ۲۱۵، ۱۵۳، ۱۵۱ + مقدسی ص ۱۳۹ + ابن سراپیون ص ۱۵ +

جزیرۃ ابن عمر کے عرض بلد میں، لیکن دجلہ کے مغربی جانب طود عبدین (بندگان خدا کا پہاڑ) کا کوہستانی علاقہ تھا جس میں یعقوبی فرقے کے عیسائی رہتے تھے۔ اسی علاقہ سے دریائے ہرماس و نصیبین والا دریائے خابور نکلا ہے۔

نصیبین یعنے رومی نسیبس (Nisibis) دریائے ہرماس کے بالائی حصے پر واقع تھا؛ ہرماس کو یونانی جغرافیہ نویسوں نے سوکورس یا مگدونیوس The Soacoras or Mygdonius لکھا ہے۔ یاقوت کا قول ہے کہ نصیبین کا شہر سفید گلاب کے پھولوں اور چالیس ہزار باغوں کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس وقت بھی یہ شہر شمالی میسوپوٹیمیا کے بہت بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ ابن حوقل نے جو سنہ ۳۵۸ھ (۹۶۹ء) میں یہاں آیا تھا، بیان کیا ہے کہ نصیبین جزیرے کے صوبے کا بہترین شہر تھا، اور اوس کے قرب و جوار میں جوار گیہوں بہت اچھی قسم کے پیدا ہوتے تھے + قریب کی پہاڑی جہاں سے اس شہر کے لئے پانی آتا تھا، جبل بالوسا کہلاتی تھی۔ شہر سکونت کے لئے بہت خوشگوار مقام تھا، لیکن بچھوؤں کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا تھا۔ نصیبین موصل سے بڑا تھا۔ اور مقدسی نے یہاں کے لوگوں کے رہنے کے مکانات کی بہت تعریف کی ہے۔ بازار شہر کے ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک چلا گیا تھا اور جامع مسجد شہر کے وسط میں واقع تھی۔ شہر کی حفاظت کے لئے ایک سنگ بستہ قلعہ تھا۔ سنہ ۵۸۰ھ (۹۵)
(۱۱۸۴ء) میں ابن جبیر اندلسی نصیبین آیا تھا؛ اس نے بھی یہاں کے باغوں کی تعریف کی ہے۔ یہاں کی جامع مسجد میں دو حوض تھے؛ اور دریائے ہرماس پر جہاں وہ شہر کے پاس سے گزرتا تھا، ایک پل بندھا ہوا تھا۔ بڑی عمارتوں میں ایک مارستان (شفاخانہ) اور چند مدرسے تھے۔ ابن بطوطہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں آیا تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ اس وقت شہر کا اکثر حصہ برباد ہو چکا تھا، لیکن جامع مسجد مع اپنے حوضوں کے اب تک باقی تھی؛ اور شہر کے باغوں سے اب بھی وہ عرق گلاب تیار ہوتا تھا جس کے لئے یہ شہر کسی زمانے میں مشہور تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ نصیبین کی فصیل کا

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۰) ابو الفداء ص ۵۵، ۲۷۵ + یاقوت ج ۱ ص ۲۶۶، ۴ ۲۷۲، + ج ۲ ص ۷۹، ۴۴۲، ۵۵؛ ۹۵۷ + ج ۴ ص ۱۰۱۷ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۳۹؛ مستوفی ص ۱۶۵، ۱۶۶ +

دور (۶۵۰۰) قدم تھا؛ اُس نے یہاں کے انگوروں اور دوسرے میووں اور شراب کی تعریف کی ہے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ مرطوب ہونے کی وجہ سے یہ مقام صحت کے لیے بہت خراب تھا۔ اُس نے بھی نصیبین کے گلاب کے پھولوں کی تعریف کی ہے اور بچھوؤں کی مصیبت کا بھی ذکر کیا ہے۔ بچھوؤں کی طرح مچھروں کی کثرت بھی عذاب جان تھی۔[1]

راس العین (چشمہ کا منبع) دریائے خابور کے قریب واقع تھا۔ رومی اس کو رسینا (Resaina) اور دریائے خابور کو خابوراس Chaboras کہتے تھے۔ راس العین کا شہر اپنے کثیر التعداد چشموں کے لیے جن کی مجموعی تعداد (۳۶۰) بیان کی جاتی ہے مشہور تھا؛ اور ان کے پانی نے گرد و نواح کے علاقے کو ایک بہت بڑا باغ بنا دیا تھا۔ ان چشموں میں سے عین الزاہریہ کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ اس کی تھاہ نہیں ہے۔ اس چشمے سے ایک ندی نکل کر دریائے خابور میں گرتی تھی؛ اور اس میں سیر کرنے کے لیے کشتیاں پڑی ہوئی تھیں اور کشتیاں باغوں باغوں راس العین سے قرقیسیا جایا کرتی تھیں، جو دریائے فرات کے کنارے واقع تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ راس العین کے گرد فصیل تھی؛ اور فصیل کے باہر شہر کے گرد بہت سے باغ اور پن چکیاں تھیں آبادی کے باہر بیس فرسخ تک مسلسل مزروعہ زمینیں پھیلی ہوئی تھیں مقدسی نے بڑے چشمے کے قریب ایک جھیل کا ذکر کیا ہے، جو دو قد آدم گہری تھی، لیکن اس کا پانی اس قدر صاف شفاف تھا کہ اگر ایک درہم اس میں ڈالا جائے تو تہ میں صاف نظر آتا تھا۔ راس العین کی عمارتیں پتھر کی تھیں، جن پر چونے کی استر کاری تھی۔ ابن جبیر اندلسی نے جو ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں وہاں سے گزرا ہے، شہر کی دو جامع مسجدوں عمدہ مدرسوں اور حماموں کا ذکر کیا ہے۔ یہ تمام عمارتیں دریائے خابور کے کناروں پر تھیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن جبیر کے زمانۂ سیاحت میں شہر کی فصیل نہ تھی۔ لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی میں اس کو ضرور دوبارہ تعمیر کرا دیا گیا ہوگا۔ کیونکہ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس کی فصیل کا دور (۵۰۰۰) قدم تھا۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں روئی، مکئی

[1] ابن حوقل ص ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۴۳؛ ابن سراپیون ص ۱۲؛ مقدسی ص ۱۴۰؛ ابن جبیر ص ۲۴۰؛ یاقوت ج ۲ ص ۷۵۹، ج ۴ ص ۷۷۷؛ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۴۰؛ مستوفی ص ۱۶۷؛

اور انگور بکثرت پیدا ہوتے تھے۔

(۱۶) راس العین اور نصیبین کے تقریباً بیچ میں، لیکن دونوں سے شمال کی طرف ماردین
کا مضبوط اور عالیشان پہاڑی قلعہ تھا، اور اوس کے نیچے ہی میدان میں دُنیسِر کا شہر
تین فرسخ جنوب میں واقع تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ماردین کا قلعہ باز کہلاتا
تھا، اور حمدانی خاندان کے قبضۂ اقتدار میں تھا۔ قلعہ پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا اور
اس کی جنوبی سمت میں قلعے سے باہر ایک بستی (ربض) بسائی گئی تھی، جو چھٹی (بارھویں)
صدی میں ایک بڑا آباد شہر بن گئی۔ یہاں بہت سے بازار اور کاروان سرائے اور چند
مدرسے بھی تھے۔ لیکن تمام عمارتیں ایک [illegible] طرح تھیں کہ جیسے زینہ کی سیڑھیاں
ہوتی ہیں، اور سڑکیں بھی سیڑھیوں ہی کی تھیں۔ ہر ایک مکان میں بارش کا پانی ذخیرہ
کرنے کے لیے الگ الگ حوض تھے۔ ابن بطوطہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں ماردین
آیا تھا، اس نے شہر کو بہت خوبصورت بتلایا ہے اور لکھا ہے کہ یہاں اونی کپڑا بہت بنا
جاتا تھا۔ اس کے زمانہ میں یہاں کے عالیشان قلعے کو قلعۃ الشہبا (بھورا قلعہ) یا قلعۂ
کوہ کہتے تھے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ ماردین کی زمین دریائے صور کے پانی سے سیراب ہوتی
تھی۔ جو عبدین کے پہاڑی صور نامی سے نکل آخرکار دریائے خابور میں مل جاتا
تھا۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرب و جوار میں مکئی اور روئی اور میوہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔
دُنیسِر اس سے چند فرسخ کے فاصلے پر تھا، اس فاصلے کو ۲ سے ۴ فرسخ تک
بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اب اُس کی اصلی جاۓ وقوع معلوم نہیں۔ یہ مقام ساتویں (تیرھویں)
صدی میں تجارت کی ایک بڑی منڈی تھا۔ یہ کوچ حصار کے نام سے بھی مشہور تھا۔
یاقوت نے لکھا ہے کہ جب وہ لڑکا تھا (یعنی چھٹی (بارھویں) صدی کی ابتدا میں)
تو دُنیسِر محض ایک بڑا سا گاؤں تھا، لیکن ۶۲۳ھ (۱۲۲۵ء) میں وہ بہت بڑا شہر بن گیا
جس میں بڑے بڑے وسیع بازار نظر آنے لگے۔ ابن جبیر نے، جو ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں دُنیسِر
پہنچا تھا، لکھا ہے کہ اس کے گرد فصیل نہ تھی۔ لیکن اس زمانہ میں یہاں قافلے آکر ٹھیرا
کرتے تھے اور تھوڑا زمانہ ہوا کہ وہاں ایک مدرسہ اور بہت سے حمام بھی تعمیر کئے گئے تھے۔
دُنیسِر سے چند میل مشرق کی طرف دارا رومیوں کے زمانہ کا ایک بہت بڑا قلعہ تھا۔
جسے ابن حوقل نے ایک چھوٹا سا شہر لکھا ہے اور مقدسی نے بیان کیا ہے کہ ایک زمین دوز

نہر کی شاخوں کے ذریعہ سے اس شہر کے مکانوں میں کیوں کر پانی پہنچتا تھا، اور آخر میں یہ سب شاخیں جامع مسجد کے حوض میں کیوں کر اپنا پانی گراتی تھیں۔ اُس نے لکھا ہے کہ شہر کے تمام مکانات سیاہ پتھر کے بنے ہوئے تھے، اور انہیں کچھ اچھا لگایا گیا تھا۔ دارا دامن کوہ میں واقع تھا اور یاقوت نے لکھا ہے کہ یہاں کا محلب[1] مشہور تھا، اور باغوں میں میوہ بکثرت ہوتا تھا۔ لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب ابن بطوطہ دارا میں سے گزرا ہے تو اس کا قلعہ ایک غیر آباد ویرانہ ہو چکا تھا۔ ہادین کے جنوب مغرب میں (۹۷)
کفر توثا اسی نام کے دریا پر آباد تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں وہ بہت بڑا شہر بن گیا تھا، اور اس مقام پر واقع تھا جہاں سے آمد سے آنے والی شاہراہ دارا سے کفرتوثا والی سڑک سے ملتی تھی۔ کفرتوثا اس زمانہ میں دارا سے بڑا تھا لیکن ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت نے اُسے محض ایک بڑا گاؤں لکھا ہے[2]۔

راس العین سے آتے ہوئے بڑے دریائے خابور میں اُس کے بائیں کنارے کی جانب سے دریائے ہادین اپنا پانی شامل کر دیتا تھا اور اس مقام سے جنوب میں نصیبین سے آنے والا دریائے ہرماس بڑے دریائے خابور میں ملتا جاتا تھا۔ لیکن جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ ہرماس کا بہت سا پانی سُکیر العباس کے بند سے جو ہرماس اور خابور کے مقام اتصال کے قریب تھا، نہر الثرثار میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس طرح اب خابور میں بڑے دریاؤں کا، اور ان کے علاوہ بقول مقدسی تین سو نالے ندیوں کا پانی لئے ہوئے جنوب کی سمت میں قرقیسیا پہنچتا تھا۔ قرقیسیا دیار مضر کے علاقے کا صدر مقام تھا، جس کا ہم ابھی ہم ذکر کریں گے لیکن خابور قرقیسیا پہنچنے سے پہلے عرابان اور

---

[1] شجرۃ لہ حب یجعل فی الطیب والعطر (اقرب الموارد) ترجمہ یہ ایک درخت ہوتا ہے جس کے بیج طیب (خوشبو) اور عطر میں پڑتے ہیں (مترجم)

[2] بلاذری ص ۱۷۶ + اصطخری ص ۷۳، ۷۴ + ابن حوقل ص ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۲ + مقدسی ص ۱۴۰ + ابن جبیر ص ۲۴۲، ۲۴۴ + قزوینی ج ۲ ص ۱۷۲ + یاقوت ج ۲ ص ۵۱۴، ۶۱۲، ۷۳۳، ۹۱۱ + ج ۳ ص ۴۳۵ + ج ۴ ص ۲۷۷، ۳۹۰ + مستوفی ص ۱۶۶، ۲۰۵، ۲۱۹ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۴۲ + علی یزدی ج ۱ ص ۶۷۷ +

ماکسین کے شہروں کے پاس سے ہو کر نکلتا تھا' جن کی زمینیں خابور کے پانی سے سیراب
ہوتی تھیں' اور دیار ربیعہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ عرابان یا عربان کے شکستہ آثار اب بھی
پائے جاتے ہیں؛ چوتھی (دسویں) صدی میں اس کے گرد شہر پناہ تھی۔ یہاں سوتی کپڑا
بکثرت تیار ہوتا تھا' کیونکہ خابورس کی زمینوں میں روئی کی کاشت ہوتی تھی۔ مقدسی نے
لکھا ہے کہ عرابان ایک پہاڑی پر ہے' اور اس کے گرد باغات ہیں۔ اس کے جنوب میں
جہاں سے قریباً آدھی دور رہ جاتا ہے' ماکسین یا مکیسین کا شہر تھا؛ یہاں مسافر
کشتیوں کے پل کے ذریعہ سے خابور کو عبور کرتے تھے۔ روئی بکثرت یہاں بھی پیدا ہوتی
تھی' اور شہر کے قریب بالکل نیلگوں پانی کی ایک چھوٹی سی جھیل تھی جس کا نام منخرک تھا۔
اس کا رقبہ ایک ایکڑ کے تہائی کے قریب تھا' اور کہا جاتا ہے کہ اس کی تھاہ نہیں ملتی تھی۔

دریائے ہرماس کا منبع نصیبین سے چھ فرسخ شمال میں ایک چشمہ بیان کیا جاتا ہے؛
یہاں دریا کے پانی کو ایک پختہ دیوار کے ذریعہ سے روک دیا گیا تھا؛ اس دیوار کے پتھروں
کو لوہے کی ٹانکیوں سے جوڑ کر ریخوں میں سیسہ پلا دیا گیا تھا۔ مشہور یہ تھا کہ یونانیوں نے
یہ دیوار اس غرض سے بنائی تھی کہ نصیبین کو ہرماس کے سیلاب سے مستقلاً محفوظ کر دیا جائے۔
خلیفہ متوکل عباسی نے اس دیوار کو مسمار کرنے کا حکم دیا۔ دیوار تھوڑی سی توڑی گئی تھی
کہ پانی شہر میں آنا شروع ہو گیا' یہ دیکھتے ہی دیوار کو پھر درست کرا دیا گیا۔ نصیبین سے
کم و بیش سو میل جنوب کی طرف سکیر العباس کا بند تھا۔ جہاں چوتھی (دسویں) صدی میں (۹۸)
ایک بڑا شہر آباد تھا' جس میں ایک جامع مسجد اور بہت سے بازار تھے۔ یہ شہر نہر ثرثار
کے شروع کے سرے پر واقع تھا' اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ دریا دجلہ میں گرتا تھا
آج کل دریائے ثرثار کا پانی اسقدر کم ہو گیا ہے کہ اب وہ ایک بہتا ہوا دریا نہیں کہا
جا سکتا۔ یہ کمی اس وقت شروع ہو گئی تھی جب کہ یاقوت ساتویں (تیرھویں) صدی میں
اپنی کتاب لکھ رہا تھا؛ کیونکہ اس نے بیان کیا ہے کہ گو کثرت سے بارش ہونے پر پانی
اس دریا میں بہنے لگتا تھا' لیکن گرمی کے موسم میں صرف کہیں کہیں پانی یا سوتوں سے
کھاری پانی نکلتا دکھائی دیتا تھا۔ یاقوت نے خود اس دریا کے کنارے سفر کیا تھا اور
وہ لکھتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ کسی زمانہ میں خابور سے چلی ہوئی کشتیاں اسی دریا
سے گزرتی ہوئی دجلہ پہنچ جایا کرتی تھیں۔ دریائے ثرثار کے دونوں کناروں پر

جگہ جگہ دیہات کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ مگر جس زمانہ میں یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے تو اس دریا سے ہر طرف ریگستان ہی نظر آتا تھا۔

سنجار کے میدان میں دریائے ثرثار نے پہاڑیوں کے ایک سلسلہ کو، جنہیں جبل حمرین یا جبل بارمّا کہتے تھے، کاٹ کر اپنا راستہ نکالا تھا، اور ایک ندی شہر سنجار سے بہتی ہوئی شمال کی طرف سے اس میں ملتی تھی۔ چودھویں (دسویں) صدی میں شہر سنجار کے گرد فصیل تھی، اور اس کے گرد نہایت ہی زرخیز زمینیں تھیں۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اس شہر کے بڑھئی بڑے کاریگر مشہور تھے؛ میوؤں میں نارنگیاں، لیموں اور کھجوریں بکثرت پیدا ہوتی تھیں؛ اور شہر کے بیچ میں ایک بڑی جامع مسجد بھی تھی۔ اسلامی روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے زمانہ میں اسی سنجار کی شمال میں ایک پہاڑی پر سب سے پہلے ٹکی تھی لیکن پھر آگے بڑھ کر آخر دریا دجلہ کے مغربی جانب جبل جودی پر ٹھہر گئی تھی۔ اس کے علاوہ یاقوت نے لکھا ہے کہ سنجار کی شہرت اس وجہ سے بھی تھی کہ وہ سلاطین سلجوق میں سے سب سے آخری بڑے سلطان سنجار (یا سنجر) بن ملک شاہ کا مولد تھا۔ قزوینی لکھتا ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں سنجار کی حمام مشہور تھے جن کے پختہ فرش خوبصورت پچکاری کے کام تھے؛ اور ابن بطوطہ نے جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں وہاں سے گزرا تھا اس کی خوشنما مسجد کا ذکر کیا ہے فصیل شہر جس کا دور (۳۲۰۰) قدم تھا مستوفی کے بیان کے مطابق چونے اور پتھر کی بنی ہوئی تھی۔ شہر کے اکثر مکانات پہاڑ کی چڑھائی پر بنے ہوئے تھے اور ایک کے اوپر ایک اس طرح نظر آتا تھا جیسے زینہ کی سیڑھیاں۔ باغوں میں انگور، زیتون اور سماق[عله] بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ الحضر جسے رومی ہترا کہتے تھے، اس کی نسبت ابن سراپیون لکھتا ہے کہ شہر جنوب میں دریائے ثرثار پر سنجار اور اس موقع کے تقریباً درمیان تھا جہاں یہ دریا تکریت کے قریب دجلہ میں ملتا تھا۔ الحضر میں اب تک پہلوی زمانہ کے بنے (99)
ہوئے عالی شان محل کے آثار پائے جاتے ہیں۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اس کا بانی انساطرون نامی کوئی شخص تھا۔ اس محل کی چنائی مربع پتھروں سے کی گئی ہے اور اس کے

عله۔ سُماق بضم و تشدید میم نام دوائیست و آں میوہ باشد ترش (غیاث اللغات) مترجم

بہت سے کمرے ایسے تھے، کہ جن کی چھتیں اور دروازے بھی پتھر کے چوکوں کے تھے۔ یاقوت کا بیان ہے کہ اصل میں یہاں ساٹھ بڑے بڑے برج یا بلند مینار تھے، اور ایک مینار سے دوسرے مینار کے درمیان نو چھوٹے مینار تھے، اور چار دیواری کے باہر ہر ایک برج یا مینار کے مقابلے میں ایک ایک محل تھا۔

موصل سے نصیبین جانے والی سڑک دجلہ کے دائیں کنارے دریا کے چڑھاؤ کے رخ سات فرسخ جاکر بَلَد پہنچتی تھی، بَلَد اس مقام سے مطابق ہوتا ہے جسے آج کل اسکی موصل (یعنی پرانا موصل) کہتے ہیں۔ بَلَد پہنچ کر اس سڑک کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں، جن میں سے بائیں جانب والی شاخ تل اعفر سے ہوتی ہوئی سنجار جاتی تھی۔ یاقوت کہتا ہے کہ بلد جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں سے کسی بزرگ کا مزار بھی تھا، قدیم ایرانی شہر شہرآباذ کے موقع پر آباد تھا، اور یہ کہ بلد کا نام اکثر بَلَط بھی لکھا جاتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے بلد کو بڑا شہر بتلایا ہے اور مقدسی نے وہاں کے سنگین مکانات کا، جن میں چونے سے بہت کام لیا گیا تھا، اور وہاں کے عمدہ بازاروں کا، اور جامع مسجد کا جو شہر کے وسط میں تھی، ذکر کیا ہے۔ گرد و نواح کی زمینوں میں گنا پیدا ہوتا تھا، اور وہ بہت زرخیز تھیں۔ اس سے ایک منزل مغرب میں تل اعفر کی اونچی پہاڑی پر جس کے سوا وہاں کوئی اور پہاڑی نہ تھی، ایک قلعہ تھا یہاں سے شہر کے بیرونی مقامات جن میں سے ہو کر ایک ندی بہتی ہوئی نکلتی تھی، خوب نظر آتے تھے۔ بقول یاقوت یہ قلعہ نہایت محفوظ اور مضبوط بنا ہوا تھا، اور اردگرد کے اضلاع میں کھجور کے درخت بکثرت تھے۔ ان کی کھجوریں اَلْمَحْلَبِیَّہ کہلاتی تھیں۔ یہ نام ان کو محلب کی خوشبو یا محلب کی وجہ سے دیا گیا تھا جو یہاں بہت بنایا جاتا تھا۔

بلد سے آگے بڑھ کر سڑک کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں۔ ان میں دائیں ہاتھ کی شاخ باعینا تا جاتی تھی جو بقول مقدسی زرخیز علاقوں کے درمیان واقع تھا۔

۱ے شہر کا نام سنجار اور سلجوقی سلطان کا نام عام طور سے سنجر لکھا جاتا ہے + ابن سراپیون ص ۲۳، ۲۴ + ابن حوقل ص ۱۴۵، ۱۴۸، ۱۵۰ + مقدسی ص ۱۴۰، ۱۴۳ + یاقوت ج ۱ ص ۶۴۴، ۹۲۱ + ج ۲ ص ۱۸۰ + ج ۳ ص ۱۰۹، ۱۵۸ + ج ۴ ص ۹۶۲ + مستوفی ص ۱۶۶، ۲۱۹ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۴۱ + قزوینی ج ۲ ص ۲۶۳ +

مقدسی ہی یہ بھی لکھتا ہے کہ میسوپوٹیمیا میں یہ مقام سب سے زیادہ زرخیز، دولت مند
اور خوش گوار تھا۔ اس باعَینا ثا کو اسی نام کے ایک دوسرے مقام سے خلط ملط نہ کرنا
چاہیئے، جس کی بابت کہا گیا ہے کہ وہ ایک بڑا گاؤں تھا، جو شہر معلوم ہوتا تھا۔ اور اس دریا
کے کنارے تھا جو جزیرہ ابن عمر کے شمال میں دجلہ میں گرتا تھا باعینا ثا سے آگے
نَصِیبِین کی سڑک پر بَرقَعِید تھا، جہاں کے باشندے چوری چکاری میں ضرب المثل بنے ہوئے تھے
اور مسافروں اور اُن کے قافلوں میں چوریاں کیا کرتے تھے۔ تیسری (نویں) صدی میں
برقَعِید بڑا شہر تھا، اس میں تین دروازے، دو سو سے زیادہ دکانیں اور عمدہ پانی (۱۰۰)
کے بہت سے چشمے تھے ساتویں (تیرھویں) صدی تک اُدھر سے قافلوں کی آمدورفت
کسی قدر تھی لیکن یہاں کے لوگ اس قدر بدنام تھے کہ اس کی وجہ سے ذی رتبہ مسافروں
نے یہ راستہ بالکل چھوڑ دیا، اور اس وجہ سے برقَعِید محض ایک مختصر سا گاؤں رہ گیا۔
اَذْرَمَہ برقعید اور نصیبین کے درمیان نصف فاصلے سے کچھ کم پر واقع تھا
اور اس کا علاقہ بَیْن النَّہرَین (دو دریاؤں کے درمیان میں) کہلاتا تھا۔ تیسری (نویں)
صدی میں کہا جاتا ہے کہ یہاں ایک خوبصورت محل تھا، اور یہاں کی ندی پر ایک یک
محرابدار سنگین پل بنا ہوا تھا، اس چھوٹے سے شہر کے گرد دوہری فصیل تھی، اور
بیرونی فصیل کے گرد ایک گہری خندق تھی۔ بہرکیف یہ بیان خلیفہ معتصم عباسی کے طبیب کا
ہے، جو خود خلیفہ کے ہمرکاب اس طرف سے گذرا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی
نے بیان کیا ہے کہ اَذْرَمَہ ایک چھوٹا سا مقام ریگستان میں واقع تھا، اور قریب ہی
چند کنویں تھے اور ان کے گرد چند محرابدار عمارتیں تھیں [1]

---

[1] قدامہ ص ۲۴۴، + اصطخری ص ۷۳، + ابن حوقل ص ۱۴۸، ۱۴۹، + مقدسی ۱۳۹، ۱۴۰، + یاقوت ج ۱ ص ۱۷۱،
۴۷۲، ۵۷۱، ۷۱۵، ۸۶۳، + ج ۵ ص ۲۸۴، + قزوینی ج ۲ ص ۲۰۴ +

باب ہفتم (۱۰۱)

جزیرہ (جاری)

دیار مُضَر۔ رَقَّہ اور رَاس اِفِقَہ۔ دریائے بَلِیخ اور حَرَّان، رُہا اور حصن مَسلَمہ۔ قرقیسیا۔ نہر سَعِید، رَحبہ اور دَالِیہ۔ شام کا رُصافہ۔ عانہ۔ بالِس، جسر مَنبِج اور سُمَیساط۔ سَرُوج۔ دیار بکر۔ آمِد آمِدانی اور دریائے دجلہ کا منبع۔ مَیَّافارِقِین اور اَرزَن۔ حصن کیفا اور تل فافان۔ سَاعِرت۔

گذشتہ باب میں لکھا جاچکا ہے کہ دیار مضر دریائے فرات کے دونوں کناروں کا علاقہ تھا اور اس کا صدر مقام رَقّہ اس مقام سے ٹھیک کچھ شمال میں واقع تھا۔ جہاں دریائے بَلِیخ شمال سے آکر فرات سے ملتا ہے۔ اس شہر کا موقع وہی ہے جہاں کسی زمانہ میں یونانی شہر کے لی نی کوس Callinicus یا نے سی فوریم Nicephorium آباد تھا۔ عربی نام رَقّہ اس زمین کی کیفیت بیان کرتا ہے جس پر یہ شہر واقع تھا کیونکہ رَقّہ کے معنے ایسی مرطوب زمین کے ہیں جو کسی ایسے دریا کے کنارے ہو جس کا پانی خاص خاص موسموں میں اس زمین کو غرق آب کردے۔[علہ] اور اسی معنوں میں الرَّقَہ (دلدل) اور جگہ بھی بطور ایک مقامی نام کے آیا ہے اس لئے اس شہر کو دوسرے مقامات سے ممیز کرنے کے لئے اس کو الرَّقّۃ السوداء (سیاہ رقہ) کہتے ہیں۔ [illegible] ہیں کہ جب بنی عباسی خلیفہ ہوئے تو رَقّہ شمالی میسوپوٹیمیا کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا اور شام کی سرحد اس سے قریب تھی۔ اسی وجہ سے اُسے مستحکم کرنا ضروری تھا۔ اس غرض سے ۱۵۵ھ (۷۷۲ء) میں خلیفہ منصور

علہ الرقۃ: کل ارض الی جنب واد ینبسط الماء علیھا ایام المد ثم ینضب۔ مترجم

عباسی نے رَاقہ سے (۳۰۰، ذرع کے فاصلے پر رَافقہ (دوست) کا شہر بسا کر وہاں خراسانی فوجیں مقیم کیں، جو اس نئے خاندان خلافت کی نہایت خیر خواہ تھیں کہتے ہیں کہ رافِقہ کو بغداد کے نقشے پر تعمیر کیا گیا تھا، اور بغداد کی طرح یہ بھی ایک مُدَوّر شہر تھا۔ ہارون رشید نے اس شہر میں اضافہ کیا، اور اپنے لیئے وہاں ایک محل قصرُ السّلام تیار کرایا، کیونکہ جب بغداد میں گرمی بہت پڑنے لگتی تھی تو یہ خلیفہ اکثر رَقّہ یا رافقہ میں آکر رہا کرتا تھا۔ رَقّہ کا پرانا شہر جلد برباد ہوگیا، اور مرطوب زمین کے گرد جو ایک پایاب جھیل بن گئی تھی، رَقّہ اور رافقہ کی درمیانی زمین میں نئی نئی عمارتیں تعمیر ہوگئیں اور اسی عرصہ میں رفتہ رفتہ رافقہ ہی کو رَقّہ کہا جانے لگا اور رافقہ کا نام بھی رفتہ رفتہ سب بھول گئے، حالانکہ پہلے رافقہ درحقیقت رَقّہ کی محض ایک بیرونی آبادی (ربض) تھا، لیکن چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل رَقہ اور رَافقہ دونوں توام شہروں کا ذکر کیا ہے۔ ان دونوں میں ایک ایک جامع مسجد تھی (۱۰۲) ابن حوقل نے اُن اونچے اونچے عالیشان درختوں کا حال خصوصیت کے ساتھ لکھا ہے، جو ان دونوں شہروں کے گرد نظر آتے تھے۔ مقدسی نے صرف رقہ کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ بہت مستحکم اور محصون تھا اور اس میں دو دروازے تھے، اس کے بازارات ہی بہت عمدہ اور قرب وجوار کے دیہات کی پیداوار سے خوب معمور رہتے تھے، اس کے علاوہ یہاں مال اور لوگوں کی آمدورفت بکثرت تھی، اور زیتون کے تیل سے جو قرب وجوار کے دیہات میں تیار کیا جاتا تھا، صابن بنتا تھا۔ مقدسی کہتا ہے کہ یہاں کی جامع مسجد جو بہت ہی خوبصورت عمارت تھی، بزازوں کے بازار میں واقع تھی، اور رَقّہ کے بڑے مکانات میں ہر ایک مکان دومنزلہ تھا۔ اس شہر میں بہت اچھے حمام بھی تھے۔ قریب ہی پرانے شہر کے کھنڈر تھے، جو اس زمانہ میں الرقہ المحترقہ (جلا ہوا رقہ) کہلاتے تھے اس کے برعکس مستوفی نے رافقہ کو رقہ کی ایک بیرونی بستی ہی بتایا ہے، اور لکھا ہے کہ اس کی جامع مسجد ستاروں کے بازار میں تھی۔ اس بستی کے گرد شہتوت اور عناب کے درخت تھے، اور ان کے قریب ہی دریائے فرات کے عین کنارے پر ایک مسجد تھی۔

دریائے فرات کے داہنے کنارے پر رقہ کے سامنے ذرا بلندی پر صِفّین کا مشہور ومعروف میدان تھا جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

کے طرف داروں میں لڑائی ہوئی تھی۔ اُن بزرگوں کے مزارات جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے یہیں پر تھے اور ابن حوقل جس کے بیان کو مستوفی نے بڑھا کر لکھا ہے لکھتا ہے کہ یہاں یہ عجیب کرامات تھی کہ دور سے دیکھو تو معلوم ہوتا تھا کہ ہر ایک شہید اپنی قبر میں کفن اوڑھے لیٹا ہے لیکن جب قبر کے قریب جاؤ تو کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ صفین کے میدان جنگ کے سامنے دریائے فرات کے شمالی (بائیں) کنارے پر ایک قلعہ تھا جس کو بنی نمیر کے ایک عرب کے نام پر جو شروع میں اس کا مالک تھا قلعۂ جعبر کہتے تھے۔ ابتدا میں یہ قلعہ دَوسر کہلاتا تھا۔ زمانۂ مابعد کی تاریخ خلافت میں اس قلعہ کا ذکر اکثر آتا ہے۔ ۴۹۷ھ (۱۱۰۳ء) میں پہلے صلیبی جنگ کے دوران میں اس پر اُڈیسہ (رُہا) کے فرنگیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ رقہ کے جنوب میں دریائے بَلیخ فرات کے بائیں کنارے پر فرات میں ملتا تھا۔ بلیخ کو یونانی بلیکا (Bileeha) کہتے تھے۔ اس کا منبع عین الذہبانیہ نام کا ۱۰۳۱
ایک چشمہ حرّان کے شمال میں تھا۔ اس چشمے کا نام مختلف مصنفوں نے مختلف طور سے لکھا ہے۔ مثلاً الذہبانہ یا الذہبانیہ اور مستوفی نے (فارسی میں) اسے چشمۂ ذہانہ لکھا ہے[1]۔

دریائے بلیخ جنوب کی طرف بہتا ہوا (رقہ کے جنوب میں دریائے فرات سے ملتا تھا۔ اس راستے میں وہ اکثر بڑے بڑے شہروں کے پاس سے گزرتا تھا جو خود اس کے یا اس کے معاون دریاؤں کے پانی سے سیراب ہوتے تھے۔ اس کے منبع کے قریب حرّان یعنی قدیم کرہی (Carrhe) کا شہر تھا جو صابئین کا وطن ہونے کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو دین ابراہیمی کا پیرو بتاتے تھے۔ اور روایت یہ تھی کہ حرّان پہلا شہر تھا جو طوفان نوح کے بعد بنایا گیا۔ یہ صابئین سبئین (Sabaens) نہ تھے جیسا کہ ان دونوں کو اکثر خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ حرّان ایک خوشنما اور خوشگوار شہر تھا۔ اور اس کی حفاظت کے لئے ایک سنگ بستہ قلعہ تھا جس کے پتھروں کی خوبصورت چنائی دیکھ کر بیت المقدس کی دیواروں کی سنگ بستہ

[1] بلاذری ص ۱۷۹، ۲۹۷ + اصطخری ص ۷۵، ۷۶ + ابن حوقل ۱۵۳، ۱۵۴ + مقدسی ص ۱۴۱، ۱۴۲ + ابن سراپیون

تعمیر یاد آتی تھی۔ قلعہ میں ایک جامع مسجد بھی تھی۔ ابن جبیر نے جو ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں
وہاں سے گزرا تھا، لکھا ہے کہ خود شہر کے گرد ایک سنگ بستہ شہر پناہ تھی، اور مسجد کا
صحن بہت بڑا تھا، جس کے انیس دروازے تھے اور گنبد سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم
تھا۔ بازار مسقف تھے، ان پر لکڑی کے شہتیروں کی چھتیں پاٹی گئی تھیں۔ شہر میں ایک
مدرسہ اور ایک شفاخانہ بھی تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ قلعہ کی فصیل کا دور (۱۳۵۰) قدم
تھا۔ اس سے تین فرسخ جنوب میں مشہد ابراہیم (علیہ السلام) تھا اور قرب و جوار کے
علاقے کو سیراب کرنے کے لئے بے شمار چھوٹی چھوٹی نہریں موجود تھیں۔

اڈیسہ (Edessa) جسے عرب رُہا کہتے تھے (یہ نام یونانی نام کالرہوئی
(Callirrhoe) کی بگڑی ہوئی شکل ہے) دریائے بلیخ کے ایک معاون دریا کے سرے پر
واقع تھا۔ چونکہ یہاں زیادہ تر عیسائیوں کی آبادی تھی، اس لئے مسلمان جغرافیہ
نویسوں نے اس شہر کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔ بہرحال یہ شہر خاص کر اپنے متعدد
گرجاؤں کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا، جن کی تعداد کا اندازہ ابن حوقل نے (۳۰۰)
سے زیادہ کیا ہے۔ یہاں شروع سے وہ تبرک محفوظ تھا، جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کا منديل کہتے تھے، اور جسے وہاں کے مسلمان حکام نے رُہا کو رومیوں کے حملے اور لوٹ
سے بچانے کے لئے ۳۳۲ھ (۹۴۳ء) میں بازنطینی حکومت کے حوالے کر دیا تھا۔ چوتھی
(دسویں) صدی کے آخر میں مقدسی نے رُہا کی جامع مسجد کا حال بیان کرنے کے (۱۰۴)
بعد وہاں کے عالیشان بڑے گرجا کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ یہ عمارت اس زمانہ کے چار
عجائبات میں شمار ہوتی تھی۔ اس کی چھتوں پر اندر کے رخ پچی کاری (فسافساء) کا کام تھا۔
مقدسی کا بیان ہے کہ بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ اسی عمارت کے نمونے پر تیار کی گئی
تھی۔ مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شہر خوب مستحکم اور متحصن (محصّنة) تھا۔ لیکن پہلی
صلیبی جنگ کے موقع پر باوجود عربی فوج کی موجودگی کے اس شہر کو ۴۹۲ھ (۱۰۹۸ء)
میں بالڈون (Baldwin) نے فتح کر لیا اور اس کے بعد نصف صدی تک وہ لاطینی

(بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۳۰) ص ۱۲ + ابن رستہ ص ۹۰ + ابن خرداذبہ ص ۱۷۵ + یاقوت ج ۱ ص ۲۴۷ +
ج ۲ ص ۹۲۱، ۴۴۳ + ج ۴ ص ۱۱۲، ۲۶۴ + مستوفی ص ۱۶۶، ۲۱۹ + ابن الاثیر ج ۱۰ ص ۲۳۲ +

ریاست میں شامل رہا۔ ۵۴۰ھ (۱۱۴۵ء) میں زنگی نے اُسے دوبارہ جوسلین دوم (Joceline II) سے فتح کیا اور اس کے بعد رُہا مسلمانوں کے قبضے میں رہا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی تک اس کی بہت ہی خوشنما عمارتوں کے کھنڈر دکھائی دیتے تھے۔ چنانچہ مستوفی نے ایک بڑے سنگین گنبد کا ذکر کیا ہے، جس پر سنگ تراشی کا بہت عمدہ کام تھا، اور اس کے سامنے سو مربع گز پیمائش کا ایک صحن تھا۔ علی یزدی نے جہاں تیمور کی لڑائیوں کا حال لکھا ہے، وہاں رُہا کا ذکر ایک سے زیادہ مرتبہ کیا ہے۔ نویں (پندرھویں) صدی تک رُہا کا نام رُھا رہا، لیکن جب یہ شہر عثمانی ترکوں کے قبضے میں آیا تو وہ اُسے اُرفہ کہنے لگے، جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ عربی الرُّھا کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ آج کل اس شہر کا نام اُرفہ ہی ہے[1]۔

[1] اصطخری ص ۷۶+ ابن حوقل ص ۱۵۴+ مقدسی ۱۴۱، ۱۴۷+ ابن جبیر ص ۲۴۶+ یاقوت ج ۲ ص ۲۳۱، ۵۹۱- علی یزدی ج ۱ ص ۶۶۲+ مستوفی ص ۱۶۶+ جہاں نما ص ۴۴۳+ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا رومال (مندیل) جو اُڈیسہ (رُھا) میں محفوظ تھا من جملہ اور تبرکات کے ایک مشہور تبرک ہے۔ لیکن مستند مصنفوں میں اس امر پر اختلاف ہے کہ جو مندیل آج کل روما میں محفوظ ہے وہ اڈیسہ والا ہے، یا جینوا والا۔ ان کے علاوہ اور بھی حضرت عیسٰے علیہ السلام کے کئی مندیل ہیں۔ اس بارے میں سب سے پہلی اسلامی سند مسعودی کی تحریر ہے، جس نے اپنی کتاب اُسی سن میں لکھی تھی جب کہ مسلمانوں نے یہ مشہور تبرک قیصر قسطنطنیہ کے حوالہ کیا ہے۔ مسعودی نے اسے "یسوع ناصری کا مندیل" لکھا ہے، اور بتایا ہے کہ یہ وہی کپڑا تھا جس سے آپ نے اصطباغ کے بعد اپنا بدن خشک کیا تھا۔ اور مسعودی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ۳۳۲ھ (۹۴۴ء) میں یہ تبرک بازنطینیوں کے حوالے کر دیا گیا، اور اس کے ملنے پر وہاں بڑے جشن ہوئے۔ اسی لئے میں ابن حوقل نے اسے صرف "مندیل عیسٰے ابن مریم علیہ السلام" لکھا ہے+ ابن الاثیر نے اپنی تاریخ میں ۳۳۱ھ (۹۴۳ء) کے واقعات نقل کرتے وقت لکھا ہے کہ "یہ وہ رومال (مندیل) تھا جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اُس سے اپنا منہ پونچھا تھا، اور اس پر آپ کے چہرۂ مبارک کی شبیہ اتر آئی تھی"۔ اس کے بعد بیان کیا ہے کہ خلیفہ متقی عباسی کو کس طرح اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ مسلمان قیدیوں کی رہائی اور رُہا کو عیسائیوں کے حملے اور لوٹ سے محفوظ رکھنے کے عوض میں یہ تبرک یونانی قیصر کو دے دیا جائے۔ اُڈیسہ والے مندیل کی نسبت عیسائیوں کی جو

حَرّان کے جنوب میں اور دریائے بلیخ سے مشرق کی طرف کچھ فاصلے پر باجَدّا[۱]
کا چھوٹا سا شہر راس العین کو جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ اس کے باغات مشہور تھے اور (۱۰۵)
یہ حِصن مَسلَمَہ کے اعمال میں شمار ہوتا تھا، جو دریائے بلیخ سے بہ نسبت باجَدّا کے نزدیک
تر تھا۔ حصن مَسلَمَہ کے عالی شان قلعہ کا نام خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بیٹے مَسلَمَہ
کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہ حَرّان کے جنوب میں نو فرسخ کے فاصلے پر دریا کے اصلی
کنارے سے ڈیڑھ میل ہٹا ہوا واقع تھا۔ یہاں ایک نہر نکالی گئی تھی، جو قلعہ کے اندر
پانی پہنچا کر ایک حوض کو بھر دیتی تھی۔ یہ حوض خود مَسلَمَہ نے تیار کرایا تھا۔ اس کا
رقبہ (۲۰۰) فریع مربع، اور عمق (۲۰) فریع تھا۔ اس میں ہر جگہ پتھر لگا یا گیا تھا سال میں
صرف ایک مرتبہ اُسے بھرنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ باقی زمانہ میں اس کے پانی سے وہ
زمینیں سیراب کی جاتی تھیں جو حِصن مَسلَمَہ کے ارد گرد تھیں۔ جس رقبہ پر قلعہ کی عمارتیں
تھیں وہ ایک جریب (یعنی ایک تہائی ایکڑ) تھا، اور قلعہ کی دیواریں بلندی میں پچاس
فریع تھیں۔ حِصن مَسلَمَہ کے جنوب میں رَقّہ کی سڑک پر باجَروَان کا شہر رَقّہ
سے تین فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ یہ عمدہ شہر تھا، اگرچہ چوتھی
(دسویں) صدی میں برباد ہو چکا تھا۔ یاقوت، جس سے متذکرہ حالات حِصن مَسلَمَہ
کے نقل کیے گئے ہیں، لکھتا ہے کہ باجَروَان دیار مضر کے علاقہ کا محض ایک گاؤں تھا

رَقّہ سے تقریباً دو سو میل جنوب میں قَرقیسیا (یعنی قدیم کرکی سیوم) (Circeium)
دریائے دجلہ کے بائیں کنارے اسی جگہ تھا جہاں دریائے خابور کا (نصف پانی نہر ثرثار
میں گرنے کے بعد) دوسرا نصف حصہ دجلہ میں گرتا تھا، جس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔
ابن حوقل نے اسے ایک خوبصورت باغوں سے گھرا ہوا شہر بتایا ہے، لیکن یاقوت اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲) روایت کورینی کے موسیٰ (Moses of Chorene) نے بیان کی ہے وہ
یہ ہے کہ یہ تبرک حضرت مسیح علیہ السلام کی ایک شبیہ تھی، جسے بڑی صنعت سے کپڑے پر کاڑھا گیا تھا،
اور جسے حضرت مسیح علیہ السلام نے اڈیسہ کے بادشاہ ابگاروس (Abgarus) کے پاس بھیجا تھا۔
مسعودی (مروج، ج ۲ ص ۳۳۱ + ابن الاثیر ج ۸ ص ۳۰۲ +

[۱] ابن حوقل ص ۱۵۷ + قدامہ ص ۲۱۵ + یاقوت ج ۱ ص ۴۵۳، ۴۵۲، ۴۳۴، ج ۲ ص ۸۷۴ +

مستوفی دونوں اُسے قریب کے شہر رُحبَہ سے چھوٹا بتاتے ہیں۔ قرقیسیا سے تین فرسخ کے فاصلے پر فرات کے مغربی کنارے سے ہٹا ہوا واقع تھا۔ رَحبَہ کے لغوی معنے میدان یا صحن کے ہیں اس مقام کو ممیز کرنے کے لئے اسے عام طور پر رَحبَۃ الشّام، یا اس کے بانی کے نام پر رَحبَہ مَلِک بن طوق کہتے تھے۔ ملک بن طوق خلیفہ مامون عباسی کے عہد میں گذرا تھا۔ اس کے قریب دَالِیَہ (رحبٹ) کا چھوٹا سا شہر تھا، اور یہ دونوں مقامات نہر سعید کے کنارے کے قریب واقع تھے۔ نہر سعید قرقیسیا سے ذرا شمال میں دریائے فرات کے دائیں کنارے سے نکالی گئی تھی، اور اس کو ایک بڑا خم دے کر دالیہ کے شمال میں پھر فرات سے ملا دیا گیا تھا۔ دالیہ بھی رحبہ کی طرح دالیہ ملک بن طوق کہلاتا تھا۔ نہر سعید کو اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بیٹے سعید نے کھدوایا تھا۔ یہ شہزادہ نہایت
(۱۰۶) عابد و زاہد تھا، اور اسی وجہ سے سعید الخیر کے نام سے مشہور ہے۔ سعید تھوڑی مدت کے لئے موصل کا والی بھی رہ چکا تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ رحبہ شمالی میسوپوٹیمیا میں دریائے فرات کے کنارے کے سب سے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کی آبادی نصف دائرہ کی شکل میں صحرا کی سرحد تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے گرد مستحکم شہر پناہ تھی، اور باہر ایک بستی (ربض) بھی تھی۔ دالیہ رحبہ سے بہت چھوٹا لیکن بڑی جگہ تھا۔ یہ ایک بلندی پر واقع تھا، جہاں سے دریائے فرات کا کنارا سامنے پڑتا تھا۔

صحرا میں رَحبَہ اور رَقّہ کے درمیان رُصافَہ تھا، جسے رُصافۃ الشّام یا بانی شہر کے نام رُصافۂ ہِشام کہتے تھے۔ اس کے شکستہ آثار اب تک رقّہ سے چار فرسخ جنوب میں پائے جاتے ہیں۔ عبدالملک کے بہت سے بیٹوں میں سے خلیفہ ہشام نے یہ قصر اس غرض سے بنوایا تھا کہ جس وقت شام میں ہر جگہ طاعون پھیلا ہوا تھا تو اس سے محفوظ رہنے کے لئے وہ چند روز کے لئے یہاں سکونت اختیار کر لے۔ اسی مقام پر اشاعت و تبلیغ اسلام سے قبل غسانی بادشاہ بھی رہا کرتے تھے۔ یہاں چند پرانے کنوئیں موجود تھے، جن کی نسبت یاقوت لکھتا ہے کہ (۱۲۰) فرع گہرے تھے۔ ابن بطلان مشہور طبیب جس نے اپنی کتاب سنہ ۴۴۳ھ (۱۰۵۱ء) میں لکھی ہے رُصافَہ کے حالات میں لکھتا ہے کہ یہاں ایک گرجا تھا جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ قیصر قسطنطین نے اُسے تعمیر کرایا تھا۔ اس کے در و دیوار پر سونے کا کام تھا اور اس کے فرش کے نیچے اُسی وسعت کا ایک تہ خانہ تھا۔

جس کی چھت سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم تھی۔ پانچویں صدی تک یہاں کی آبادی کا کثیر حصہ عیسائی مذہب ہی میں داخل تھا۔ یہ لوگ رہزنی اور صحرا سے حلب تک قافلوں کی رہبری کے پیشوں کو ساتھ ساتھ اختیار کرکے خوب نفع اٹھاتے تھے۔ فرات کے مشرقی جانب رَقّہ اور قرقیسیا کے درمیان قرقیسیا سے دو دن کی مسافت پر الخانوقہ کا شہر تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ وہ خاصا بڑا شہر تھا، یاقوت نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ اس کے قرب و جوار میں المضیق کا علاقہ تھا۔

قرقیسیا کے جنوب میں جزیرہ کی حدود کے اندر صرف ایک شہر یعنی عانہ قابل ذکر ہے، یہی وہ شہر ہے جسے قدیم زمانہ میں اناتھو (Anatho) کہتے تھے اس کا نشان اب بھی نقشے پر ملتا ہے۔ ابن سراپیون نے لکھا ہے کہ عانہ ایک ٹاپو پر واقع ہے، جس کے گرد دریائے فرات بہتا ہے۔ لیکن ابن حوقل نے لکھا ہے کہ دریائے فرات سے پانی کی ایک شاخ نکلی ہے، جس نے یہ ٹاپو بنا دیا ہے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ عانہ میں دریا کے کنارے ایک مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا، اور یہیں خلیفہ القائم عباسی نے ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ء) میں اس وقت پر پناہ لی تھی، جب بُسَاسِیرِی دیلمی نے بغداد پر قبضہ کرکے وہاں مصر کے فاطمی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھوایا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں بھی عانہ خوبصورت شہر تھا، اور یہاں کے نخلستان مشہور تھے۔ الفرضہ کا بندرگاہ جو (۱۰۷) دوسروں سے ممیز کرنے کے لئے فُرضہ نُعْم کہلاتا تھا، دریائے فرات پر عانہ سے مغرب کی طرف اور عانہ اور قرقیسیا سے مساوی فاصلے پر تھا، اور غالباً اسی بندرگاہ پر دریائے فرات نے مشرق کی طرف جو خم کھایا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اب نقشے پر فرضہ نُعْم کا کہیں پتہ نہیں ہے۔ بہرحال کسی زمانہ میں یہ ایک قابل ذکر مقام تھا، کیونکہ یہیں سے شاہراہ کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں بائیں جانب کی شاخ براہِ راست صحرا میں سے گزرتی ہوئی رصافہ سے ہو کر رَقّہ جاتی تھی، اور دائیں جانب والی شاخ دریا کے کنارے کنارے چلی جاتی تھی۔[1]

رَقّہ سے آگے دریائے فرات کے تین شہر بالِس، جسر مَنْبِج اور سُمَیْساط

---

[1] اصطخری ص ۷۷، ۷۸ + ابن حوقل ص ۱۵۵، ۱۵۶ + مقدسی ص ۱۴۲ + بلاذری ص ۱۷۹، ۱۸۰، ۳۳۲

ملک شام میں زیادہ تر اس وجہ سے شامل سمجھے جاتے تھے کہ وہ دریا کے دائیں یا مغربی کنارے پر تھے۔ لیکن اکثر جغرافیہ نویس ان کو جزیرہ ہی میں شامل سمجھتے ہیں بالس رقہ کے عین مغرب میں میدان صِفّین کے خاتمے پر اُس جگہ واقع تھا جہاں دریائے فرات جنوب کی سمت میں بہتے بہتے مشرق کی طرف مڑ جاتا ہے۔ یہ بالس رومیوں کا باربالیسوس (Barbalissus) ہے جو دریائے فرات کے کنارے ملک شام کا بڑا دریائی بندرگاہ تھا، اور اسی وجہ سے بہت سی سڑکوں کا جن پر قافلے چلتے تھے مرکزی مقام تھا۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ بالس کے گرد مضبوط فصیل تھی، اور اس فصیل اور فرات کے درمیان باغات تھے۔ گیہوں اور جوار کی فصلیں اس کی زمینوں کی خاص فصلیں تھیں، اور باوجود کسی قدر ویران ہو جانے کے مقدسی لکھتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں بالس ابھی تک آبادہ معمور شہر تھا۔ یاقوت کا بیان کہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں راستے کی تبدیلی کی وجہ سے دریائے فرات شہر سے چار میل سے کسی قدر زیادہ فاصلے تک ہٹ گیا تھا۔ اور ابو الفداء نے اس شہر کا ذکر اس طور سے کیا ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عروج کے دن مدت ہوئی ختم ہو چکے تھے۔

جسرِ مَنبِج، جہاں کشتیوں کے ایک پل سے فرات کو عبور کرتے تھے، اور وہاں سے سڑک مغرب کی سمت میں صوبہ حلب کے مقام منبج (Hierapolis) کو جاتی تھی۔ زمانہ وسطیٰ میں بڑا قابل لحاظ مقام تھا۔ پل کی حفاظت کے لئے یہاں ایک بڑا قلعہ تھا، اور اس کے نیچے فرات کے کنارے پر چھوٹا سا شہر تھا۔ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہونے کی وجہ کر قلعۃ النجم (یعنی تارے کے قلعہ) کے نام سے مشہور تھا، اور حصن منبج بھی کہلاتا تھا جب ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں ابن جُبیر اندلسی حرّان سے آتا ہوا قلعۃ النجم کے پاس سے گذرا ہے تو اس نے اس بازار کا ذکر کیا ہے جو اس قلعہ کی دیواروں کے نیچے ہوا کرتا تھا۔ ابو الفداء کہتا ہے کہ اس قلعہ کو زنگی کے بیٹے سلطان نور الدین نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا، اور اس کی مستقیم فوج، بلاکسی خدشے کے، قرب و جوار کے ان شہروں میں ترک تازیان (۱۰۸)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۵) ابن سراپیون ۱۰، ۱۴؛ یاقوت ج ۲ ص ۴۹۹، ۴۷۳، ۶۶۴، ۴۸۷، ۵۵۹؛ ج ۳ ص
۵۵۵، ۴۷۲؛ ج ۴ ص ۶۵، ۸۴۰؛ مستوفی ص ۱۳۶، ۱۶۶؛

کرتی تھی، جو صلیبی مجاہدوں کے قبضے میں تھے۔ ساتویں (تیرھویں) صدی کے نصف آخر میں قزوینی نے یہاں کے چالباز جواریوں کی مفصل کیفیت بیان کی ہے کہ کس طرح جو مالدار مسافر اُدھر سے گذرتے تھے، ان کا حال معلوم کر کے اون سے جوا کھیلتے تھے اور اس کھیل میں اپنے شرکا کی مدد سے ایسے مسافروں کا کل مال و اسباب جھپٹ لیتے تھے۔ قزوینی لکھتا ہے کہ یہ جوا اس بلا کا ہوتا تھا کہ مسافر کے پاس جو کچھ ہوتا تھا، اس میں سے اور بدن کے کپڑوں میں سے، سوائے پاجامے کے، اور کچھ نہ رہتا تھا۔ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ یہ بدمعاش بازی لگا کر خود مسافر کو بھی جیت لیتے تھے، اور جب تک اس کا کوئی دوست اس کو خرید کر ان کو روپیہ نہ دیتا اُسے نہ چھوڑتے تھے۔

سُمَیْسَاط جسے رومی ساموساٹا (Samosata) کہتے تھے رَقّہ سے اور بھی شمال کی طرف دریائے فُرات کے دائیں یعنے شمالی کنارے پر واقع تھا، اور یہاں دریا مغرب کی سمت بہتا تھا۔ یہ ایک نہائت ہی مضبوط قلعہ تھا۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ سُمَیْسَاط کو قلعۃ الطین (مٹی کا قلعہ) بھی کہتے تھے، اور یاقوت کا بیان ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں سُمَیْسَاط کے ایک حصہ میں صرف ارمنی بستے تھے۔ اب دیارِ مضر کے شہروں کی فہرست مکمل کرنے کے لئے سَرُوج کا ذکر کرنا باقی رہ جاتا ہے۔ یہ شہر رَقّہ اور سُمَیْسَاط کے بیچوں بیچ اس سڑک پر واقع تھا، جو رَقّہ سے شمال کی طرف ریگستان سے گذرتی ہوئی سُمَیْسَاط جاتی تھی؛ اور یہ سڑک اس نصف دائرہ کے دونوں سروں کو ملاتی تھی، جو یہاں دریائے فُرات کے رہگزر نے پیدا کیا تھا۔ اس کے علاوہ سَرُوج اس سڑک پر بھی تھا، جس سے قافلے حرّان اور اُڈیسہ (رُہا) سے جسرِ منبج کو جایا کرتے تھے۔ ابن حوقل نے اسے ایک خوبصورت شہر بتایا ہے، جس کے گرد و زرخیز علاقے تھے۔ یاقوت نے ابن حوقل کے قول کی تصدیق کی ہے اور اس کے سوا اس شہر کے متعلق ہمارے علم میں کوئی اضافہ نہیں کیا[1]۔

[1] اصطخری ص ۶۲، ۷۶، ۷۷ + ابن حوقل ص ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۵۴، ۱۵۷ + مقدسی ص ۱۴۵ + مستوفی ج ۱ ص ۲۱۵ + ابن جبیر ص ۲۵۰ + یاقوت ج ۱ ص ۴۷۷ + ج ۳ ص ۸۵، ۱۵۱ + ج ۴ ص ۱۶۵ + ابو الفدا ص ۲۲۱، ۲۲۹ + قزوینی ج ۲ ص ۱۶۰ +

دیار بکر اُن تینوں حصوں میں سے جن میں جزیرہ تقسیم کیا گیا تھا سب سے چھوٹا حصہ تھا۔ اس حصے کے تمام شہر یا تو دریائے دجلہ کے بالائی رہ گزر کے کنارے یا اس رہگزر کے شمال میں واقع تھے۔ اس حصہ کا صدر مقام آمِدُ تھا، جسے بعض اوقات حامِدُ بھی کہتے تھے۔ اصل میں یہ رومی نام امیدا (Amida) تھا۔ زمانۂ مابعد میں یہ شہر جس علاقہ میں تھا اُس علاقے کے نام پر اسے دیار بکر کہنے لگے تھے اور اس وقت بھی اسی نام سے یا قارَا آمِدُ (یعنی کالا آمد) کے نام سے مشہور ہے۔ قارَا آمِدُ کا نام اس وجہ سے ہوا کہ یہاں کی عمارتوں میں جو پتھر لگایا گیا ہے وہ سیاہ ہے۔

آمِدُ کا شہر دریائے دجلہ کے داہنے یا مغربی کنارے پر واقع تھا، اور ایک پہاڑی، جس کی بلندی سو قد آدم [اقامة] تھی اُس کے قریب واقع تھی۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ اس کی فصیل چکیوں والے سیاہ پتھر [حجارة الارحیة] کی بنی ہوئی تھی۔ مقدسی نے یہاں کی مضبوط فصیل کو انطاکیہ کی شہر پناہ کے مشابہ تبلایا ہے۔ باہر والی فصیل مورچہ بند تھی، اور اس میں دروازے بھی تھے۔ اس میں اور اندرونی فصیل میں جگہ صاف چھوٹی ہوئی تھی۔ اس میں بعد کو شہر کے باہر والے محلّے آباد ہو گئے۔ شہر کے اندر پانی کے چشمے تھے، اور مقدسی نے اس سیاہ پتھر کا بھی ذکر کیا ہے جس پر یہ شہر قائم تھا اور جس سے اس کی عمارتیں بنائی گئی تھیں۔ آمد میں ایک خوبصورت جامع مسجد تھی، جس کے پانچ دروازے تھے یعنی باب الماء، باب الجبل، باب الرُّوم، باب التَّل اور باب السِّر، جو صرف جنگ کے زمانہ میں کام آتا تھا۔ قریب کی پہاڑی کو بھی شہر کی مورچہ دار فصیل نے اپنے اندر لے لیا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی لکھتا ہے کہ رومی سلطنت سے مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کے پاس اپنی سرحد پر آمِدُ سے بہتر اور زیادہ مستحکم کوئی قلعہ نہ تھا۔ (۱۰۹

ایرانی سیاح ناصر خسرو ۴۳۸ھ (۱۰۴۶ء) میں آمِد سے گذرا تھا، اور اس نے یہاں کے چشم دید حالات بہت احتیاط سے لکھے ہیں۔ شہر (۲۰۰۰) قدم [گام] مربع تھا اور فصیل شہر نے جو سیاہ پتھر کی بنی ہوئی تھی، مغرب کی پہاڑی کو بھی اپنے اندر لے لیا تھا۔ یہ فصیل بیس گز [اَرَش] اونچی اور دس گز [اَرَش] چوڑی تھی۔ اس کے پتھر چونے سے نہیں جوڑے گئے تھے بلکہ نہایت وزنی پتھر بغیر ریختے کے چن دئیے گئے تھے۔ ناصر خسرو نے اندازہ کیا ہے کہ اس کے ایک ایک پتھر کا وزن ایک ایک ہزار من (تقریباً

بَین ٹن) تھا؛ اور دیوار کے ساتھ ساتھ سو سو گز کے فاصلے پر ایک ایک برج نصف دائرے کی شکل کا تھا۔ دیوار کی پیشانی اور اس کے کنگرے بھی اسی قسم کے سیاہ پتھر کے تھے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے؛ فصیل میں اندر کے رخ جا بجا سلامی دار راستے تھے جن پر چڑھ کر فصیل کے اوپر پہنچتے تھے۔ شہر کے چار دروازے تھے۔ یہ دروازے شمال، جنوب، مشرق، مغرب رویہ تھے ان کے کواڑ آہنی تھے۔ مشرقی دروازے کو باب دِجلہ، غربی کو باب الرُّوم شمالی کو باب الارمن (ارمنی لوگوں کا دروازہ) اور جنوبی کو باب التَّلّ (پہاڑی والا دروازہ) کہتے تھے۔ اس شہر پناہ کے باہر اسی سیاہ پتھر کی بنی ہوئی ایک دوسری فصیل دس گز اونچی تھی؛ اور ان دونوں کے بیچ میں (۱۵) گز عریض جگہ جو شہر کے گرد چھوٹی ہوئی تھی اس میں شہر کے باہر کی بستی آباد تھی۔ اور اس تمام فصیل کے اوپر جگہ اتنی کشادہ تھی کہ فوج وہاں آراستہ ہو کر شہر کو دشمن سے بچا سکتی تھی؛ اس بیرونی فصیل میں بھی اندرونی شہر پناہ کے دروازوں کی طرح دروازے اور لوہے کے پھاٹک تھے۔ ناصر خسرو لکھتا ہے کہ مستحکم مستحکم شہر جو اس کے نظر سے گذرا ہے ان میں سے ایک آمِد تھا۔

(۱؎ آمد کے متعلق ناصر خسرو کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ ان کا مقابلہ کالی سٹرینج کے الفاظ سے کرنے سے دونوں کا فرق ظاہر ہو جائے گا۔ (سفرنامہ مطبوعہ مطبع کاویانی (برلین، ۱۳۴۱ھ صفحہ ۱۱-۱۲)

بنیاد شہر (آمد) بر سنگے یک لخت نہادہ۔ و طول شہر بمساحت دو ہزار گام باشد و عرض ہم چندیں گرد او سورے کشیدہ است از سنگ سیاہ کہ خشت ہائے بریدہ است از صد منی تا یک ہزار منی و بیشتر ایں سنگہا چناں بیک دگر پیوستہ است کہ ہیچ گل و گچ درمیان آں نیست؛ بالائے دیوار بست ارش ارتفاع دارد و پہنائے دیوار دہ ارش۔ بہر صد گز برجے ساختہ کہ نیمۂ دائرہ آں ہشتاد گز باشد و کنگرہ او ہم ازیں سنگ و از اندرون شہر بسیار جائے نردبانہائے سنگین بستہ است کہ بر سر بارو توانند شد و بر سر ہر برجے جنگ گاہے ساختہ و چہار دروازہ بریں شہرستان است ہمہ آہن بے چوب ہر یکے روئے بجہتے از جہات عالم؛ شرقی را باب الدجلہ گویند، غربی را باب الروم، شمالی را باب الارمن، و جنوبی را باب التل۔ و بیرون ایں سور سورے دیگر است، ہم ازیں سنگ بالائے آں دہ گز و ہمہ سرہائے دیوار کنگرہ و از اندرون کنگرہ ممرے ساختہ چنانچہ با سلاح تمام مرد بگذرد و بایستد و جنگ کند باسانی و ایں سور بیرونی را نیز دروازہ ہائے آہنیں برنشاندہ اند مخالف دروازہ ہائے اندرونی؛ چنانچہ چوں

شہر کے وسط میں پانی کا ایک بڑا چشمہ تھا جس سے پانچ پن چکیاں چلتی تھیں
اس کا پانی بہت اچھا تھا؛ اور شہر سے باہر نکل کر قرب وجوار کے باغوں کو سیراب کرتا تھا
یہاں کی جامع مسجد بھی شہر کے مکانات کی طرح سیاہ پتھر کی تھی؛ اور وہ ایک خوبصورت عمارت
تھی (ایسی کہ اُس سے زیادہ خوبصورت اور مضبوط تعمیر نہیں ہو سکتی ع۱)۔ اس کی چھت دو پاکھی (۱۱۰)
سلامی دار تھی؛ مسجد میں دو سو ستون تھے، اور ہر ستون سالم پتھر (یک پارہ سنگ) کا تھا۔ ہر جگہ دو ستونوں پر ایک ایک سنگین محراب تھی؛ اور ان محرابوں پر چھت کے گرد نیچے سے نیچے چھوٹے چھوٹے ستونوں کی ایک صف چلی گئی تھی مسجد کی چھت پر تکلف خاتم بندی کی تھی، اور نقش ونگار رنگین تھے، اور ان پر روغن پھرا ہوا تھا۔ مسجد کے وسط میں ایک گول سنگین حوض تھا، جس کے بیچ میں پیتل کے فوارے سے شفاف پانی کی دھاریں اونچی اُٹھ کر پھر اسی حوض میں گرتی تھیں، اور حوض کا پانی جتنا تھا اتنا ہی رہتا تھا ع۲ +

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۹) از دروازہ ہائے سور اول در روند مبلغے در فصیل ببایدرفت تا بدروازہ سور دوم رسند و فراخی فصیل پانزدہ گز باشد . . . .
من فراوان شہرہا وقلعہ ہا دیدم در اطراف عالم در بلاد عرب وعجم وہند وترک مثل شہر آمد ہیچ جا ندیدم کہ بر روئے زمین چناں باشد و نیز از کسے شنیدم کہ گفت کہ چناں جائے دیگر دیدہ ام" (مترجم)

(ع۱ سفر نامۂ ناصر خسرو صفحہ ۱۲ مترجم)

(ع۲ ناصر خسرو (سفر نامہ صفحہ ۱۲) آمد کی مسجد کے متعلق لکھتا ہے:۔ "و مسجد جامع ہم ازیں سنگ سیاہ است چنانچہ از آں راست تر ومحکم تر نتواند بود۔ ودرمیان جامع دویست و اند ستون سنگین برداشتہ است ہر ستون یک پارہ سنگ و بر سر ستونہا طاقہا زدہ است ہمہ از سنگ، و بر سر طاقہا باز ستونہا زدہ است کوتاہ تر از آں۔ وصفے دیگر طاق زدہ بر سر آں طاق ہائے بزرگ؛ و ہمہ بامہائے ایں مسجد بخرپشتہ پوشیدہ ہمہ نجارت و نقارت و منقوش و مدہون کردہ + و اندر صحن مسجد سنگے بزرگ نہادہ است و حوضے سنگین مدور عظیم بزرگ بر سر آں سنگ نہادہ؛ و ارتفاعش قامت مردے و دور دائرہ آں دو گز و ناشیرہ اے برنجین از میان حوض برآمدہ کہ آبے صافی بفوارہ از آں بیروں میاید چنانکہ مدخل ومخرج آں آب پیدا نیست" + یہاں ناصر خسرو کی عبارت اور لی اسٹرینج کے بیان میں فرق معلوم ہوتا ہے۔ (مترجم)

اسی جامع مسجد کے قریب ہی سیاہ پتھر کا بنا ہوا ایک بڑا گرجا تھا، مگر فرش اس کا سنگ مرمر کا تھا اور دیوار وں پر سنگ تراشی کا عمدہ کام تھا۔ اسی گرجا میں عبادت گاہ میں جانے کے لئے مشبک آہنی دروازہ تھا کہ اس کی مثل ناصر خسرو نے اور کہیں نہیں دیکھا تھا۔

آمِد کی مذکورۂ بالا شان و شوکت کی تصدیق اس گمنام مشرح کی تحریر سے بھی ہوتی ہے، جس نے ابن حوقل کے پیرس والے نسخے کی شرح لکھی ہے اور جو خود ۵۳۴ھ (۱۱۴۰ء) میں آمد آیا تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ اس شہر کے بازار اچھے بنے ہوئے تھے اور تجارت کا سامان ان میں بھرا رہتا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت او قزوینی نے بھی مذکورہ بالا بیانات کا ایک بڑے حد تک اعادہ کیا ہے۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ آمِد اس زمانہ میں ایک بڑے رقبہ میں واقع تھا، جس کی شکل نصف دائرے کی تھی۔ دجلہ نے اس کے قریب سے مشرق کی طرف بہنا شروع کیا تھا، اور دوسرے جانب اس کے گرد نہایت عالیشان باغ تھے۔ اس کے بعد کی صدی میں مستوفی نے آمِد کو ایک متوسط درجے کا شہر لکھا ہے، جہاں سے ایل خانی بادشاہوں کو (۳۰۰۰) دینار بطور محاصل وصول ہوتے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) کے آخر میں تیمور نے آمِد کو فتح کر لیا[1]+

آمد کے شمال میں، اور بالائی دجلہ کی مشرقی شاخوں میں سے ایک شاخ پر حانی کا شہر تھا، یاقوت لکھتا ہے کہ اس کے قریب لوہے کی ایک کان تھی، جس کی وجہ سے اس کو بہت شہرت حاصل تھی۔ اور اس کان سے باہر بھیجنے کے لئے بہت سا لوہا نکالا جاتا تھا۔ حانی کا تذکرہ مستوفی نے بھی کیا ہے۔ اس شہر سے ذرا مغرب کی طرف دریائے دجلہ کا بڑا منبع واقع تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ دریا ایک تاریک غار (کہف) سے نکلتا تھا، اور اس وقت اس کا پانی سبز رنگ کا ہوتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ شروع میں یہ دریا بہت ہی کم عریض ہے اور پانی کا حجم صرف اتنا ہے کہ ایک پن چکی اس سے چل سکتی ہے۔ لیکن آگے چل کر جلد اس میں بہت سے دریا مل جاتے ہیں، جس سے اس کا پاٹ بڑھتا

[1] اصطخری ص ۱۰۵، ابن حوقل ص ۱۵۰، ۱۵۱+ مقدسی ص ۱۴۰+ ناصر خسرو (مطبوعہ کاویانی پریس) ص ۱۱، ۱۲+ یاقوت ج ۱ ص ۶۶+ قزوینی ج ۲ ص ۳۴۳+ مستوفی ص ۱۶۵، علی یزدی ج ۱ ص ۶۸۲+

جاتا ہے۔ ان دریاؤں میں سے جو سب سے پہلے اس میں شامل ہوتا ہے وہ نہر الذئب (بھیڑیئے والا دریا) ہے، غالباً یہ دریا وہی ہے جسے نہر الکلاب (کتوں والا دریا) کہتے ہیں، اور جس کا ذکر یاقوت نے کیا ہے۔ یہ دریا چند پہاڑیوں سے نکلا ہے، جو شہر حانی کے شمال میں شِمشَاط کے قریب واقع ہیں۔ یاقوت کے بیان کے مطابق دریائے دجلہ کا منبع آمِد سے ڈھائی دن کی مسافت پر ہَلُورَس کے مقام پر تھا۔ (۱۱۱)
جہاں علی ارمنی نے شہادت پائی تھی"۔ یاقوت نے بھی اس تاریک غار کا ذکر کیا ہے جہاں سے یہ دریا اُبل کر بہتا ہے۔ دجلے کے اور بہت سے معاونوں کا ذکر مقدسی اور یاقوت نے کیا ہے۔ لیکن ان کے بیانات میں تطابق پیدا کرنا مشکل ہے، غالباً ان دریاؤں کے ناموں میں چوتھی اور ساتویں (دسویں اور تیرھویں) صدی کے درمیان بہت کچھ تغیر و تبدل ہوتا رہا۔

آمِد سے کچھ دور جنوب میں دریائے دجلہ یک بارگی زاویہ قائمہ بناتا ہوا مشرق کی طرف مڑ جاتا ہے، اور پھر شمال سے ایک ندی نہر الرَّمس یا نہر الصَّلب اس میں ملتی ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ قابل ذکر معاون دریا وہ ہے جو شہر میّافارِقین کے شمال سے آتا ہے، اور جس کی ایک شاخ اس شہر کے پاس گذرتی ہے۔ اس دریا کا نام ساتِیدَما یا ساتیدَماذ ہے اس کی ایک شاخ القلق کے علاقے سے آتی تھی، اور اس کا نام وادی الزَّرد تھا، اور خود دریائے ساتیدما کا نکاس دَرب الکلاب (کتوں والے درہ) سے ہوا تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہ نام ایک مشہور قتل عام کی بناء پر شہرت پا گیا تھا، جس میں ایک موقع پر ایرانی فوج نے یونانیوں کی پوری جمعیت کو کتوں کی طرح مار ڈالا تھا"۔ یہ واقعہ انوشیروان عادل کے عہد کا ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چند سال قبل کا، جس دریائے ساتیدما کا ذکر ابن سراپیون نے کیا ہے، اس کو مقدسی نے نہر المسولیات لکھا ہے، جسے آج کل بَتمَن صُو کہتے ہیں۔ اس کی ایک معاون شاخ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا میافارقین کے پاس سے گزرتی تھی[1]۔

[1] ابن سراپیون ص ۱۷، ۱۸؛ مقدسی ص ۱۴۴؛ یاقوت ج ۲ ص ۱۸۸، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۶۳، ۹۵۶

عربی میّا فارِقین ارامی نام میفرکَت یا ارمنی نام مُوفرگِن کی بگڑی ہوئی شکل ہے یونانی اسی شہر کو مارٹروپولس (Martyropolis) کہتے تھے۔ مقدسی نے چوتھی (دسویں) صدی میں اسے عمدہ شہر لکھا ہے، جس کے گرد کنگروں والی ایک تنگ بستہ فصیل اور خندق تھی اور اس فصیل کے باہر بڑی وسیع بستیاں تھیں۔ اس کی جامع مسجد بھی خوبصورت عمارت تھی، لیکن مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں باغات کم تھے۔ ۴۳۸ھ (۱۰۴۶ء) میں ناصر خسرو میّا فارِقین آیا تھا وہ لکھتا ہے کہ شہر کے گرد بڑے بڑے سفید پتھروں کی بنی ہوئی ایک فصیل تھی، اور اس کے ہر ایک پتھر کا وزن (۵۰۰) من (تقریباً ڈیڑھ ٹن) کا تھا، جس طرح آمد کا شہر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، تمام تر سیاہ پتھر کا تھا اسی طرح میّا فارِقین بالکل سفید پتھر کا تھا۔ شہر پناہ اس وقت نئی نئی بنی تھی، اس کے استحکامات اچھے تھے، اور ہر پچاس گز پر سفید پتھر کا ایک برج تھا۔ شہر کا صرف ایک دروازہ تھا، اور یہ غرب رویہ۔ اس کا پھاٹک بالکل لوہے کا تھا، لکڑی اس میں مطلق نہیں لگائی گئی تھی۔ (۱۱۲)
ناصر خسرو لکھتا ہے کہ شہر میں صرف ایک خوبصورت جامع مسجد تھی، اور ایک دوسری جامع مسجد شہر کے باہر کی آبادی (ربض) میں تھی۔ یہ جامع مسجد بازار کے بیچ میں تھی، اور اس کے آگے بہت سے باغات تھے۔ ناصر خسرو یہ بھی لکھتا ہے کہ میافارقین سے تھوڑے فاصلے پر شمال میں ایک دوسرا شہر مُحدِثہ (نیا شہر) تھا، اس میں بھی بازار، حمام [گرماب] اور جامع مسجد موجود تھی۔ میافارقین سے چار فرسخ آگے نَصْرِیَہ کا شہر تھا۔ جسے تھوڑا زمانہ ہوا تھا کہ امیر نصر مَروانی المخاطب بہ شبل الدولہ نے تعمیر کیا تھا۔

یاقوت اور قزوینی نے ان مختلف گرجاؤں، تین برجوں، اور شہر کے آٹھ دروازوں کا مفصل حال لکھا ہے جو میّا فارِقین میں پرانے وقتوں کے آثار تھے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ میافارقین کا یونانی نام مَدُوروصَالا (شہداء کا شہر) تھا۔ پرانی عمارتیں قیصر تھیوڈوسیس کے وقت کی تھیں، اور ان میں سے بعض، خصوصاً ایک قدیم گرجا کے آثار جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت مسیح کے زمانہ میں بنا تھا، ساتویں (تیرھویں) صدی تک نظر آتے تھے۔ مخصوص چیزوں میں شہر پناہ کے جنوب مغربی برج کی چوٹی پر ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲) ج ۳ ص ۷، ۱۳۱۴ + ج ۴ ص ۳۰۰، ۹۷۹ + مستوفی ص ۱۶۵۔

بڑی صلیب نصب تھی جس کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا، اور مشہور تھا کہ یہ صلیب بھی اُسی کاریگر کے ہاتھ کی تھی جس نے بیت المقدس والی بڑی صلیب بنائی تھی، اور جو کنیسۃ القیامۃ کے گنبد پر نصب کی گئی تھی۔ یہ دونوں صلیبیں ایک سی تھیں، اور ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ میافارقین میں یہودیوں کے محلے میں ان کے صومعہ کی قریب سنگ اسود کا ایک پیالا تھا۔ اس پیالے میں شیشے کی ایک پیٹی رکھی رہتی تھی جس میں یوشع بن نون کا خون تھا۔ یہ خون رومۃ الکبریٰ سے لایا گیا تھا۔ اس پیٹی کو محض مس کرنے سے ہر قسم کا مریض شفایاب ہو جایا کرتا تھا۔[علہ] آٹھویں (چودھویں) صدی میں، جب مغلوں کا دور دورہ تھا، میافارقین بڑا مقام تھا، چنانچہ مستوفی نے وہاں کی آب و ہوا اور میووں کی کثرت کو تعریف کے ساتھ لکھا ہے۔[لہ]

اَرْزَن مَیّافارِقین سے مشرق کی طرف تھوڑے فاصلے سے ہر یا وادی سَرْبَط نام ایک دریا کے مغربی کنارے پر واقع تھا۔ یہاں ایک بہت مستحکم قلعہ تھا۔ ناصر خسرو ۴۳۸ھ (۱۰۴۶ء) میں یہاں پہنچا تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ یہ شہر خوب معمور تھا، بازار بارونق تھے، اور اوس کے گرد زرخیز اور شاداب باغات تھے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اَرْزَن (اس کو اَرْزَن الروم یا ارضِ روم سے خلط ملط نہ کرنا چاہیئے، جس کا ذکر آئندہ باب میں کیا جائے گا) اُس کے زمانہ میں برباد ہو چلا تھا۔ (۱۱۳)

(علہ اس پیٹی میں غالباً کوئی تبرک دان ایسا ہوگا جس میں خون رہ سکے۔ مصنف نے خیال ظاہر کیا ہے کہ غالباً یہ یہودیوں کا تعویذ تھا جسے فائی لیکڑی (Phylactery) کہتے ہیں۔ عہد نامۂ جدید کی رو سے یہ لفظ اُس تعویذ کے لئے استعمال ہوا ہے جو جھلی یا گائے کے سیاہ چمڑے کی چھوٹی سی چوکور ڈبیا کی شکل کا ہوتا ہے، اور اوس کے اندر عہد عتیق کی چند آیات جھلی پر لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہ تعویذ روز صبح نماز کے وقت بجز یوم السبت کے ہر ایک یہودی جس کی عمر تیرہ برس سے زیادہ ہو، سر یا بائیں بازو پر باندھ لیتا ہے۔ روس اور پولینڈ کے بعض یہودی اس تعویذ کو ہر وقت پہنے رہتے ہیں۔ ان تعویذوں کے لکھنے کا کام مذہبی پیشواؤں کے ایک خاص طبقے کے سپرد ہے، اور ان کے لکھنے کے لئے متعدد اور نہایت سخت شرائط عائد کی گئی ہیں۔ مترجم)۔ لہ ابن حوقل ص ۱۵۱۔ مقدسی ص ۱۴۰۔ ناصر خسرو ص ۷۔ یاقوت ج ۴ ص ۷۰۳۔۷۰۶۔ قزوینی ج ۲ ص ۳۷۹۔ مستوفی ص ۱۶۷۔

لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی کے بیان سے جو اس شہر کو عام طور سے ارزن لکھتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر اس وقت رونق پر تھا۔

ایک دریا میّافارقین اور دوسرا ارزن سے گذرتا ہوا اور دونوں شمال سے بہتے ہوئے دریائے فرات میں ملے تھے جن مقامات پر یہ فرات سے ملتے تھے ان کے وسط میں فرات کے جنوبی کنارے پر حصن کَیفا یا کِیفا واقع ہے جس کو یونانی کیفاس (Kiphas) یا کیفے (Cephe) کہتے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ حصن کیفا نہایت مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا اور اس کے گرد جو بستیاں تھیں ان کے بازار سامان تجارت سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں بہت سے گرجا بھی تھے۔ اور ابن حوقل کے پیرس والے نسخے کے شرح نے جس کا حوالہ پہلے بھی دیا جا چکا ہے چھٹی (بارھویں) صدی میں لکھا ہے کہ یہاں دریائے دجلہ پر ایک سنگین پل تھا جس کی مرمت ۵۱۰ھ (۱۱۱۶ء) میں امیر فخر الدین قارا ارسلان نے کرائی تھی۔ اس زمانہ میں قلعے کے نیچے ایک بڑی آباد بستی تھی جس میں متعدد بازار اور کاروان سرائے تھیں اور مکانات پتھر اور چونے کے عمدہ بنے ہوئے تھے گرد و نواح کا علاقہ زرخیز تھا لیکن آب و ہوا ناقص تھی اور موسم گرما میں اکثر طاعون پھیلا کرتا تھا۔ یاقوت جو خود حصن کیفا دیکھ چکا تھا کہتا ہے کہ یہاں پہلے دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر بیرونی بستیاں (ربض) تھیں اور اوس کا خیال ہے کہ یہاں کا سنگ بستہ پل بہترین عمارات میں سے تھا۔ اس میں صرف ایک بڑی محراب تھی جو دو چھوٹی محرابوں پر قائم کی گئی تھی اور ان دو چھوٹی محرابوں کا بیچ کا پل پایہ غالباً دجلہ کے رہگزر کی تنصیف کر دیتا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ حصن کیفا ایک بڑا شہر تھا گو اس کا ایک حصہ ویران ہو چکا تھا لیکن پھر بھی اس کی آبادی بہت تھی۔

تَلّ فافان نام کی پہاڑی حصن کیفا سے تقریباً پچاس میل مشرق کی طرف دریائے دجلہ کے شمال یا بائیں کنارے پر اس جگہ واقع تھی جہاں یہ دریا جنوب کی جانب گھوم جاتا ہے۔ اسی پہاڑی کے نیچے تَلّ فافان کا شہر تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ اس کے گرد باغات تھے اور اس کے بازاروں میں سامان تجارت کی بہتات تھی۔ مکانات اکثر کچے تھے لیکن بازار اچھے ہوتے تھے۔ دریا جو تل فافان پر دجلہ میں

گرتا تھا جھیلِ وَان کے جنوب مغرب میں آرمینیہ کے پہاڑوں سے نکل کر بدلیس
(Bitlis) سے گزرتا ہوا یہاں پہنچتا تھا۔ اس دریا کا ایک معاون دریا جھیل وان
کے جنوب سے نکل کر اس میں گرتا تھا اور مقدسی اور یاقوت دونوں نے اس معاون
دریا کا نام وادی السَّربَط لکھا ہے۔ یہ دونوں دریا مل کر جب دجلہ میں شامل
(۱۱۴) ہو جاتے تھے تو دجلہ اس قابل ہو جاتا تھا کہ اس میں کشتیاں چل سکیں۔ وادی الرزم
کے کنارے تل فافان کے شمال میں اس مقام سے کچھ اوپر جہاں دریائے بدلیس
وادی السربط میں گرتا ہے، سَاعِرت کا شہر ہے جسے سِیعِرت اور اِسعِرت
بھی کہتے ہیں اور جو اکثر آرمینیہ کے اعمال میں گنا جاتا تھا۔ یاقوت نے کئی بار اس کا
نام لیا ہے مگر وہ اس کا کچھ حال نہیں لکھتا۔ مستوفی نے سَاعِرد کو ایک بڑا شہر بتایا ہے
اور لکھا ہے کہ یہاں کے ٹھٹیروں کے بنائے ہوئے تانبے کے برتن مشہور تھے۔ پانی پینے کے کٹورے
یہاں سے دور دور بطور سوغات بھیجے جاتے تھے۔ قزوینی کے مطابق اِسعِرت کے قریب حیزان
کا چھوٹا سا شہر تھا۔ یہ شہر اس لئے مشہور تھا کہ تمام میسوپوٹیمیا میں یہی ایک مقام تھا جہاں
شاہ بلوط کے درخت بکثرت تھے۔ اور تمام میسوپوٹیمیا میں سوائے یہاں کے شاہ بلوط کا درخت
کہیں نہیں ہوتا۔[۱]

[۱] اصطخری ص ۷۶؛ ابن حوقل ص ۱۵۲؛ مقدسی ص ۱۴۱، ۱۴۵؛ ناصر خسرو ص ۷؛ یاقوت ج ۱ ص
۲۰۵؛ ج ۲ ص ۲۷۷، ۵۵۲، ۷۴۶؛ ج ۳ ص ۶۰۸، ۴۵۵؛ مستوفی ص ۱۶۵، ۱۶۶؛ قلمی مسودوں
میں دریائے سربط کا نام مختلف طور سے سَربم، سَربَط یا سَرَب لکھا ہے لیکن اس
کے صحیح ہجے معلوم نہیں۔

(۱۱۵)

باب ہشتم

دریائے فُرات کا بالائی علاقہ

مشرقی فرات یا اَرَسَناس۔ مِلا سِگرد اور مُوش۔ شِمشَاط اور حِصن زیاد یا خَرتُوت۔ مغربی فرات۔ اَرزَن الرُّوم یا قالیقَلا۔ اَرزَنجان اور کمخ۔ قلعۂ اَبرِیق یا تفرِیک (Tephrike) مَلَطیہ اور طَرَندَہ۔ زبطرہ اور حَدَث۔ حِصن مَنصُور۔ کمخنا اور قنطرۂ سَنجہ۔ بالائی میسوپوٹیمیا کی پیداوار۔ شاہراہیں۔

مشرقی اور مغربی بالائی فرات کے کناروں پر (اور یہ دونوں رود بار دریائے فرات کے سرچشمے تھے) جس قدر شہر اور علاقے واقع ہیں وہ بالعموم میسوپوٹیمیا کے اعمال میں شمار ہوتے تھے، اور اکثر جزیرہ کے صوبے میں شامل سمجھے جاتے تھے۔ فرات کی ان دو شاخوں میں سے جنوبی شاخ (اور بعض جغرافیہ نویسوں کے نزدیک یہی شاخ اصلی دریائے فرات ہے) وہی رودبار ہے جسے لاطینی مورخ تٹی سی اس اور پلینی نے ارسانیاس فلومین (Arasanias Flumen) لکھا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن سراپیون نے بھی اُسے نہر اَرَسَناس لکھا ہے اور یاقوت نے بھی لکھا ہے کہ اس دریا کا یہی نام ساتویں (تیرھویں) صدی میں مروج تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اس کا پانی بہت سرد تھا۔ آج کل ترکوں میں یہ دریا عام طور سے مُراد صُو کہلاتا ہے۔ یہ نام اُسے سلطان مراد چہارم کے نام پر دیا گیا جس نے ۱۰۴۸ھ (۱۶۳۸ء) میں بغداد فتح کیا تھا۔

دریائے اَرَسَناس تُوران کے ملک سے نکلتا تھا۔ تُوران کو اہلِ آرمینیہ ڈرون (Daron) اور اہلِ یونان تُورونائٹیس (Toronites) کہتے ہیں؛ اور

اس میں وہ پہاڑ بھی شامل تھے جو جھیل وان کے شمال میں ہیں۔ دریائے اَرَسناس کے کنارے پر پہلا بڑا شہر ملازکرد تھا، جسے اس علاقے کی بہت سی مقامی زبانوں میں مَنازجرد، مَنزکرت اور ملاسگرد بھی کہتے ہیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے ملازکرد کو ایک مستحکم قلعہ بتایا ہے، جس کے بازار میں جامع مسجد تھی، اور اس کے گرد متعدد باغات تھے ۔ ۴۶۳ھ (۱۰۷۱ء) میں مَنزکرت کے مقام پر (جیسا کہ یونانی اس کا نام لیتے تھے) (۱۱۶)
بازنطینوں اور مسلمانوں میں ایک فیصلہ کن جنگ واقع ہوئی تھی، جس میں سلجوقیوں نے قیصر رومنوس چہارم (دیوجانس) کو سخت شکست دے کر گرفتار کر لیا، اور اس جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایشیائے کوچک میں سلجوقیوں کے قدم جم گئے اور وہ اس ملک کو فتح کر کے اس میں آباد ہو گئے۔ یاقوت نے متعدد مرتبہ مَنازجرد یا مَنازکرد کا تذکرہ کیا ہے، اور مستوفی نے جو اس شہر کو ملازجرد لکھتا ہے، یہاں کے مضبوط قلعے، خوشگوار آب و ہوا اور زرخیز زمین کی تعریف کی ہے۔ دریائے اَرَسناس کے جنوب میں، اور اس وسیع ہموار قطعہ زمین پر جو جھیل وان کے مغرب میں ہے شہر مُوش واقع ہے۔ اور یہ شہر اکثر ارمینیہ میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ اس کا تذکرہ یاقوت نے کیا ہے اور مستوفی نے لکھا ہے کہ یہاں عمدہ چراگاہ تھے، اور یہ ان ندیوں سے سیراب ہوتے تھے، جن میں سے کچھ شمال کی طرف بہ کر مشرقی فرات میں، اور کچھ جنوب کی سمت میں بہ کر دجلہ میں گرتی تھیں۔ مستوفی کے زمانے میں یہ شہر ویران تھا۔[۱]

دو معاون دریا نواح شمال اور قالیقلا سے آکر اَرَسناس کے دائیں کنارے سے اس میں گرتے تھے۔ یہ دونوں دریا اس وجہ سے قابل ذکر ہیں کہ ان سے ہم شہر شِمشاط کی جاءِ وقوع کا تقریباً اندازہ کر کے اس کا تعین کر سکتے ہیں۔ شِمشاط کا شہر کسی قدر مشہور مقام تھا، لیکن نقشے پر اس کا نشان نہیں ملتا۔ اس شہر کو اکثر

---

۱ ابن سراپیون ص ۱۱ + قدامہ ص ۲۴۶، ۲۵۱ + مقدسی ص ۳۷۶ + یاقوت ج ۱ ص ۲۰۷ + ج ۴ ص ۶۴۲، ۶۶۲ + مستوفی ص ۱۶۵، ۱۶۷ + حاجی خلیفہ (جہاں نما ص ۴۲۶) غالباً سب سے پہلا مصنف ہے جس نے مشرقی فرات کو مُرادصُو لکھا ہے، اور چونکہ اس کی کتاب جہاں نما ظاہر ہے کہ سلطان مراد چہارم کے عہد سے پہلے لکھی گئی تھی، اس لئے یہ خیال بالکل غلط ہے کہ اس دریا کا نام سلطان کے نام پر رکھا گیا تھا۔

دریائے فرات کے کنارے کے شہر سُمَیْسَاط سے، جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۰۸) خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ ابن سراپیون نے لکھا ہے کہ ان دو معاون دریاؤں میں پہلا دریا نهر الذئب (بھیڑیئے والا دریا) تھا جو قالیقلا کے علاقے سے نکل کر شمشاط سے ابھی کچھ فاصلہ رہ جاتا تھا کہ اَرْسَنَاس میں گرتا تھا، اور دوسرا معاون دریا سَلْقَت تھا جو جبل مَرُوس (یا مَزْدِیْر) سے نکل کر شمشاط سے گزر کر، ایک میل کے فاصلے پر اَرْسَنَاس میں گرتا تھا۔ نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ یہ وہی دریا ہیں جنہیں آج کل گُنگ صُو اور پیری اِچے کہتے ہیں؛ اور قالیقلا وہ علاقہ ہے، جو دریائے اَرْسَنَاس اور مغربی فرات کے درمیان ملک تُوَران سے مغرب میں واقع ہے۔

اَرْسَنَاس کے کنارے شَمْشَاط (یا شِمْشَاط) ایک بڑا مقام تھا کیونکہ خود اس دریا کو (منجملہ دیگر جغرافیہ نویسوں کے) ابن سراپیون نے بھی دریائے شَمْشَاط لکھا ہے؛ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دریائے اَرْسَنَاس کے جنوبی یعنے بائیں کنارے پر یہ شہر کبھی آباد تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ شَمْشَاط وہی مقام ہے جسے یونانی ارساموساٹا
(۱۱۷) (Arsamosata) کہتے تھے؛ اور یاقوت، جس نے خاص طور پر بتایا ہے کہ شَمْشَاط کو سُمَیْسَاط سے خلط ملط نہ کرنا چاہیئے، کہتا ہے کہ پالُوِیَہ (موجودہ پالُو) اور حصن زیاد (موجودہ خَرْپُوت) کے بیچ میں شَمْشَاط واقع تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے، یہ شہر ویران ہو چکا تھا۔ لیکن ابن سراپیون اور یاقوت کے بیانات سے جو اوپر درج ہوئے ہم ایک قلیل رقبہ کے اندر اندر شَمْشَاط کے موقع کا تعین کر سکتے ہیں۔ حصن زیاد کے متعلق ابن خرداذبہ نے لکھا ہے کہ وہ شَمْشَاط سے زیادہ دور نہ تھا۔ یاقوت کے بیان کے مطابق اس مقام کا عربی نام تھا جسے ارمنی زبان میں خَرْتَبِرت کہتے تھے۔ اور جسے آج کل خَرْپُوت کہا جاتا ہے۔ مستوفی نے اسے خَرْبَرْت لکھا ہے؛ لیکن اور زیادہ تفصیل نہیں دی؛ بلکہ صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ ایک بڑا شہر ہے جس کی آب و ہوا اچھی ہے۔ بلاذری اور شروع زمانہ کے دوسرے مصنف جسر یا پُل غَرا کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ پل ایک ندی پر تھا، جو غالباً اَرْسَنَاس کی معاون تھی شَمْشَاط سے یہ پل دس میل کے فاصلے پر تھا؛ لیکن اس کا اصلی موقع معلوم نہیں اگر

آگے شُمشاط سے مغرب میں سو میل کے فاصلے پر اَرَسَناس یعنی مشرقی فُرات آخرکار مغربی فرات سے مل جاتا تھا۔[۵]

مغربی فرات کو عام طور پر بڑے دریائے فرات کا اصلی دھارا سمجھا جاتا ہے۔ ترکوں میں آج کل مغربی فرات کو قارا صُو (کالا دریا) کہتے ہیں؛ اور ابن سراپیون نے اسے نہرُ الفُرات لکھا ہے۔ اسی مصنف کا بیان ہے کہ یہ دریا اُن پہاڑوں سے نکلا ہے جنھیں جَبل اَقرُدخِس کہتے تھے؛ مسعودی نے اسے بظاہر اَفرُدخِس لکھا ہے، اور دوسرے مصنفوں نے یہی نام اور طرح بھی تحریر کیا ہے۔ یہ پہاڑ قالیقلا کے علاقے میں اَرض رُوم کے شمال میں واقع تھے۔ یہ ارض رُوم وہ بڑا شہر ہے جسے عرب اَرزَن الرُّوم یا اَرضِ الرُّوم (رومیوں کا ملک) اور ارمنی کارِن (Karin) اور یونانی تھیوڈوسیوپولس (Theodosiopolis) کہتے تھے۔ یہی مسلمانوں کا شہر قالیقلا بھی ہے جو اسی نام کے علاقہ کا صدر مقام ہے۔ قالیقلا کا نام شروع کے عرب جغرافیہ نویسوں کی تحریر میں بار بار آتا ہے، لیکن اس کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں۔ بہر حال اس امر میں سب متفق ہیں کہ یہی وہ علاقہ تھا جہاں سے مغربی فرات، دریائے اَرَکسیس (Araxes) اور دریائے اَرَسَناس کے معاون دریا نکلتے ہیں۔ شہر ارض الروم کے متعلق ابتدائی عرب جغرافیہ نویس، سوائے اس کے کہ وہ ایک بڑا شہر تھا اور کچھ نہیں لکھتے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہاں بہت سے خوبصورت گرجا تھے، خصوصاً ایک گرجا جس کے گنبد کا قطر پچاس ذرع تھا۔ اس گرجا کے سامنے ایک مسجد تھی جو بیت المقدس کے نمونے پر تعمیر کی گئی تھی۔ ابن بطوطہ ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں اَرزَن رُوم (اس کا املا ابن بطوطہ نے یہی لکھا ہے۔) پہنچا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ ایک بڑا شہر تھا جس کا ایک بڑا حصہ برباد ہو چکا تھا، اور اس وقت اس کا مالک عراق کا سلطان تھا؛ لیکن باوجود ویران ہونے کے، اس کے باغات مشہور تھے، اور اس کی بیرونی بستیوں میں سے تین دریا گزرتے تھے۔ اَرزَن الرُّوم سے مشرق کی طرف آٹھ فرسخ کے فاصلے پر (۱۱۸)

[۵] - ابن سراپیون ص ۱۰، ۱۳، ۳۰؛ ابن خرداذبہ ص ۱۲۳؛ بلاذری ص ۱۳۹؛ یاقوت ج ۲ ص ۲۷۶، ۴۱۷؛ ج ۳ ص ۳۱۹؛ مستوفی ص ۲۶۲۔

ایک پہاڑی کی چوٹی پر دریائے اَرَکِیَنِیں کے ایک سرچشمہ کے قریب اَوَنِک کا بڑا قلعہ تھا مستوفی نے لکھا ہے کہ اس پہاڑ کے دامن میں جو شہر آباد تھا اوسے اَلَبَنجُور یا اَلَبَنجُور کہتے تھے اور یہ ارزن الروم کے اعمال میں شامل تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اس علاقے کو باسِیَن کہتے تھے آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیمور نے ایک طول و طویل محاصرے کے بعد اَوَنِک فتح کیا، اور اس مقام کا نام اُس کی فوجی مہموں کی تاریخ میں اکثر آتا ہے۔

اَرزَنجان الرُّوم سے تقریباً دو سو میل مغرب میں، اور دریائے فُرات کے دائیں یعنے شمالی کنارے پر اَرزَنجَان کا شہر آباد ہے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اسے اکثر اَرزَنگان کہتے تھے۔ اس کا بیان ہے کہ یہ ایک خوبصورت شہر تھا جس میں سامانِ تجارت کی بہتات تھی۔ اس کے زمانہ میں یہاں زیادہ تر ارمنی آباد تھے جو علانیہ شرابیں پی کر اپنے مسلمان ہمسایوں کو اپنی حرکتوں سے بیزار کرتے تھے۔ مستوفی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ اس شہر کی فصیل ساتویں (تیرھویں) صدی کے اواخر میں سلطان علاء الدین کیقباد سلجوقی نے دوبارہ تعمیر کرائی تھی اور وہ عمدہ تراشے ہوئے پتھروں کی مضبوط بنی ہوئی تھی۔ اَرزَنجان کی آب و ہوا بھی بہت اچھی تھی، اور اُس کی زمینوں میں اناج، روئی اور انگور بکثرت پیدا ہوتے تھے ابن بطوطہ ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں یہاں پہنچا تھا۔ اس وقت یہاں زیادہ تر ترکی بولنے والے ارمنیوں کی آبادی تھی، اور یہ لوگ مسلمان تھے۔ شہر کے قریب تانبے کی کانیں تھیں، اور یہاں کے کاریگروں کے بنائے ہوئے پیتل کے برتن مشہور تھے۔ بازار خوب بارونق تھے اور شہر میں کپڑا بہت بُنا جاتا تھا۔ اَرزَنجَان کے شمال میں بَابِرت کے متعلق یاقوت لکھتا ہے کہ وہ ایک بڑا شہر تھا جس میں زیادہ تر ارمنی آباد تھے لیکن مستوفی نے لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں بَابِرت کی رونق میں کمی آگئی تھی۔ کَمَخ (یا کَمخ) کا قلعہ اَرزَنجَان کے جنوب مغرب میں ایک دن کی مسافت پر مغربی فرات کے بائیں یعنے جنوبی کنارے پر تھا۔ ابن سرابیون اور ابتدائی عرب جغرافیہ نویس اس مقام کا ذکر اکثر کرتے ہیں۔ یہ یونانیوں کا شہر کماخا (Kamacha) تھا۔ مستوفی نے بیان کیا ہے کہ کَمخ بہت بڑا قلعہ تھا اس کے نیچے دریا کے کنارے

شہر آباد تھا، اور بہت سے زرخیز گاؤں اُس کے اعمال میں شامل تھے[1]۔
ملطیہ سے کم و بیش ساٹھ میل مغرب میں دریائے فرات، جو ارض الروم سے مغرب کی سمت میں بہتا ہوا آیا ہے، ایک بڑا خم کھا کر جنوب کی طرف بہنے لگتا ہے۔ اور یہاں (۱۱۹)
اس کے بائیں کنارے سے نہر اَبْرِیق اس میں ملتا ہے۔ دریا کا یہ نام ابن سراپیون نے قلعہ اَبْرِیق کے نام پر لکھا ہے، جو اس دریا کے بالائی گذرگاہ کے قریب واقع ہے۔ یہی وہ دریا ہے جسے آج کل چلتہ اَرْمَق کہتے ہیں اور جو دِیوریک یا دِیوریگی سے آتا ہے۔ مستوفی اور ابن بی بی نے اسے دِفریگی لکھا ہے، اور بازنطینی مصنف اسے تفریکے (Tephrike) لکھتے ہیں۔ (افریکے (Aphrike) بھی بعض یونانی قلمی نسخوں میں ملتا ہے) ابتدائی عرب جغرافیہ نویسوں نے اسی کو مخفف کر کے اَبْرِیق کر لیا ہے۔ تیسری (نویں) صدی میں یہ قلعہ عیسائی فرقہ پالیکیان کا ایک مستحکم مقام ہونے کی وجہ سے مشہور تھا۔ مشرقی عیسائیوں کا یہ ایک عجیب فرقہ تھا، اور مانوی عقائد رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ صحیح الاعتقاد قیاصرہ قسطنطنیہ کی بے رحمی اور عقوبت کا نشانہ بنا رہا۔ پالی کیانی فرقے کے لوگوں نے (جنھیں عرب مصنف اَلْبَیْلَقَانِی لکھتے ہیں) تفریکے پر قبضہ کر کے اس کو مستحکم کر لیا تھا، اور خلفاء عباسیہ کی مدد یا استقلال سے ایک مدت تک یہ لوگ قسطنطنیہ کی فوجوں کو بے حقیقت سمجھتے رہے۔ قدامہ اور مسعودی نے، جو تقریباً ہم عصر تھے اَبْرِیق کو بَیْلقانیون کا پایہ تخت لکھا ہے۔ عُلی نے[2] (جسے یاقوت نے نقل کیا ہے) ساتویں (تیرھویں) صدی میں اَلْاَبْرُوْق (علی نے یہی املا لکھا ہے) کے قریب ایک بڑے بینار اور گرجا کے عجیب و غریب حالات لکھے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں بعض شہیدوں کے جسد محفوظ تھے اور اس کا خیال ہے کہ یہ شہید درحقیقت اصحاب کہف تھے۔
چلتہ ارمق اور دِیوریک سے آگے تھوڑی دور پر صار پچیچک صو

---

[1] ابن سراپیون ص ۱۰+ ابن رستہ ص ۸۹+ مسعودی (مروج) ج ا ص ۲۱۴+ مسعودی (تنبیہ) ص ۵۲+ یاقوت ج ا ص ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۸؛ ۴۴۴ ج ۳ ص ۶۰۰؛ ج ۴ ص ۹۱، ۳۰۲+ قزوینی ج ۲ ص ۳۷۰+ مستوفی ص ۱۶۲، ۱۶۳+ علی یزدی ج ا ص ۱۹۹+ ج ۲ ص ۲۵۲، ۳۰۳+ ابن بطوطہ ج ۲ ص ۲۹۳، ۲۹۴+

[2] یاقوت (مطبوعہ مصر ج ا ص ۸۱) نے اس مصنف کا نام ابوبکر الھروی لکھا ہے۔ مترجم)+

دریائے فرات میں گرتا ہے، اور اس پر عرب گیر کا قلعہ واقع ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس قلعہ کا ذکر شروع زمانہ کے کسی عرب جغرافیہ نویس نے نہیں کیا۔ لیکن ابن بی بی نے سلجوقیوں کی تاریخ میں آٹھویں (چودھویں) صدی کے حالات میں ایک مرتبہ سے زیادہ اس قلعہ کا نام لیا ہے، اور بازنطینی تاریخوں میں اس کا نام اربکیسس (Arabaces) کی شکل میں پایا جاتا ہے۔ بہرکیف عرب گیر سے اَبْرِیق یا تَفْرِیک مراد نہیں، جیساکہ بعض اوقات غلطی سے سمجھ لیا جاتا ہے۔ بظاہر اسلامی مصنفوں میں سے سب سے پہلے جس کی
(۱۶۰۰ء) کتاب میں عرب گیر یا عرب کیر کا نام آیا ہے وہ حاجی خلیفہ (جہاں نما) ہے۔ اس مصنف کا زمانہ گیارھویں (سترھویں) صدی کی ابتداء ہے۔ اس نے شہر دِیوِریکی کا بھی ذکر کیا ہے، جو آج کل اسی نام سے مشہور ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بیلقانیوں کے پرانے قلعے کے مفصل حالات نہیں ملتے۔

مَلَطِیَہ جسے یونانی ملی تینی (Melitene) کہتے تھے، اس زمانہ میں بازنطینی حکومت کے مقابلے کے لئے اسلامی سرحد پر نہایت مضبوط اور اہم قلعوں میں شمار ہوتا تھا۔ امام بلاذری نے لکھا ہے کہ جو فوج اس قلعہ میں متعین تھی وہ اس پل کی بھی نگہبانی کرتی تھی جو اس قلعہ سے تین میل دور دریائے قُبَاقِب پر واقع تھا، اور جس پر سے بڑی سڑک گذرتی تھی۔ یہ پل اس مقام سے قریب تھا جہاں قُباقِب کا دریا فرات میں گرتا تھا۔ اس دریا کو یونانی میلاس (Melas) کہتے تھے، اور آج کل ترک اُسے تُخمَہ صُو کہتے ہیں۔ یہ دریا مَلَطِیَہ سے بہت مغرب میں اُن پہاڑوں میں سے نکلتا ہے جن میں سے دریائے جَیحَان (یعنے قدیم زمانہ کا دریائے پائی راموس (Pyramus) جنوب مغرب کی طرف بہتا ہوا آخرکار بحیرۂ روم کی خلیج اسکندرون (Alexandretta) میں گرتا ہے۔ اس کا ذکر آئندہ باب میں آئے گا۔ دریائے آرسناس سے قطع نظر کرکے دریائے قُباقِب ہی بالائی فرات کے متعدد معاونوں میں سب سے بڑا ہے۔ دریا قُباقِب کے بھی بہت سے معاون ہیں، جن کے نام ابن سراپیون نے گنوائے ہیں۔ سنہ ۱۳۹ھ (۷۵۶ء) میں مَلَطِیَہ کا شہر خلیفہ منصور عباسی کے حکم سے دوبارہ تعمیر ہوا تھا۔ خلیفہ نے اس میں ایک خوبصورت مسجد بنوائی اور (۴۰۰۰) فوج وہاں مقرر کردی۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اصطخری نے اسے ایک خوبصورت بڑا شہر لکھا ہے، جس کے گرد

پہاڑیاں تھیں جن پر انگور، بادام اور اخروٹ کے درخت تھے کیونکہ مَلَطیہ کی زمینوں میں گرم و سرد دونوں قسم کے ملکوں کی فصلیں پیدا ہوتی تھیں۔ ایک بار سے زیادہ کبھی اس شہر پر بازنطینیوں کا قبضہ ہوگیا اور کبھی مسلمانوں نے بازنطینیوں سے اسے چھین لیا، لیکن ساتویں (تیرھویں) صدی میں یاقوت نے اسے یونانی حکومت ہی میں شمار کیا ہے۔ اس کے بعد کی صدی میں مستوفی مَلَطیہ کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ بڑا شہر ہے اور اس میں ایک مضبوط قلعہ ہے۔ اس کی چراگاہ مشہور تھے اور گرد و نواح کے علاقے میں غلہ، روئی اور کثرت سے میوے پیدا ہوتے تھے۔ مَلَطیہ کے قریب ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک خانقاہ دیر بَرصُوما تھی۔ قزوینی لکھتا ہے کہ عیسائی اُسکا بہت احترام کرتے تھے اور بہت سے راہب اس میں آباد تھے۔

طَرَندَہ، موجودہ دَرَندَہ (حاجی خلیفہ نے جہاں نما میں یہ نام اسی طرح لکھا ہے) کا مشہور قلعہ مَلَطیہ سے تین منزل شمال میں دریائے قَباقِب کے بالائی رہگذر پر واقع تھا۔ صدر اسلام یعنی ۸۳ھ (۷۰۲ء) میں ہی اس قلعہ میں درہ کی حفاظت کے لئے اسلامی فوج متعین کر دی گئی تھی لیکن ۱۰۰ھ (۷۱۹ء) میں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ (۱۳۱)
عنہ کے حکم سے اس قلعہ کو ترک کر دیا گیا تھا۔ بازنطینی تاریخوں میں ٹارانٹا (Tralita) کے نام سے اس قلعہ کا اکثر تذکرہ آتا ہے؛ تیسری (نویں) صدی میں یہ مسیحی فرقہ بیلقان کے نہایت مستحکم قلعوں میں شمار ہوتا تھا۔[1]

دریائے قُباقِب کا ایک معاون نہر قَراقِیس تھا جو جنوب سے آکر اس میں گرتا تھا اور نہر قراقیس کے بالائی رہگذر پر زِبَطرہ کا عالی شان قلعہ تھا جسے بازنطینی سوزوپترا (Sozopetra) یا زاپٹرا (Zapetra) کہتے تھے۔ ان کے شکستہ

[1] ابن سراپیون ص ۱۰، ۱۲، ۱۳؛ بلاذری ص ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۹؛ اصطخری ص ۶۲؛ ابن حوقل ص ۱۲۰؛ یاقوت ج ۴ ص ۶۳۳، ۶۳۴؛ مستوفی ص ۱۶۳؛ قزوینی ج ۲ ص ۳۵۲؛ جہاں نما ص ۶۲۳۔ مَلَطیہ کا موجودہ شہر زمانۂ وسطیٰ کے قلعہ طَرندہ سے جنوب کی طرف تین فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔ پرانے شہر مَلَطیہ کا شکستہ آثار جسے اسکی قرقی گر کہا جاتا ہے ایک فرسخ کی مسافت پر آسپوزی یا قبہ کے مقام پر ہیں۔ یہ پل وہی ہے جو دریائے تحمہ صو پر واقع ہے اور یہاں سے وہ مقام قریب ہے جہاں تحمہ صو دریائے فرات میں گرتا ہے۔

آثار غالباً وہی ہیں جو دِیُرَان شہر کے کھنڈر ہیں۔ دِیُرَان شہر ملطیہ کے جنوب میں سُلطَان صُوْ (دریا) کے کنارے واقع ہے؛ سلطان صو ہی قَرَاقِیس کا موجودہ نام ہے۔ امام بلاذری اور اصطخری دونوں نے زِبَطرَہ کو یونانی سرحد پر ایک بڑا قلعہ بتایا ہے جس کو بازنطینیوں نے کئی مرتبہ مسمار کیا اور ایک مرتبہ خلیفہ منصور عباسی نے اور اس کے بعد دوسری مرتبہ ہارون الرشید عباسی نے اسے از سر نو تعمیر کرایا۔ یاقوت اور بعض دوسرے مصنف زِبَطرَہ اور حَدَث کے قلعوں کا ذکر ساتھ ساتھ کرتے ہیں۔ ان میں سے حَدَث کے حالات ہم آئندہ بیان کریں گے۔ عربی اور بازنطینی تاریخوں میں زِبَطرَہ یا سوزوپٹرا اس وجہ سے مشہور ہے کہ قیصر تھیوفلس (Theophilus) نے اسے مسلمانوں سے فتح کر لیا تھا۔ اس کے بعد جب خلیفہ معتصم عباسی عَمُّورِیَہ پر فوج کشی کرنے اٹھا جس کا ذکر آئندہ باب میں آئے گا، اس نے اس قلعہ کو عیسائیوں سے پھر چھین لیا۔ زِبَطرَہ مدت دراز تک بڑا اہم مقام مانا گیا تھا، لیکن جب ابو الفداء (۷۱۵ھ ۱۳۱۵ء) میں وہاں آیا ہے تو یہ قلعہ بالکل برباد ہو چکا تھا، پرانی فصیل کے نشانات کا بہ مشکل پتہ لگتا تھا، اور اس کی مزروعہ زمینیں بے طور پڑی تھیں چنانچہ ابو الفداء کو ان اراضی کے قریب جن میں زراعت خوب ہوا کرتی تھی شاہ بلوط کے جنگل میں بکثرت شکار ملا؛ وہ لکھتا ہے کہ یہاں خرگوش اتنے بڑے تھے کہ کہیں اور دیکھنے میں نہیں آئے۔ ابو الفداء کا بیان ہے کہ یہ مقام ملطیہ کے جنوب میں دو منزل کی مسافت پر، اور اتنی ہی دور حصن منصور سے، جس کا ذکر آگے آئے گا، واقع تھا۔[1]

اَلحَدَث کا قلعہ، جسے یونانی اڈاٹا (Adata) کہتے تھے، مسلمانوں نے حضرت
(۱۲۲) عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں فتح کیا تھا، اور اس کا ذکر تاریخوں میں اکثر آتا ہے
عربی میں حَدَث کے معنی خبر اور بالخصوص بری خبر کے لئے جاتے ہیں۔ امام بلاذری

[1] ابن سراپیون ص ۱۳ + بلاذری ص ۱۹۱ + اصطخری ص ۶۳ + یاقوت ج ۲ ص ۹۰۴ + ابو الفداء ص ۲۳۴ + زِبَطرَہ اور حَدَث کے جائے وقوع پر مسٹر جے۔ جی۔ سی اینڈرسن نے کلاسکل ریویو (اپریل ۱۸۹۶ء) میں بحث کی ہے۔ ان کے مضمون کا عنوان حسب ذیل ہے:—

The Campaign of Basil I Against Paulicians in 872 A. D.

بیان کرتے ہیں کہ اسلامی فتح کے بعد اس قلعہ کو جانے والی سڑک کا نام درب الحدث (بڑی خبر والی سڑک) سے بدل کر درب السلامہ (سلامتی کی سڑک) کر دیا گیا تھا۔ لیکن جیسا کہ آئندہ باب میں بیان ہو گا، عام طور پر درب السلامہ اس سڑک کا نام تھا جو علاقہ کیلیشا کے پہاڑی دروں (Cilician Gates) میں سے گذرتی ہوئی قسطنطنیہ گئی تھی۔ حدث میں ایک مسجد تھی خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۶۲ھ (۷۷۹ء) میں یہ شہر دوبارہ تعمیر کرایا اور ہارون الرشید نے اپنے عہد میں اسے پھر درست کر کے (۲۰۰۰) آدمیوں کی فوج وہاں متعین کی۔ اصطخری نے یہاں کی زرخیز زمینوں کا، اور متعدد بار کبھی مسلمانوں اور کبھی عیسائیوں کے ہاتھ اس شہر کے فتح ہونے کا ذکر کیا ہے۔ یاقوت اور دوسرے مصنفوں کے مطابق الحدث کو اَلْحَمْرَاء (سرخ) کہتے تھے کیونکہ یہاں کی زمین کا رنگ سرخ تھا، اور یہاں کا قلعہ اَلاُحَیْدَب (تصغیر الحَدَبہ کبڑا) کہلاتا تھا۔ بہت سی تبدیلیوں اور انقلابات کے بعد آخر کار ۳۴۳ھ (۹۵۴ء) میں سیف الدولہ حمدانی نے اسے یونانیوں سے فتح کر لیا اور اس کو دوبارہ تعمیر کیا ۵۴۵ھ (۱۱۵۰ء) میں وہ سلجوقی بادشاہ مسعود بن قلج ارسلان کے قبضہ میں آ گیا۔

جس دریا کے قریب حدث آباد تھا اسے جُورِیث یا حُورِیث کہتے تھے۔ ابن سرابیون نے غلطی سے اسے دریائے قُباقِب (یعنی ملطیہ کے دریا) کا معاون بتایا ہے۔ یاقوت جس نے اسے حوریث لکھا ہے، بالکل صحیح طور سے اسے نہر جیحان (Pyramus) کا معاون لکھتا ہے۔ ابن سراپیون بیان کرتا ہے کہ حدث کے دریا کا منبع ایک چشمہ تھا جسے عین زُغَیْبَا کہتے تھے اور حدث پہنچنے سے پہلے وہ چھوٹی چھوٹی جھیلوں کے ایک سلسلہ میں سے گذرتا تھا۔ آگے چل کر یاقوت بیان کرتا ہے کہ دریائے حُورِیث میں (ابن سراپیون نے اسے صحیح لکھا ہے) دریائے عَرجان گرتا تھا۔ عَرجان کا منبع جبل التراتیش میں تھا۔ حدث کے شہر کو عرجان کی نہروں سے پانی پہنچتا تھا اور یہ نہریں پھر جیحان میں جا گرتی تھیں۔ اس بیان کے تتمہ کے طور پر ابو الفداء کا بیان سمجھنا چاہیئے۔ وہ لکھتا ہے کہ حدث اس مقام سے جو دریائے جیحان کے [illegible] کنارے [illegible] دریا کے گھاٹ سے عبور کرتے تھے بارہ میل کی مسافت پر تھا۔ حدث کی اصلی جائے وقوع [illegible]

نہیں لگتا؛ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس قلعہ سے مرعش (جرمانیکا Germanica) سے اَلْبُسْتَان اَرَبِیسوس (Arabissus) جانے والے درے کی حفاظت کی جاتی ہے اور یہ کہ وہ آج کل کے آق صُو (دریا) کے کنارے پر انگلی کے قریب واقع ہے، آق صُو حقیقت میں دریائے جَیحان کی بالائی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے[1]۔

حِصن منصور اور بَہَسْنَا کے قلعے (جو اب تک موجود ہیں) ان میں سے (۱۲۳)
ہر ایک اپنے ہی نام کے دریا کے کنارے واقع ہے۔ اور یہ دونوں دریائے فرات کے داہنے کنارے والے معاون دریاؤں میں سے ہیں؛ اور سُمَیْساط کے جنوب میں پہلے دریائے حصن منصور اور اس کے آگے دریائے بَہَسْنَا فرات میں گرتا ہے حصن منصور کو آج کل عام طور سے اَدِیَمان کہتے ہیں لیکن اس کا بازنطینی نام پیرہ (Perrhe) ہے حصن منصور کا نام اُس کے بانی منصور بن جعونہ قیسی پر رکھا گیا تھا، جو آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کے عہد میں اس سرحد کا حاکم تھا، اور ۱۲۳ھ (۷۴۰ء) میں شہید ہوا تھا۔ ہارون الرشید نے اپنے باپ مَہْدِی کے عہد خلافت میں حصن منصور کو دوبارہ تعمیر کرایا؛ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ وہ ایک چھوٹا سا شہر تھا، جس میں جامع مسجد بھی تھی، اور اس کی اراضی میں آب پاشی اچھی تھی؛ لیکن ابن حوقل کہتا ہے کہ دوسرے سرحدی مقامات کی طرح یہ شہر بھی کبھی بازنطینی اور کبھی اسلامی فوجوں کے ہاتھوں برباد ہوتا اور لٹتا رہتا تھا۔ یاقوت نے اس پر یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ شہر کی فصیل تھی، اور اس میں تین دروازے تھے فصیل کے باہر ایک خندق تھی، اور شہر پناہ کے بیچوں بیچ ایک قلعہ تھا۔ اس قلعہ کو دوہری فصیل سے مستحکم کیا گیا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب ابوالفداء نے اپنی کتاب لکھی ہے، تو حصن منصور بالکل برباد ہو چکا تھا، لیکن اس کے گرد جو مزروعہ اراضی تھیں ان میں اب تک کاشت ہوتی تھی۔

نَہْرُ الْاَزْرَق (نیلا دریا) حصن منصور کے شمال مغرب سے بہتا ہوا گزرتا تھا۔ حصن منصور ان مرتفع قطعات پر واقع تھا جن کی جنوبی سرحد سے لگا ہوا دریائے فرات بہتا تھا۔

[1] بلاذری ص ۱۸۹-۱۹۱ + ابن سراپیون ص ۱۴ + اصطخری ص ۶۲ + ابن حوقل ص ۱۲۰ + یاقوت ج ۲ ص ۲۱۸ + ج ۴ ص ۴۸۳ + ابوالفداء ص ۲۶۳ +

بَہَسنَا کا قلعہ، جسے صلیبی لڑائیوں کی تاریخ میں بہسدین (Behesdin) لکھا گیا ہے۔
حصن منصور کے مغرب میں ہے۔ جس علاقے میں یہ قلعہ واقع تھا اُسے کیَسُوم کہتے تھے۔
بَہَسنا پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا، اور شہر جو اس پہاڑ کے نیچے تھا اس میں ایک
جامع مسجد تھی اور عمدہ بازار تھے؛ گرد و نواح کی زمینیں بہت زرخیز تھیں۔ یاقوت نے
اِس قلعہ کو ناممکن التسخیر لکھا ہے۔ اس کے قریب دریائے سَنجَہ کے کنارے پر جو غالباً وہی
دریا ہے جسے یونانی سنگاس (Singas) کہتے تھے ایک چھوٹا سا شہر سَنجَہ آباد تھا،
اور اس شہر کے قریب دریا کو ایک مشہور و معروف پل سے عبور کرتے تھے، جو صاف جِلا
کئے ہوئے پتھروں کا بنا ہوا تھا۔ اس کی محراب مضبوط تھی اور اس پر خوشنما کام بنا
ہوا تھا۔ ابن حوقل نے اِس پل یعنے قنطرۃ سَنجَہ کو دنیا کے عجائبات میں شمار کیا ہے۔ یاقوت،
جس نے دریائے سنجہ اور دریائے کیسُوم دونوں کو فُرات کا معاون بتایا ہے، لکھتا ہے کہ
قنطرۃ سَنجَہ صرف ایک محراب کا تھا، جو دریا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے
تک تھی؛ اُس کا عرض (۲۰۰) قدم [خطوۃ] عریض تھا۔ بڑے بڑے جِلا کئے ہوئے
پتھروں سے، جن میں سے ہر ایک کی لمبائی دس ذرع اور موٹائی پانچ ذرع تھی یہ پل (۱۲۴)
تعمیر کیا گیا تھا، یاقوت نے ان پتھروں کی چوڑائی نہیں بتلائی۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ پل
ایک طلسم کی مدد سے تیار ہوا تھا۔[۱]

---

[۱] بلاذری ص ۱۹۲ + اصطخری ص ۶۲ + ابن حوقل ص ۱۲۰ + یاقوت ج ۱ ص ۷۷۰، ج ۲ ص ۲۷۴ +
ج ۳ ص ۱۶۲، ۸۶۰ + ابوالفدا، ص ۲۶۵، ۲۶۹ + قنطرۂ سنجہ کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ دنیا کے
چار عجائبات میں سے ہے۔ باقی تین عجائبات حسب ذیل ہیں:- (۱) اُڈیسہ (رُہا) کا گرجا، جس کا
ذکر اوپر ہو چکا ہے (۲) اسکندریہ کا فاروس (Pharos) (یعنی روشنی کا مینار جسے بطلیموس
اول نے تیسری صدی ق م میں تعمیر کرایا تھا۔ مترجم) (۳) دمشق کی جامع مسجد (یاقوت ج ۲ ص
۵۹۱) + یہ تعجب کی بات ہے کہ مقدسی نے دو موقعوں پر سَنجَہ کے پل کو الحُسَینیَہ کے پل سے
جو شہرت میں کچھ کم نہ تھا، خلط ملط کر دیا ہے۔ درآں حالیکہ سَنجَہ کی نسبت تمام بیانات سے ظاہر
ہے کہ وہ فرات کے دائیں کنارے والے معاون دریاؤں میں سے تھا اور سُمیَساط کے قریب
فرات میں گرتا تھا۔ اور الحُسَینیَہ والا پل دریائے خابُور صغیر پر تھا جو دجلہ کا معاون دریا ہے۔

تجارت کے اعتبار سے دیکھا جائے، تو جزیرہ کے صوبے یعنی میسوپوٹیمیا کے شمالی حصہ میں پیداوار بہت کم تھی۔ مقدسی نے تجارتی اشیاء کی ایک فہرست دی ہے، لیکن ان میں سے اکثر اشیاء زمین کی پیداوار ہیں۔ صوبہ کے صدر مقام موصل سے اناج، شہد، لکڑی کا کوئلہ، پنیر، مسکہ، سمّاق، انار دانہ (حب رُمّان)، مَنّ، نمک لگا کر سکھایا ہوا گوشت [نمکسود]، طِرّیخ (ایک قسم کی مچھلی)، لوہا اور کاریگروں کے اوزار یعنی چاقو، تیر، زنجیریں اور پیالے بطور رسد باہر بھیجے جاتے تھے، سنجار کے علاقے میں بادام، انار دانہ (حب رُمّان)، سمّاق، گنا اور نصیبین میں اخروٹ پیدا ہوتے تھے۔ رَقّہ میں زیتون کا تیل اور صابن بنایا جاتا تھا، اور قلموں والے نرسل پیدا ہوتے تھے۔ رَحبَہ کے امرود (سفرجل)، حَرّان کا شہد اور ایک قسم کا مربہ قُبَّیط اور جزیرہ ابن عمر کے جوز، بادام اور مسکہ اور ان کے علاوہ وہ گھوڑے مشہور تھے جو اس کی چراگاہوں میں پرورش پاتے تھے۔ خابور صغیر کے کنارے (جو دجلہ میں اُس کے مشرقی کنارے سے ملتا تھا) کے حَسَنیّہ شہر کے تیتر، اور اور قسم کے پرندے مشہور تھے۔ یہاں پنیر اور پھلوں کے مربے خوب بنائے جاتے تھے اور قریب ہی کے شہر مَعلَثَایا میں لکڑی کا کوئلہ، انگور اور دوسرے قسم کے تازے پھل، نمک دیا ہوا گوشت [نمکسود] شاہدانق، سن کا بیج (قُنَّب) اور سن کا اور سامان دستیاب ہوتا تھا، اور دیار بکر کے صدر مقام آمِد کے سوتی اور اونی کپڑے مشہور تھے۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۸) (مقدسی ص ۱۳۹، ۱۴۷)۔ جو دریا آج کل بُلَم صُو کہلاتا ہے، اور جو کاختہ چے کے پانی کو اپنے میں شامل کر کے سُمَیساط سے ذرا شمال میں فرات میں گرتا ہے بظاہر عرب جغرافیہ نویسوں کا دریائے سَنجہ ہے اور وہ پل جو عجائبات عالم میں شمار ہوتا تھا اب تک موجود ہے۔ اسے قیصر وسپاسیان (Vespassian) نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ پل صرف ایک محراب کا ہے جس کا دھن ایک سو بارہ فٹ کا ہے بُلَم صُو اور کاختہ چے کے مقام اتصال پر یہ پل بنا ہوا ہے۔ اس کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ رومی عہد کی ان عظیم الشان یادگاروں میں ہے جو اب تک موجود ہیں۔ اس پل کی تصویر جیاگرفیکل جرنل (اکتوبر ۱۸۹۶ء ص ۳۱۲) میں ملے گی۔ اس کے علاوہ مزید تفصیل اور تصویر کے لئے دیکھو ہُمان اور پخشٹین (Puchstieu) کی کتاب Reisen in Kleinasien (پلیٹ ۱۴، ۴۲، ۴۳)+ [1] مقدسی ص ۱۴۵، ۱۴۶+

شمالی میسوپوٹیمیا کی بڑی سڑکیں عراق کی بڑی سڑکوں کے سلسلے ہی کا ایک
۱۲۵۹ جزو ہیں۔ بغداد سے موصل جانے والی برید کی سڑک دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ چل کر تکریت کے مقام پر نمو بہ جزیرہ میں داخل ہوتی تھی۔ آگے چل کر دریا کے بائیں کنارے کے متوازی جبلتا تک جاتی ہے؛ اور پھر سن اور حدیثہ سے ہوتی ہوئی موصل پہنچتی تھی۔ اس بڑی سڑک کا تذکرہ شروع زمانہ کے عربی جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے، اور مستوفی نے بھی اس کا حال لکھا ہے[1]۔

موصل سے برید کی سڑک دجلہ کے بائیں کنارے سے داہنے یعنی مغربی کنارے کی طرف جاتی تھی اور بلد تک آنے کے بعد اس کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں؛ بائیں ہاتھ کی شاخ سنجار سے ہوتی ہوئی دریائے فرات کے کنارے کے شہر قرقیسیا کو جاتی تھی؛ اور داہنے ہاتھ والی شاخ نصیبین میں سے گذرتی ہوئی کفرتوثا پہنچتی تھی، اور یہاں اس کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں؛ داہنے ہاتھ والی سڑک آمد کو، اور بائیں ہاتھ والی رأس العین سے ہوتی ہوئی، دریائے فرات کے کنارے کے شہر رقہ آتی تھی۔ موصل سے آمد والی بڑی سڑک کا تذکرہ ابن خرداذبہ اور قدامہ نے کیا ہے؛ اور مقدسی نے بھی منزل بمنزل اس کا حال لکھا ہے۔ ان ہی تینوں جغرافیہ نویسوں نے ان سڑکوں کا ذکر کیا ہے جو اس بڑی سڑک کو کاٹتی ہوئی فرات تک پہنچتی تھیں۔ موصل سے حسنیہ ہوتی ہوئی جو سڑک جزیرہ ابن عمر کو گئی تھی، اس کی منزلوں کا حال مقدسی نے لکھا ہے، اور اس سڑک کا تذکرہ بھی کیا ہے جو آمد سے براہ ارزن جبل داؤن کے قریب بدلیس کے مقام کو جاتی تھی[2]۔

دریائے فرات کے چڑھاؤ کے رخ جانے والی برید کی سڑک اس کے بائیں یا مغربی کنارے کے متوازی گئی تھی، اور الوسہ سے عانہ ہوتی ہوئی فرات کے مشہور دریائی لنگرگاہ الفرضہ کو جاتی تھی یہاں اس کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں؛ ایک شاخ دریائے فرات کے متوازی قرقیسیا کے بالمقابل شہر فاش کو جاتی تھی، اور

[1] ابن خرداذبہ ص ۹۳ + قدامہ ص ۲۱۴ + مقدسی ص ۱۳۵، ۱۴۸، ۱۴۹ + مستوفی ۱۹۵ +

[2] ابن خرداذبہ ص ۹۵، ۹۶ + قدامہ ص ۲۱۴، ۲۱۵ + مقدسی ص ۱۴۹، ۱۵۰ +

بدستور فرات کے اسی جانب آگے بڑھ کر رَقّہ پہنچتی تھی! دوسری یعنی بائیں ہاتھ والی شاخ بھی سیدھی ریگستان کو عبور کرنے کے بعد رُصافہ سے گزرتی ہوئی رَقّہ آتی تھی، اور اس طرح وہ دریائے فُرات کے پیچوں اور خموں سے بچ گئی تھی بُرصافہ ایک بڑا مقام تھا، کیونکہ یہاں سے دو سڑکیں مغرب کی سمت میں بادیہ شام سے گذرتی ہوئی ایک دِمشق، اور دوسرے حمص کو آتی تھی۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قرقیسیا اور رقہ میں بڑی سڑکوں کی ایک ایک شاخ آئی ہوئی تھی۔ ان میں ایک موصل سے سنجار کے راستے قرقیسیا آئی تھی اور دوسری نصیبین سے راس العین اور مجہروان کے راستہ رقہ پہنچتی تھی، اور رقہ سے مجروان کی راہ ایک سڑک حرّان اور الرّہا (اڈیسہ) ہوتی ہوئی آمِد کو آئی تھی۔

ایک سیدھی سڑک دریائے فرات کے بڑے گھماؤ سے بچتی ہوئی رقہ سے براہ سروج سُمیساط جاتی تھی۔ اسی مقام سے حصن منصور ملطیہ[1] اور دوسرے قلعوں کے فاصلے اندازے سے بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ تمام فاصلے اتنی صحت کے ساتھ بیان نہیں ہوئے ہیں کہ حدث اور زبطرہ کے ٹھیک موقعوں کے تعین میں بکار آمد ہوں، جن کے متعلق ابھی تک کچھ بحث باقی ہے، گو مقدسی نے ان دونوں سرحدی قلعوں کی نسبت بعض مفید اشارات دیئے ہیں۔[1]

---

[1] ابن خرداذبہ ص ۹۶، ۹۷، + قدامہ ص ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷ + مقدسی ص ۱۴۹، ۱۵۰ +

باب نہم (۱۲۷)

رُوم یا ایشیائے کوچک

بلاد الروم یا یونانی سلطنت۔ ملطیہ سے طرسوس تک قلعوں کا سلسلہ۔ کوہ ثارس کے پار جانے کے لئے دو درے۔ قسطنطنیہ کی شاہراہ براہ سلی شین گیٹس۔ طرنداد۔ قسطنطنیہ کے تین محاصرے۔ ایشیائے کوچک پر مسلمانوں کی فوج کشیاں۔ خلیفہ معتصم باللہ عباسی نے عموریہ کو تاراج کیا۔ سلجوقیوں کے ایشیائے کوچک پر حملے۔ ارمینیہ خورد کی سلطنت۔ صلیبی مجاہدین۔ سلجوقیوں کی رومی سلطنت کے بڑے بڑے شہر۔

مسلمانوں میں بازنطینی سلطنت کے صوبہ جات مجموعی طور پر بِلادُ الرُّوم (یونانیوں کی سرزمین) کہلائے جاتے تھے۔ روم سے مراد "روما اوائی" (Rornaioi) یعنی رومن لوگ تھے۔ رومن کا لفظ شروع زمانۂ اسلام میں عیسائی کا مترادف تھا خواہ وہ عیسائی یونانی ہو یا لاطینی۔ بحر متوسط کو بھی بالعموم بحیرہ روم (یعنی رومیوں کا سمندر) کہتے تھے۔ پھر یہ ہوا کہ کچھ زمانہ میں بِلادِ الرُّوم صرف رُوم کی شکل میں مختصر ہو کر ان ملکوں کا خصوصیت کے ساتھ نام ہو گیا جو مسلمانوں کی سرحد سے قریب ترین تھے۔ اس طریقے سے ایشیائے کوچک کے صوبے کا عربی نام "رُوم" ہو گیا اور آخر کار پانچویں (گیارھویں) صدی میں جب اس وسیع صوبے کو سلجوقیوں نے فتح کر لیا تو اسلامی حکومت کے زیرنگیں ہو گیا۔

افسوس ہے کہ عہد وسطیٰ کی مستند تصانیف موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہم ایشیائے کوچک کے مفصل تاریخی حالات اور وہاں کی تاریخی جغرافیہ کی پوری کیفیت کے متعلق جو
اس زمانہ میں اس ملک کی تھی خواہ اس وقت وہاں عیسائیوں کی حکومت ہو خواہ مسلمانوں (۱۲۸)
کی، بہت کم واقفیت رکھتے ہیں[۱]۔ شروع کے عرب جغرافیہ نویسوں کے لئے یہ ایک قدرتی

[۱] پروفیسر ڈبلیو ایم رامسے کی کتاب The Historical Geography of Asia Minor میں



نقشه صوبه دوم

امر تھا کہ وہ اس ملک کے حالات سے، جو ان کے زمانہ میں رومانی سلطنت کا ایک صوبہ تھا بہت کم واقفیت رکھتے ہوں۔ اور جب سلجوقی اس پر مستولی ہو گئے تب بھی ہمارے مسلمان مصنف اس دور افتادہ صوبے کو تقریباً نظر انداز ہی کرتے رہے۔ بنا بریں، دوسرے صوبوں کے تفصیلی اور مسلسل حالات کی طرح اس صوبے کے حالات ہم تک نہیں پہنچے۔ سب سے پہلے مصنف جنہوں نے اسلامی ایشیائے کوچک کے مکمل حالات لکھے ہیں وہ حاجی خلیفہ ہیں، لیکن یہ حالات گیارھویں (سترھویں) صدی میں شروع ہوتے ہیں، جب کہ یہ صوبہ تقریباً دو صدی تک سلطنت عثمانی کے زیر فرمان چلا آتا تھا۔

خلفاء بنی امیہ کے زمانہ میں اور اسی طرح خلفاء عباسیہ کے دور میں، اس وقت سے کچھ اوپر ڈیڑھ صدی پہلے تک کہ عباسیوں کا خاندان مغلوں کی یورش کی وجہ سے بالکل تباہ ہو جائے مسلمانوں اور بازنطینیوں میں کوہ ٹارس اور اینٹی ٹارس سلسلے حد فاصل بنے رہے۔ یہاں قلعوں کا ایک طولانی سلسلہ جنہیں عرب الثغور کہتے تھے دریائے فرات بالا کے کنارے کے شہر مَلَطیَہ سے لے کر ساحل بحیرۂ روم کے قریب کے شہر طَرسُوس تک سرحد کی نشان دہی اور حفاظت کرتا تھا۔ یہ قلعے بار بار جیسا کہ لڑائی کا انجام ہو کبھی مسلمانوں اور کبھی بازنطینیوں کے قبضے میں آئے اور کبھی قبضے سے نکل گئے۔ قلعوں کے اس سلسلہ کو عام طور پر دو مجموعوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ ایک مجموعے کے قلعے وہ تھے جو شمال میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲) اس مضمون کے متعلق جو کچھ اس وقت تک معلوم ہوا ہے اس کا خلاصہ بہت خوبی سے درج ہوا ہے۔ ہر شخص کے لئے جو اس مشکل اور پیچیدہ مضمون کو اچھی طرح سمجھنا چاہتا ہو اس تصنیف کا پڑھنا ضروریات سے ہے۔ باب ہذا میں جس قدر مواد اس تصنیف سے لی گئی ہے اُس کا پورا اندازہ ان حوالوں سے نہیں ہو سکتا جو حواشی میں درج کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ پروفیسر ریمسے کے دو مضامین کا حوالہ دینا بھی ضروری ہے، جو 'Geographical Journal' (ستمبر ۱۹۰۲ء ص ۲۵۷؛ اکتوبر ۱۹۰۳ء ص ۳۵۰) میں شائع ہوئے ہیں۔

[1] بحیرۂ روم کے شرقی حصہ میں جزائر قُبرُس (Cyprus) اور رُودِس (Rhodes) سے عرب بخوبی واقف تھے۔ کیونکہ ان میں سے قبرس پر مسلمانوں نے شروع ہی میں یعنی ۲۸ھ (۶۴۹ء) میں بسر کردگی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فوج کشی کی تھی، لیکن وہاں کے جغرافی حالات کچھ بیان نہیں کئے گئے۔ بلاذری ص ۱۵۲، ۲۳۶؛ یاقوت ج ۲ ص ۸۳۲، ج ۴ ص ۲۹۔

میدسو پوٹیمیا کی حفاظت کرتے تھے؛ ان قلعوں کو ثغور الجزیرہ کہتے تھے۔ دوسرے
مجموعے کے قلعے یعنی ثغور الشام جنوب مغرب میں شام کی حفاظت کرتے تھے۔ ثغور الجزیرہ
میں ملطیہ، حصن منصور، بہسنا اور الحدث کے قلعوں کے علاوہ جن کا ذکر گزشتہ
باب میں ہو چکا ہے مرعش، ہارونیہ، الکنیسہ اور عین زربہ کے قلعے شامل
تھے۔ دوسرے مجموعے یعنی ثغور الشام کے قلعے خلیج اسکندریہ (Alexanderetta)
کے شمالی ساحل کے قریب واقع تھے، اور شام کی حفاظت کرتے تھے؛ یہ المصیصہ، اذنہ
اور طرسوس تھے:

مرعش کو جسے بازنطینی مراسیون (Marasion) کہتے تھے، اور جس کی نسبت
کہا جاتا ہے کہ وہ جرمانیکیا (Germanicia) کے موقع پر تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
نے پہلی مرتبہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں از سر نو تعمیر کرایا تھا؛ بعد میں اموی خلفاء نے
اسے خوب مستحکم و محصن کر دیا، اور یہاں مسلمان کثرت سے آباد ہو گئے۔ ان کی سہولت (۱۲۹)
کے لئے وہاں ایک جامع مسجد تعمیر کرا دی گئی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اسے پھر درست
کرایا، اور اس کے گرد دوہری فصیل اور خندق بنوائی۔ شہر کے اندر جو محلہ تھا اسے
یاقوت کے بیان کے مطابق بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد کے نام پر مروانی
کہتے تھے۔ ۴۹۰ھ (۱۰۹۷ء) میں مرعش کو صلیبی مجاہدوں نے بسرکردگی گاڈفری
بولون فتح کیا؛ اس کے بعد وہ ارمینیہ خرد کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا رہا؛ جن کا
ذکر آگے آئے گا؛ اور ارمینیہ خرد کی سلطنت کے خاتمے تک زیادہ تر عیسائیوں ہی کے قبضے
میں رہا۔ عین زربہ کا قلعہ جسے صلیبی مجاہدین انازاربوس (Anazarbus) کہتے تھے
اب تک موجود ہے۔ ہارون الرشید نے ۱۸۰ھ (۷۹۶ء) میں اس کو دوبارہ تعمیر کرا کے
زیادہ مضبوط کر دیا۔ اصطخری کا بیان ہے کہ یہ قلعہ ایسے میدان میں واقع تھا جس میں
کھجوروں کے درخت پیدا ہوتے تھے؛ اور گرد و نواح کی اراضی خوب زرخیز تھیں۔ شہر کی
فصیل مضبوط بنی ہوئی تھی، اور چوتھی (دسویں) صدی میں وہ بہت خوش حال شہر تھا۔
کہتے ہیں کہ اسی صدی کے وسط کے قریب سیف الدولہ حمدانی نے اس کی
فصیلوں اور برجوں پر تین لاکھ درہم (یعنی تقریباً ۸۰۰۰۰ روپیہ) خرچ کئے تھے۔
لیکن اسے ایک بار سے زیادہ یونانیوں نے مسلمانوں سے فتح کر لیا۔ پھر آئندہ صدی

یعنی پانچویں (گیارھویں) صدی کے آخری حصہ میں صلیبی مجاہدوں نے اس پر قبضہ کرکے اسے بالکل مسمار کر دیا۔ اس کے بعد وہ ارمینیہ خرد کی سلطنت کا حصہ شمار ہونے لگا۔ ابو الفداء نے لکھا ہے کہ یہ شہر ایک پہاڑی کے نیچے تھا جس کی چوٹی پر ایک مضبوط قلعہ تھا اور سیس کے جنوب میں ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔ ابو الفداء لکھتا ہے کہ مَرعَش کے جنوب میں دریائے جَیحان بہتا تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے جنوب میں عین زربہ کا نام بگڑ کر ناوَرزا ہو گیا۔

الہارُونیہ اور الکَنِیسہ کا صحیح موقع کہ کہاں آباد تھے معلوم نہیں، لیکن یہ دونوں مَرعَش اور عین زَربَہ کے درمیان کہیں کوہستانی علاقے میں واقع تھے۔ الہارُونیہ مَرعَش سے ایک منزل مغرب میں واقع تھا اور وہ مَرعَش ہی سے متعلق ایک قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ اسے ۱۸۳ھ (۷۹۹ء) میں خلیفہ ہارون الرشید نے بنوایا تھا؛ اور اسی وجہ سے اس کا نام ہارُونیہ ہوا۔ یہ قلعہ کوہستان لُکّام کے مغرب کی جانب ایک وادی میں واقع تھا۔ لُکّام کے پہاڑوں سے مسلمان جغرافیہ نویس انٹی ٹارسس کے سلسلے سے کم و بیش مراد لیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابن حوقل ہارونیہ گیا تھا کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ بستی بہت آباد تھی، اور قلعہ مضبوط بنا ہوا تھا۔ لیکن بازنطینیوں نے اسے مسمار کر دیا۔ یہ واقعہ ۳۴۸ھ (۹۵۹ء) کا ہے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ اس معرکے میں عیسائیوں نے ایک ہزار پانچ سو مسلمان مرد و عورت اور بچے گرفتار کر لئے۔ اس کے بعد سیف الدولہ حمدانی نے اسے دوبارہ درست کرایا، لیکن عیسائیوں نے پھر اس پر قبضہ کر لیا، اور وہ ارمینیہ خرد کی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ کنیسہ کا پورا نام کَنِیسۃ السوداء (۱۴۰) (کالا گرجا) تھا۔ امام بلاذری اس کی نسبت لکھتے ہیں کہ یہ ایک بہت پرانا قلعہ تھا جو سیاہ پتھروں سے تعمیر ہوا تھا، اور یونانیوں کا بنایا ہوا تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اسے دوبارہ بڑے استحکام کے ساتھ بنوا کر اس میں بہت سی فوج مقیم کر دی تھی۔ یہاں ایک جامع مسجد بھی تھی جو غالباً دریائے جَیحان کے جنوب میں تھی، کیونکہ اصطخری نے لکھا ہے کہ "وہ ساحل سے کچھ فاصلے پر واقع ہے" + ابو الفداء کا بیان ہے کہ کَنِیسہ ہارونیہ سے صرف بارہ میل تھا اور اس کے زمانہ میں ہارُونیہ کی طرح کَنِیسہ بھی ارمینیہ خرد کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا۔

اسی نواح میں ایک اور قلعہ وہ تھا جسے عرب اَلمُثَقَّب (چھدا ہوا) کہتے تھے۔

یاقوت نے اس نام کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ قلعہ ایسے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے جو بڑے بڑے روزنوں اور شگافوں سے چھدے ہوئے نظر آتے تھے [لانہ فی جبال بہا مثقبۃ یاقوت مطبوعہ مصر ج ۷ ص ۳۸۳] معلوم ہوتا ہے کہ اس قلعے کی اصلی جاء وقوع کا صحیح علم کسی کو نہیں، لیکن وہ قلعہ کنیسۃ سے بہت دور نہ تھا، بلکہ لکام کے پہاڑوں کی تلیٹی میں ساحل بحر کے قریب مصیصہ کے قرب وجوار میں واقع تھا۔ یہ قلعہ خلیفہ ہشام بن عبد الملک، اور بقول بعض حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے تعمیر کرایا تھا، اور ابن حوقل نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ جو خلفاء بنی امیہ میں سب سے زیادہ متقی اور صالح خلیفہ ہوئے ہیں، خاص اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قرآن شریف یہاں رکھا ہے۔ اس کے علاوہ امام بلاذری نے بیان کیا ہے کہ جب مہندس حصن مُثَقَّب کی خندق پہلی بار کھودنے لگے تو اُنھیں آدمی کی ایک ٹانگ ملی جو اس قدر لمبی چوڑی تھی کہ لوگ اُسے فال بد سمجھنے لگے اور اُسے ایک عجیب چیز جان کر خلیفہ ہشام کے پاس بھیج دیا[1]۔

مَصِّیصَہ (موپسوایسٹیا: Mopsuetia) اَذَنہ (Adana) اور طَرَسُوس (Tarsus) کے شہر جو یونانیوں نے آباد کیے تھے۔ اب تک موجود ہیں۔ مصیصہ نہر جیحان (Pyramus) کے کنارے واقع ہے۔ اِسے خلیفہ عبد الملک کے بیٹے عبد اللہ نے پہلی (ساتویں) صدی میں فتح کیا تھا۔ خلیفہ نے اس کی دیواروں اور مورچوں کو درست کرایا، وہاں فوج مقیم کر دی، پہاڑی کی چوٹی پر ایک مسجد تعمیر کی گئی اور قلعہ کے اندر جو گرجا تھا وہ غلہ رکھنے کے کام میں لایا گیا۔ بہت جلد شہر سے باہر ایک آبادی، یا دوسرا شہر، دریائے جَیحَان کے دوسرے کنارے پر بس گیا۔ یہ آبادی کَفَربَیّا کہلاتی تھی، اور خلیفہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے یہاں ایک
(۱۳۱) دوسری جامع مسجد تعمیر کرائی اور ایک بڑا حوض تیار کرایا۔ ایک تیسری بستی دریائے

[1] اصطخری ص ۵۵، ۶۳ + ابن حوقل ص ۱۰۸، ۱۲۱ + بلاذری ص ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۸۸ + مسعودی (مروج) ج ۱ ص ۲۶ + ج ۸ ص ۲۹۵ + یاقوت ج ۱ ص ۷، ۲۹ + ج ۲ ص ۶۷۱ + ج ۴ ص ۲۱۳، ۳۱۳، ۴۹۸، ۹۴۵ + ابو الفداء ص ۲۳۵، ۲۵۱ +

جیحان کے مشرق میں آخری اموی خلیفہ مروان بن محمدؒ نے تعمیر کرائی، اور خصوصؔ اس کا نام رکھا۔ اس کے گرد اُس نے ایک فصیل اور خندق بنوائی اور فصیل کے دروازے لکڑی کے کواڑوں سے بند ہوتے تھے۔ عباسی عہد میں خلیفہ منصور نے ایک قدیم بت خانے کو جامع مسجد میں تبدیل کرایا، اور مسجد کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ والی مسجد سے متصل بنوایا۔ ہارون الرشید نے کَفَرْ بَیَّا کو دوبارہ تعمیر کرایا، اور مامون نے اس کی مسجد کو زیادہ وسیع کر دیا۔ کَفَرْ بَیَّا اور مَصِّیْصَہ کی دونوں بستیوں میں آمد و رفت کے لئے دریائے جَیْحَان پر ایک پختہ پل تھا، اور مَصِّیْصَہ کا شہر عام طور سے المعمورہ (آباد، یا مضبوط بنا ہوا) کہلاتا تھا۔ یہ نام خلیفہ منصور عباسی نے اُسے اُس وقت دیا تھا جب کہ ۱۳۹ھ (۷۵۶ء) کے زلزلے کے بعد اُس نے اس شہر کو دوبارہ تعمیر کرایا بعد میں قرب و جوار کے اور شہروں کی طرح مَصِّیْصَہ بھی ارمینۂ خورد کی سلطنت کا جزو بن گیا تھا۔

مَصِّیْصَہ سے قریب کا شہر اَذَنَہ نہر سَیْحان (The Sarus) کے کنارے واقع تھا، اور مَصِّیْصَہ سے آنے والے راستے پر وہ پل پڑتا تھا جسے قیصر جس ٹی نیان (Justinian) نے تعمیر کرایا تھا۔ ۱۲۵ھ (۷۴۳ء) میں اس پل کی مرمت کرائی گئی اور خلیفہ ولید بن عبدالملک کے نام پر اس کا نام جسرُ الولید ہوا۔ ۲۲۵ھ (۸۴۰ء) میں خلیفہ معتصم عباسی نے اس پل کی پھر مرمت کرائی۔ اَذَنَہ کو منصور عباسی نے ۱۴۱ھ (۷۵۸ء) میں ایک حد تک دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ اصطخری نے اسے بہت خوشگوار شہر بتایا ہے، جو دریائے سَیْحَان کے مغرب میں واقع تھا، اور بہت آباد اور مستحکم شہر تھا۔ اس شہر کا قلعہ دریا کے کنارے تھا، اور یاقوت لکھتا ہے کہ قلعہ کو شہر سے ملانے کے لئے دریا پر ایک پل بنایا گیا تھا جو صرف ایک محراب کا تھا۔ اور خود اَذَنَہ کی حفاظت کے لئے ایک شہر پناہ تھی جس میں آٹھ دروازے تھے، اور اُس کے باہر ایک گہری خندق تھی۔

دریائے سارُوس (Sarus) اور دریائے پیراموس (Pyramus) کو مسلمان بالترتیب سَیْحان اور جَیْحَان کہتے تھے۔ ابتدائی عہد میں یہ دونوں دریا اسلامی ملکوں کی سرحد پر یونانی سلطنت کی سمت میں تھے، اور اسی اعتبار سے وسط ایشیا کے دو مشہور دریاؤں اکسس (Oxus) اور جکزارٹیس (Jaxartes) کو (جیحون

عرب جغرافیہ نویس جیحون و سیحون کہتے تھے (جس کی توجیہ ہم آئندہ کریں گے) شامل قرار دے کر یا ان ناموں کی نقل اُتار کر دریائے پیراموس اور سارُوس کا نام جَیحان و سَیحان رکھ دیا۔ ان دونوں دریاؤں کے منبعے ان کوہستانوں میں تھے، جو ارمینیہ خورد کے شمال میں تھے اور دریائے جَیحان (جس کا ابو الفدا نے فرات سے مقابلہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُس کے زمانہ میں اس کو نہر جیحان کہا جاتا تھا) مَصِّیصَہ سے گذرتا ہوا بحیرۂ روم والی خلیج ایاس میں اُس مقام پر گرتا تھا جو اَلمُلَّون (Mallus بعد کو Malo) کی بندرگاہ سے شمال میں تھا۔ دریا (۱۴۲)
سَیحان چھوٹا تھا۔ اور اُس کے کنارے صرف اَذَنَہ ایک بڑا شہر تھا۔ جیحان کی شہرت اُس پل کی وجہ سے تھی جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ مسعودی لکھتا ہے کہ سیحان و جَیحان دونوں جنت کے دریاؤں میں مانے جاتے تھے[1]۔

بہرکیف سرحدی علاقوں میں قلعہ طَرَسُوس سب سے زیادہ زبردست قلعہ تھا۔ شروع زمانے میں یہاں سوار اور پیدل کی ایک بڑی فوج رہا کرتی تھی، کیونکہ یہ قلعہ مشہور و معروف سلیشن گیٹس (Cilician Gates) یعنے کوہستان ٹارس کے درون میں جنوبی درے پر حاوی تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ طَرسُوس کے گرد دوہری شہر پناہ فصیل تھی اور وہاں (۱۰۰۰۰) سواروں کی فوج رہتی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ اس

[1] بلاذری ص ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۸۔ اصطخری ص ۶۳، ۶۴۔ ابن حوقل ص ۱۲۲۔ مسعودی (مروج) ج ۱ ص ۲۵۶، ج ۸ ص ۲۹۵۔ یاقوت ج ۱ ص ۱۶۹، ج ۲ ص ۲۰۸، ج ۴ ص ۵۰۵، ۵۰۹۔ ابو الفدا ص ۵۰۔ ان دونوں دریاؤں کے نام بعض اوقات، لیکن غلطی سے وسط ایشیا کے دریاؤں کے ناموں پر جیحون و سیحون لکھے جاتے ہیں۔ قدیم دریائے سارُوس کے دہانے کے متعلق یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ابن سرابیون (قلمی نسخہ فولیو ۴۴ a) لکھتا ہے کہ اُس زمانہ یعنے چوتھی (دسویں) صدی کے شروع میں دریائے سَیحَان (سارُوس) مَصِّیصَہ سے پانچ فرسخ شمال میں دریائے جَیحَان (پیراموس) سے ملتا تھا، اور سمندر میں گرتے وقت سَیحان و جَیحان کا ایک ہی دہانہ تھا۔ لیکن موجودہ زمانہ میں سَیحان کا دہانہ بالکل علٰحدہ جَیحَان کے دہانہ سے مغرب کی طرف مرسینہ کے قریب ہے۔ سَیحان کے قدیم رہگذر کا پتہ اب بھی لگایا جا سکتا ہے دیکھو Geographical Journal بابت ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۸۸

شہر اور یونانی سلطنت کے درمیان، ایک بلند سلسلہ پہاڑوں کا ہے جسے جبل لکّام کی
شاخ سمجھنا چاہیئے اور یہ سلسلہ دنیائے اسلام اور دنیائے نصاریٰ کے درمیان حد فاصل
ہے۔ اُس [illegible] نے یہ بھی لکھا ہے کہ ۳۴۷ھ (۹۵۸ء) میں جو بڑی فوج اُس نے طرسوس
میں دیکھی تھی وہ زیادہ تر ایسے رضاکاروں [مُتطوّعہ] پر مشتمل تھی جو بازنطینیوں
سے لڑنے کے لئے تمام اسلامی ممالک سے یہاں آکر جمع ہو گئے تھے۔ اُس نے اس کی وجہ
یہ بیان کی ہے کہ "ایران، عراق، شام، مصر اور مراکش کی تمام حدود میں کوئی
کوئی بڑا شہر [illegible] نہیں کہ جس کے باشندوں کے لئے ایک مخصوص کاروان سرائے (دار)
طرسوس میں موجود نہ ہو جہاں ہر شہر کے سلطان غازی الگ الگ رہ سکیں [illegible]
رضاکار [illegible] جب ایک مرتبہ طرسوس پہنچ جاتے ہیں تو وہاں کی [illegible]
میں [illegible] وہ یہیں بس جاتے ہیں۔ یہ لوگ نماز روزے اور وظائف کے نہایت
[illegible] ہیں۔ ہر طرف سے ان کی مدد کے لئے چندے چلے آتے ہیں اور اس کے
[illegible] زکوٰۃ اور چندے کی ملتی ہیں۔ مشکل سے ہی کوئی سلطان ایسا
ہوگا جو ملک کے لئے تھوڑی بہت فوج وہاں نہ بھیج دیتا ہو۔"

شروع زمانہ کے خلفاء عباسیہ کے دور میں، یعنی مہدی اور ہارون الرشید کے
(۳۳) عہد میں طرسوس کی فصیلوں اور مورچوں کو دوبارہ نہایت استحکام سے تعمیر کرا کے
اس میں فوج رکھی گئی۔ پہلے اس فوج کی تعداد (۸۰۰۰) سواروں کی تھی۔ شہر کے شہر
دروازے باب الجہاد (جہاد کے دروازہ) سے فوجی مہمیں ہر سال عیسائیوں سے
لڑنے کے لئے روانہ کی جاتی تھیں۔ خلیفہ مامون جس نے یہاں سے قریب ہی بذندون
(Podandos) کے مقام پر وفات پائی تھی طرسوس ہی کی عظیم الشان جامع
مسجد کے بائیں حصہ میں دفن کیا گیا تھا۔ شہر کے بیچ میں نہر بردان (River Cydnus)
گذرتی تھی، فصیل شہر میں چھ دروازے اور باہر ایک خندق تھی، یاقوت نے ان
تمام حالات پر یہ اضافہ کیا ہے کہ طرسوس ۳۵۴ھ (۹۶۵ء) تک اسلامی سلطنت کا
سرحدی قلعہ رہا، لیکن اس سال قیصر نقفور (نی سی فورس فوکس) نے سرحد کے
متعدد قلعے فتح کرنے کے بعد طرسوس کا محاصرہ کیا، مسلمانوں نے شہر عیسائیوں کے حوالے
کر دیا، جو مسلمان شہر کو چھوڑ کر جا سکتے تھے وہ چلے گئے، باقی کو جزیہ دینا پڑا [illegible]

مسمار کرادی گئیں"۔ نقفور نے تمام قرآن شریف جلادیئے اور سلح خانے سے تمام
ہتیار نکال لے گیا۔ اُس زمانہ سے لے کر آج تک (یعنی ۶۲۳ھ (۱۲۲۶ء) تک) طرسوس
مع قرب و جوار کے علاقے کے برابر عیسائیوں کے قبضے میں چلا آتا ہے[1]۔

لِکْنُس کا قدیم دریا، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا الھز بَرْدَان یا بَرَدَا کہلاتا تھا
اور ابن فقیہ نے لکھا ہے کہ اُسے دریائے غَضْبان بھی کہتے تھے۔ یہ طرسوس کے
شمال میں کوہستانی علاقے کی ایک پہاڑی سے جسے اَلْاَقْرَع (گنجی) کہتے تھے نکل کر
دریائے سَیْحَان کے اُس دہانے کے قریب جو بعد کو قائم ہوا بحیرۂ روم میں گرجاتا تھا۔
مغرب کی طرف طرسوس سے ایک منزل پر دریائے لاموس (Lamos) پرانے
زمانہ میں اسلامی سلطنت کی سرحد قائم کرتا تھا، اسے عرب لَمِس کہتے تھے، اور یہاں
مقررہ اوقات پر عیسائی اور مسلمان قیدیوں کا فدویہ ادا کرکے ان کو قید سے رہائی
دلائی جاتی تھی۔ دریائے لمس سے آگے جنوب میں یونانی شہر سلوقیہ (Seleucia of
Cilicia) تھا جسے بعد میں ترک سَلَفکَہ کہنے لگے تھے[2]۔

ٹارس کے پہاڑی سلسلہ میں متعدد درے تھے جن سے اس سلسلہ کو عبور کیا جاتا
تھا، لیکن ان میں سے دو درے خصوصاً ایسے تھے جن سے ہوکر مسلمان بازنطینی سلطنت پر
ہر سال فوج کشی کیا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک درہ شمال مشرق میں دَرْبُ الحَدَث
تھا۔ یہ مرعش سے شمال میں اَبُلُسْتَان کو پہنچتا تھا۔ اُبلستان کا شہر بعد کو اَلبستان
کہلانے لگا تھا۔ بازنطینی اسے ابلاستھا (Ablastha) اور یونانی اَرَابیسُوس
(Arabissus) کہتے تھے۔ اس درے کی حفاظت کے لئے حَدَث کا بڑا قلعہ تھا، جس کا (۱۳۴)
ذکر گذشتہ باب میں ہوچکا ہے۔ دوسرا درہ، جس سے ابتدائی زمانہ میں اکثر فوج کشی کی گئی

---

[1] شہر طرسوس کے عیسائیوں کے فتح کرنے کے حالات اور اس فتح کے بعد وہاں کے مسلمانوں کی جو دردناک حالت ہوئی اس کے متعلق مزید معلومات کے لئے دیکھو:۔ یاقوت (مطبوعہ مصر) ج ۶ ص ۳۹، ۴۰ + مترجم) +

[2] ابن حوقل ص ۱۲۲ + ابن فقیہ ص ۱۱۶ + بلاذری ص ۱۶۹ + مسعودی (مروج) ج ۱ ص ۲۶۴ + ج ۷ [illegible] + یاقوت ج ۱ ص ۳ [illegible] + ج ۳ ص ۲۶ [illegible] + [illegible] ج ۳ ص ۲۷، ۱۳۳ + ابن الاثیر (ج ۸ ص ۱۳۴) [illegible] غلطی سے [illegible] چھپ گیا ہے۔

تھی سلیشن گیٹس (Cilician Gates) والا درہ تھا، جو طرسوس سے شمال کو جاتا تھا
اور اسی درے میں سے قسطنطنیہ جانے والی سڑک گزرتی تھی؛ ڈاک بھی اسی پر چلتی تھی، اور
سفارتیں جو ہر سال خلیفہ اور قیصر کے پاس آتی جاتی تھیں وہ اسی راہ سے گزرتی تھیں
لوٹ مار کی بیشمار یورشوں کے لئے خواہ وہ مسلمانوں کی طرف سے ہوں خواہ عیسائیوں کی
طرف سے یہی سڑک اختیار کی جاتی تھی۔ ان تمام امور کے ساتھ ابن خردادبہ نے، جس کی
تصنیف کا زمانہ سنہ ۲۵۰ھ (۸۶۴ء) ہے، اس سڑک کے حالات بہت شرح و بسط سے لکھے
ہیں، اور یہی حالات زمانہ مابعد کے مصنفوں نے اپنی کتابوں میں نقل کر دئیے ہیں۔ اس
سڑک کا جنوبی حصہ دَرَبُ السلامہ (سلامتی کا دروازہ) کہلاتا تھا، اور وہ درہ پیلی
سلیکی (Pylae-Ciliciae) یعنے مشہور و معروف سلیشن گیٹس میں سے گزرتا تھا۔

ابن خردادبہ کا بیان حسب ذیل ہے:- اس میں اکثر مقامات ایسے آئے ہیں
جن کی صحت کے ساتھ تطبیق نہیں ہو سکتی، لیکن جہاں کہیں ممکن ہوا ہے خطوط وحدانی
میں مطابقت کے لئے بازنطینی نام لکھ دئیے گئے ہیں۔ ابن خردادبہ لکھتا ہے: طرسوس
سے عُلَیق کا فاصلہ چھ میل اور عُلَیق سے الرَّہوَہ (سیراب میدان۔ یہ مقام غالباً
قدیم موپسو کرینی (Mopsuskerene) ہے) اور جَوزَات کا فاصلہ بارہ میل؛ پھر یہاں
سے سات میل آگے جَوذَقُوب ہے، اور اس سے سات میل آگے بَذَندُون یعنے
(Podandos) (موجودہ بوزنتی) ہے۔ یہیں عَینُ الرّاقہ ہے جس کے قریب خلیفہ
مامون الرشید کا انتقال ہوا تھا۔ پھر بَذَندُون سے دس میل آگے درہ سلیشن گیٹس
کے شمالی سرے پر لُولُؤ (Loulon) والا مَعسکرُ المَلِک گرم پانی کے چشموں کے قریب
واقع ہے۔ یہیں پر الصَّفصَاف (بید مجنون) (فاسٹینوپولس (Faustinopolis) کے
قریب) اور حصن صقالبہ (یعنے صقلبیوں کا قلعہ) کے مقامات ہیں۔ معسکر الملک
سے جہاں درہ سلیشن گیٹس ختم ہو جاتا ہے، وادی الطرفا (الیوں والی وادی) کا
فاصلہ بارہ میل ہے۔ یہاں سے رِمنا (۲۰) میل اور رمنا سے ہِرَقلَہ کے دریا کا فاصلہ
(۱۲) میل ہے۔ ہِرَقلَہ کو بعد میں اراکلیتہ کہنے لگے تھے، اور اس کا یونانی نام
ہیراکلیا (Heraklia) تھا۔ ہِرَقلَہ کو ہارون الرشید نے حملہ کر کے فتح کیا
تھا۔ ہِرَقلَہ سے اَللُّبُن کا شہر (۱۰) میل، اور اللبن سے رأس الغابہ (جنگل کا سرا)

(۱۵) میل رأس الغابہ سے المسکنین (۱۶) میل المسکنین سے عین برغوث (کھٹملوں کا چشمہ) (۱۲) میل، یہاں سے نہر الاحسا (زیر زمین دریا) (۱۰) میل اور نہر الاحساء سے قونیہ (Inconium) کی بیرونی آبادی کا فاصلہ (۱۸) میل تھا۔ قونیہ سے العلمین (دو جھنڈے) (۱۵) میل، اور وہاں سے ابرمسانہ (۲۰) میل اس مقام سے وادی الجوز (اخروٹ کا دریا) (۱۲) میل اور وہاں سے عموریہ (Amorion) (۱۲) میل تھا لیکن متذکرۂ بالا العلمین سے عموریہ جانے کے لئے ایک اور راستہ بھی تھا۔ یعنے العلمین سے قصر اقلیطی کے قریوں تک (۱۵) میل اور وہاں سے الباسلیون (چودہ شہیدوں کی جھیل) کے سرے تک دس میل اور یہاں سے السنل کا فاصلہ (۱۰) میل اور السنل سے حصن سناد (۱۸) میل اور سناد سے عشل کا فاصلہ (۲۵) میل تھا۔ اور وہاں سے (۲۰) میل آگے عموریہ کا جنگل شروع ہوتا تھا۔ (۱۳۵)

عموریہ سے حراب کے قریوں کا فاصلہ (۱۵) میل ہے اور اس کے آگے عموریہ کا دریا ساغری (The Sangarius) دو میل ہے۔ یہاں سے العلج (وحشی آدمی) (۱۲) میل العلج سے فلامی الغابہ (جنگل کا فلامی) (۱۵) میل، اور وہاں سے حصن الیہود (یہودیوں کا قلعہ) (۱۲) میل؛ اور اس قلعے سے سنتابری (Santabris) (۱۸) میل تھا؛ اور سنتابری سے (۳۰) میل کے فاصلے پر درولیہ کا ایک مقام تھا جس کا نام "بادشاہ کے گدھوں والا میدان" تھا۔ درولیہ کا یونانی نام ڈرولیان (Dorylean) ہے درولیہ سے غرو بلی کے قلعہ کا فاصلہ (۱۵) میل ہے اور اس سے تین میل آگے کنائس الملک تھا جس سے مراد اناکومنیا کا گرجا تھا۔ کنائس الملک سے (۲۵) میل آگے التلول (پہاڑیاں) اور اس سے (۱۵) میل آگے الاکوار واقع تھا جہاں سے ملجینا (Malagina) کا فاصلہ (۱۵) میل تھا۔ ملجینا سے (۵) میل آگے اصطبل الملک تھا؛ اس سے (۳۰) میل آگے بڑھ کر حصن الغبراء (یعنے گرد آلود قلعہ) کبوتس (Kibotos) کے مقام سے مراد ہے جہاں سے کشتیاں ایگیالوس (Aigialos) کو جاتی تھیں حصن الغبراء سے (۱۲) میل کے فاصلے پر الخلیج (یعنے قسطنطنیہ والی آبنائے باسفورس) واقع تھی۔ اور حصن الغبراء کے بالمقابل جنوب میں نقیہ (Nicaea) کا مقام تھا یہاں قسطنطنیہ کی سڑک کے متعلق ابن خرداذبہ کا بیان ختم ہو جاتا ہے[۱]

[۱] خرداذبہ ص ۱۰۰ تا ۱۰۲، المسالک ۱۱۲ تا ۱۱۳۔ اس کے علاوہ ابن خرداذبہ نے ص ۱۰۲ تا ۱۰۳ پر اسی راستے کی

قسطنطنیہ کی بڑی سڑک کو چھوڑ کر ایشیائے کوچک کا باقی ملک ایسا تھا جس کے متعلق شروع زمانہ کے عرب جغرافیہ نویسوں کا علم بہت ناقص تھا۔ اس کا ثبوت اس مثال سے ملتا ہے کہ اَلِیسُ (Halys) اور صَاغَرِہ[1] (Sangarius) دو دریاؤں کو جو بالکل جدا جدا ہیں ابن حوقل نے خلط ملط کر دیا ہے۔ اوائل عہد کی عربی تاریخوں میں متعدد یونانی شہروں کے نام معرب شکل میں ظاہر ہوتے ہیں، یہی نام اکثر بعد کی تاریخوں میں بھی آ جاتے ہیں۔ لیکن ترکوں کی فتوحات کے بعد ان کی شکل کسی قدر بدلی ہوئی نظر آتی (۱۳۶)
ہے۔ شہروں کے معرب ناموں کی یونانی ناموں سے مطابقت کرنے میں شبہ کی گنجائش نہیں۔ یہاں چند معرب نام مع ان کے یونانی ناموں کے درج کئے جاتے ہیں :—
طُوَانہ (تیانہ = Tyana) دَبَاسَہ[1] (تھباسا Thebasa) مَلَقُوبِیَّہ (مالاکوپیا = Malacopia) ہِرَقُلَہ (ہیرکلیا Heraclia) لَاذِق (لاڈیکیا = Loadicea) قَیصَرِیَّہ (کیساریا مازاکا = Ceasarea Mazaka) اَنطَاکِیَہ (انٹیوک = Antioch) قُوطِیَہ (کوتیوم = Cotyaeum) انقرہ (انگورہ = Angora) اَفسُوس (افی سوس Ephesus) اَبَدُوس (ابیدوس Abydos) اور نِقمُودِیَہ (نیکومیڈیا Nicomedia) اور ایسے ہی چند نام اور ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۲) چند مختلف صورتیں بیان کی ہیں اور ادریسی (جوبرٹ ج ۲ ص ۳۰۸، ۳۰۹) نے ان کے فاصلے نقل کئے ہیں خصوصیت کے ساتھ پروفیسر ریمسے کی کتاب Historical Geography of Asia Minor ص ۲۳۶، ۳۴۵ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ پروفیسر ریمسے نے (جیاگریفیکل جرنل اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء ص ۳۸۲) صقالبہ کے قلعہ (حِصنُ الصقالبہ) کی تطبیق اس بازنطینی قلعے کے شکستہ آثار سے کی ہے جو سنگ سیاہ کا بنا ہوا تھا، اور جسے آج کل آنش قلعہ سی کہتے ہیں۔ یہ قلعہ اس پہاڑ کی بلندی پر واقع تھا جہاں سے مغرب کی سمت میں بُوزَنتی (بَدَنْدُوْن Podandos) کی گھاٹی نیچے نظر آتی تھی۔ لولون (Lounon) کا بازنطینی قلعہ جس کو عرب لولو (موتی) کہتے تھے اس کی تطبیق بھی پروفیسر ریمسے نے کی ہے (دیکھو رسالہ متذکرۂ بالا ص ۴۰۰، ۴۰۴۔ اس میں قلعے کی تصویر بھی ملے گی)۔ یہ قلعہ شمال کی جانب صفصاف کے اوپر واقع ہے، اور نیچے وادی میں ایک بستی کا ہونا بھی اس سے پایا جاتا ہے اور یہ مقام وہی ہے جہاں یونانیوں کا شہر فاسٹینو پولس (Faustinopolis) آباد تھا۔

[1] اس سے قبل مصنف کتاب دریائے سنگیوس کا نام، ابن خرداذبہ کو نقل کرتے ہوئے سناغری لکھ

ٹری بی زند جسے طَرَابَزَنْدَہ یا اَطْرَابَزَنْدَہ لکھا جاتا ہے' ابن حوقل نے اس کی نسبت بیان کیا ہے کہ یہ خاص بندرگاہ تھا' جس کے ذریعے خلافت عباسیہ کے ابتدائی دور میں قسطنطنیہ سے مالِ تجارت مسلمانوں میں فروخت ہونے کے لئے آیا کرتا تھا یہیں سے عرب سوداگر' یا اُن کے گماشتے مال لے کر پہاڑوں سے ہوتے ہوئے مَلَطْیَہ اور بالائی فرات کے دوسرے شہروں میں آتے تھے۔ ابن حوقل راوی ہے کہ تجارت کا مال لانے لے جانے کا جس قدر کاروبار تھا اُس کا بڑا حصہ ارمنی سوداگروں کے ہاتھ میں تھا' لیکن پھر بھی بہت سے مسلمان سوداگر طَرَابَزَنْدَہ میں مستقل سکونت رکھتے تھے۔ تجارت کے مال میں خاص کر یونان کے سوتی کپڑے' اور رومی زربفت کا بیان ہوا ہے اور یہ تمام چیزیں سمندر کے رستے خَلِیج (یعنے آب نائے باسفورس) سے لائی جاتی تھیں طَرَابِزَنْدَہ کی شہرت اور وقعت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ ایک زمانہ میں بحیرۂ اَسْوَد عرف عام میں بحر طَرَابَزَنْدَہ کہلاتا تھا۔ لیکن اس سمندر کا عربی نام بحر بُنْطُسْ یا بَنْطَشْ تھا' جو یونانی لفظ پون ٹوس (Pontos) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ لیکن پرانے زمانہ سے یہ نام کتابت کی غلطی سے (یعنے عربی حروف میں نقطے غلط جگہ لگا دینے سے) نِیطُسْ یا نِیطَشْ پڑھا اور لکھا جانے لگا' چنانچہ ایرانی اور ترکی مصنف اکثر اسی نام سے اس سمندر کا ذکر کرتے ہیں' اور اب یہ غلطی اس قدر عام ہو گئی ہے کہ اس کا ازالہ محال ہے۔[1]

گو سلجوقی فتوحات سے قبل' جن کا زمانہ پانچویں (گیارھویں) صدی کا نصف آخر ہے' عربی مصنفوں نے ایشیائے کوچک کے شہروں کے جغرافی حالات بہت کم تحریر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۴) آئے ہیں۔ اور یہاں اسی دریا کا نام صَاغرہ لکھتے ہیں۔ ابن حوقل (ص ۱۲۹) نے صاغرہ ہی لکھا ہے۔ بہر حال ساغری اور صاغرہ دونوں ایک ہی دریا کے نام ہیں۔ مترجم۔

[1] ابن حوقل ص ۱۲۹' ۱۳۲' ۲۴۵' ۲۴۶ + ابن خرداد بہ ص ۱۰۳ + بلاذری ص ۱۶۱ + طبری ج ۳ ص ۷۰۹' ۷۱۰ + ابوالفداء ص ۳۴ + یاقوت ج ۱ ص ۴۰۱' ۴۹۹ + مسعودی (مروج) ج ۱ ص ۲۶۔ بحیرۂ اَسْوَد کو بعض مرتبہ بحر خزر بھی کہا جاتا ہے' لیکن بحر خزر کا اطلاق بالعموم صرف بحیرۂ کیسپین پر ہوتا ہے + ابن خرداد بہ ص ۱۰۳ +

کیئے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو اس ملک کے بہت سے حصے سے بخوبی واقفیت ہو چکی ہو گی۔ کیونکہ بنی امیہ اور شروع زمانہ کے خلفائے عباسیہ کے دور میں تقریباً ہر سال بلکہ اکثر سال میں دو مرتبہ یعنی ربیع اور خریف میں طارس کے دروں سے گذر کر مسلمان (۱۳۷)
یونانی سلطنت پر حملے کیا کرتے تھے، جن کا مقصد دراصل یہ تھا کہ قسطنطنیہ فتح کر لیا جائے۔ اموی عہد خلافت میں تین مرتبہ اسلامی فوجوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا لیکن نتیجہ ہر مرتبہ حملہ آوروں کے حق میں مضر ہوا اس پر تعجب کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ باسفورس کا فاصلہ اگر ایشیائے کوچک کی کوہستانی مرتفع علاقوں کو بیچ میں لیتے ہوئے طرسوس کے شہر تک جہاں سے عربی فوجیں حملہ کے لئے روانہ کی جاتی تھیں، بخط مستقیم ناپا جائے تو (۴۵۰) میل سے زائد ہوتا تھا۔

یہ تین محاصرے یہ ہیں۔ پہلا محاصرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ۳۲ھ (۶۵۲ء) میں ہوا۔ امیر معاویہ نے جو بعد میں خلیفہ ہوئے ایشیائے کوچک میں سے گذر کر پہلے حملہ اور پھر محاصرہ کر کے قسطنطنیہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ یہ محاصرہ اس وقت اٹھایا گیا جب ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی امیہ کو خلافت مل گئی اور ۴۱ھ (۶۶۱ء) میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے۔ انھوں نے ۴۹ھ (۶۶۹ء) میں اپنے بیٹے یزید کو جو بعد میں ان کا جانشین ہوا قیصر قسطنطین کے خلاف لڑنے کے لئے روانہ کیا۔ مگر فوج کے افسر لائق نہ تھے۔ اسلامی فوج کو سخت شکست اٹھانی پڑی، اور یزید واپس چلا آیا۔ قسطنطنیہ کا تیسرا اور سب سے زیادہ مشہور محاصرہ جو کئی سال تک جاری رہا خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کے عہد میں ہوا۔ خلیفہ سلیمان نے اپنے بھائی مسلمہ کو ۹۶ھ (۷۱۵ء) میں قیصر لیو اسوری (Leo the Isaurian) کے خلاف لڑنے کے لئے بھیجا۔ یہ حملہ گذشتہ حملوں کی طرح ناکامیاب ثابت ہوا، لیکن عرب اور بازنطینی مورخوں نے اس حملے کا حال مفصل لکھا ہے۔ اس مہم کے دوران میں اسلامی فوج کے سپہ سالار عبد اللہ البطال (بہادر) نے بڑا نام پیدا کیا؛ چنانچہ بعد میں ترک اس بہادر کو اپنا قومی ہیرو اور اسلام کا ایک ناممکن التسخیر مجاہد سمجھنے لگے۔

باوجود ان نقصانوں اور شکستوں کے مسلمانوں کے حملے بجز اس قلیل زمانہ کے

جس میں بنی عباس خلافت حاصل کرنے کی فکر میں تھے، ہر سال جاری رہے۔ اور جب عباسی بنی امیہ کی جگہ خلیفہ ہو گئے تو اس کے بعد بھی کچھ اوپر ایک صدی تک ان حملوں کا سلسلہ بند نہ ہوا۔ گو قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنا اب ان کی طاقت سے باہر تھا، لیکن ایشیائے کوچک کے تمام ملک میں ان کے حملے اور تاخت تاراج کے معرکے بار بار ہوتے رہے۔ ان معرکوں میں سب سے مشہور خلیفہ ہارون الرشید کے بیٹے خلیفہ معتصم کی فوج کشی ہے، جو ۲۲۳ھ (۸۳۸ء)
میں عموریہ پر کی گئی۔ اُس وقت عموریہ مشرق کا سب سے زیادہ شاندار شہر (۱۳۸)
اور بلاد روم کا سب سے زیادہ مضبوط قلعہ اور عیسائیوں کی آنکھ سمجھا جاتا تھا۔ باوجود اس کے خلیفہ معتصم نے اس شہر کو لوٹا اور جلا کر خاک کر دیا، اور بے شمار دولت لے کر بلا مزاحمت واپس ہوا[1]+

[1] ایشیائے کوچک میں عربی فوجی مہموں کی طول و طویل فہرست کو عربی ماخذوں سے ای۔ ڈبلیو برکس (E. W. Brooks) نے اپنے مضامین میں مع حواشی کے تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ مضامین حسب ذیل ہیں:۔ دی اربس ان ایشیا مائنر ۶۴۱ء (۷۵۰ء) (جرنل ہلینک سٹڈیز ج ۱۸، ۱۸۹۸ء) اور بازنٹائن اینڈ دی اربس ان دی ٹائم آف دی ارلی اباسڈس ۷۵۰ء (۸۱۳ء) (حصہ اول انگلش ہسٹاریکل ریویو۔ اکتوبر ۱۹۰۰ء۔ حصہ دوم جنوری ۱۹۰۱ء)+ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے عہد کے محاصرۂ قسطنطنیہ کا تذکرہ اُس نے ایک الگ مضمون میں کیا ہے، جو جرنل ہلینک سٹڈیز (ج ۱۹، ۱۸۹۹ء) میں "دی کیمپین آف ۷۱۶ء، ۷۱۸ء فرام اربک سورسز" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ بازنطینی ماخذوں کی بنا پر اس حملہ کا حال پروفیسر جے بی بیوری نے "ہسٹری آف دی لیٹر رومن امپائر" (ج ۲ ص ۴۰۱) میں پوری تفصیل سے لکھا ہے۔ مسلمان عام طور پر کونسٹینٹی نوپل کو قسطنطنیہ کہتے تھے۔ لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ اس شہر کا بازنطینی نام جس سے موجودہ ترکی نام استنبول ماخوذ بتایا جاتا ہے، اس کے بارے میں مسعودی نے چوتھی (دسویں) صدی کے اوائل میں لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں یونانی اپنے دار السلطنت کو بولن کہتے تھے۔ (تنبیہ ص ۱۳۸)+ (اس بولن سے مراد پولن ہے جو یونانی لفظ پولس کی جگہ استعمال ہوا ہے جس کے معنے شہر کے ہیں)+ بولن کے علاوہ اس کو استن بولن (Eistna Polie) بھی کہتے تھے۔ مسعودی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یونانی عام طور پر اس شہر کو القسطنطنیہ کا نام عربوں کی طرح نہیں دیتے+

بازنطینی قیاصرہ کے عہد میں مختلف صوبوں (Themes) میں ایشیائے کوچک
کے تقسیم ہونے کا حال ابن خرداذبہ نے بہت احتیاط سے بیان کیا ہے، چنانچہ ہم اس عربی
مصنف کے بیان سے اُن مبہم حالات کی تصحیح کر سکتے ہیں جو کونسٹنٹین پورفرجینی ٹس
(Constantine Porphyrogenitus) نے اپنی کتاب میں بیان کئے ہیں۔ یہاں
اس موضوع پر بحث کرنا بے کار ہوگا کیونکہ اس کا تعلق درحقیقت بازنطینی سلطنت کی جغرافیہ
ہے۔ ان شہروں کے علاوہ جن کا ذکر اوپر ہوا عرب مصنف اپنی تصانیف میں جہاں ایشیائے
کوچک میں سرحد کے پار اسلامی مہمات کا حال لکھتے ہیں وہاں اور بہت سے مقامات کا بھی
ذکر کرتے ہیں، لیکن یا تو ان کے بیانات کے غیر واضح ہونے سے یا ناموں میں ابہام کی
وجہ سے ان مقامات کا اب پتہ لگانا ممکن نہیں۔ مثلاً مَرَجُ الاُسْقُفْ (یعنے بشپ کے
میدان) کا ذکر اکثر آتا ہے اور ابن خرداذبہ نے جن راستوں کا ذکر کیا ہے اُس سے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام غالباً بَدَنْدُوْن سے مغرب میں کسی قدر فاصلے پر واقع تھا یا
اَلمطْمُورَہ[1] یا اس کی جمع (اَلمَطَامِیر) کا ذکر بھی اکثر آتا ہے۔ (المطامیر کے معنے کوٹھڑیاں
یا گوشوں کے ہیں) یہ مقام غالباً مَلَقُوبیہ (مالاکوپیا Malacopia) کے قریب تھا۔
ذُوالقِلاع (مضبوط قلعہ) یا ذوالکَلاع (چٹانوں کا قلعہ) ایک مشہور و معروف (۱۴۹)
قلعہ تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ اسے یونانی "ستاروں کا قلعہ" کہتے تھے، جس سے معلوم ہوتا
ہے کہ یہ مقام کپاڈوشیا کے شہر سیدوروپولس (Sideropolis) سے مطابق ہوتا ہے۔
بازنطینی شہر لولون کا نام عربوں نے بامعنے کرنے کے لئے لُؤلُؤ رکھا تھا
یہ مقام جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے سلیشین درے کے شمالی سرے پر واقع تھا۔ اس سے بھی
شمال میں طُوانہ یا طوانہ (تیانہ (Tyana)) تھا جہاں ہارون الرشید نے بہت سی فوج
متعین کر دی تھی اور ایک مسجد بھی یہاں تعمیر ہوئی تھی۔ ایک شہر یا قلعہ جسے صفصاف
(بید مجنون) کہتے تھے قسطنطنیہ کی سڑک پر لؤلؤ کے قریب تھا۔ یہ شہر یا قلعہ جیسے کہ پہلے
بھی تحریر ہوا فاسٹینوپولس کے جوار و نواح پر تھا۔ اور اس کے جنوب ہی بَدَنْدُون (Podandos)
کے جنوب میں صقالبہ کا قلعہ (حصن الصقالبہ) تھا جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ امام

---

[1] Mazmorra (اسپینی) یعنی قید خانہ۔ Massamora (اطالوی)۔ (دیکھو کی اسٹرینج کی کتاب کا نوٹ ۳۳)

بلاذری لکھتے ہیں کہ یہاں چند صقلبیوں کو جو بازنطینی فوج کے مفرور تھے، بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد نے درے کی حفاظت کے لئے آباد کر دیا تھا[1]۔

۲۲۳ھ (۸۳۸ء) کے بعد جو عموریہ پر خلیفہ معتصم کی مشہور فوج کشی کی تاریخ ہے یونانیوں کے ملک پر مسلمانوں کی یورشیں کم ہو گئیں کیونکہ بغداد میں فتنہ و فساد کے بار بار برپا ہونے سے عباسی خلفاء کو اس کی مہلت کم ملتی تھی کہ وہ بازنطینی سلطنت پر فوج کشی کا خیال کریں لیکن باوجود اس کے تیسری (نویں) صدی کے وسط سے پانچویں (گیارھویں) صدی تک خلفاء کے نیم خود مختار والیان ماتحت دروں کے پار فوجیں بھیجتے رہے اور مختلف اوقات میں ان معرکہ آرائیوں کی وجہ سے اسلامی اور یونانی سرحد میں تبدیلیاں پیش آتی رہیں، اگرچہ عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوہستان طارس کے پار کوئی قطعہ ارض ایسا نہ تھا جو مستقل طور پر مسلمانوں کے قبضے میں رہا ہو۔

لیکن پانچویں (گیارھویں) صدی میں جو زمانہ صلیبی جنگوں کے بعد آیا سلجوقیوں کے عروج نے ایشیائے کوچک میں معاملات کی صورت بالکل بدل دی۔ ۴۶۳ھ (۱۰۷۱ء) کے موسم بہار میں الپ ارسلان سلجوقی نے ملازجرد کی لڑائی جیت لی، بازنطینی افواج کو شکست فاش دی اور قیصر رومنس دیوجانس (Romanus Deogenes) کو گرفتار کر لیا۔ علاوہ بریں اسی واقعہ سے پہلے ۴۵۶ھ (۱۰۶۴ء) میں الپ ارسلان آرمینیہ کی عیسائی سلطنت کے پایہ تخت آنی کو فتح کر چکا تھا، جس کی وجہ سے آرمینیہ میں بغرطی خاندان اور اس کی سلطنت کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ اور بعد میں اسی خاندان کے شخص روبین نے کوہستان طارس میں آرمینیہ خرد کی سلطنت قائم کی۔ جنگ ملازکرد (ملاسجرد) کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان الپ ارسلان نے اپنے چچا زاد بھائی سلیمان بن قُتلمِش کو ایشیائے کوچک بھیج دیا، اور پھر سلجوقی اپنے خانہ بدوش طرز معاشرت کے ساتھ اُن سطحات مرتفع میں، جو (۱۴۲)

---

[1] ایشیائے کوچک کی صوبہ داری تقسیم کے لئے دیکھو۔ Arabic Lists of Byzantine Themes (جرنل ہیلنک سٹڈیز ج ۲۱ ۱۹۰۱ء) مصنف ای ڈبلیو بروکس + ابن خرداذبہ ص ۱۰۲، ۱۰۵ + بلاذری ص ۱۵۰، ۱۶۷ + طبری ج ۳ ص ۱۲۳۰، ۱۲۳۷ + ابن الاثیر ج ۳ ص ۳۴۱ + پروفیسر ریمسے کی جغرافیہ ایشیائے کوچک ص ۳۴۰، ۳۵۴، ۳۵۶ +

اس صوبے کے مرکز میں واقع تھیں مستقل طور پر آباد ہو گئے" اور سلطنت روم اسلامی ممالک میں شمار ہونے لگی۔ فتح کے پہلے ہی سیلاب میں سلجوقی مغرب میں نقیہ تک بڑھ گئے" اور اس پر کچھ مدت قبضہ رکھ کر اُسے اپنا پایۂ تخت بنایا مگر پہلی صلیبی جنگ میں وہ یہاں سے ہٹا دیے گئے۔ یہاں سے ہٹ کر وہ وسط ملک کی سطحات مرتفع میں قونیہ (Inconium) میں چلے آئے جسے انہوں نے ۴۷۷ھ (۱۰۸۴ء) میں فتح کیا اور یہ مقام آخری وقت تک ان کی حکومت کا مرکز رہا[1]+

سلجوقی سلاطین قونیہ کا خاندان دو صدی سے زیادہ عرصہ تک یعنی ۴۷۰ھ سے ۷۰۰ھ (۱۰۷۷ء-۱۳۰۰ء) تک قائم رہا لیکن حقیقت میں ان کی اصلی طاقت کا خاتمہ اس وقت ہو گیا جب مغلوں نے سقوط بغداد سے ایک سال پہلے ۶۵۵ھ (۱۲۵۷ء) میں قونیہ کو فتح کر لیا۔ ایشیائے کوچک کی سطح مرتفع میں سلجوقی سلطنت کی ابتدا[1] اور طارس کے کوہستانی

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۵، ۴۴ + ج ۱۲ ص ۱۲۵ + جہاں نما ص ۶۲۱ + جنگ ملازکرد کے متعلق دیکھو History of War Craft مصنفہ C. Oman ص ۲۱۶-۲۲۱ + روم کے سلجوقیوں اور ان کے جانشین دس ترکمانی امیروں کا تاریخی دور اسلامی تاریخ کا سب سے زیادہ تاریک حصہ ہے۔ مستوفی نے تاریخ گزیدہ میں جو مختصر حالات روم کے سلجوقیوں کے لکھے ہیں ان پر ایرانی مورخ میرخواند اور خواندمیر نے کچھ بھی اضافہ نہیں کیا۔ اس خاندان کی سب سے زیادہ مفصل تاریخ غالباً ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھی ہے (ج ۵ ص ۱۶۲-۱۷۵) لیکن یہ تفصیل بھی درحقیقت ناموں اور سنین کی ایک فہرست سے زیادہ نہیں ہے۔ ابن بی بی کی تاریخ، جسے حال ہی میں پروفیسر ہوتسما نے شائع کیا ہے، قلج ارسلان ثانی کے عہد یعنی ۵۵۱ھ (۱۱۵۶ء) سے شروع ہوتی ہے! اور اس سے سلجوقی عہد کے ان ابتدائی ستر برس کا حال بالکل معلوم نہیں ہوتا جن میں وہ ایشیائے کوچک کو فتح کرتے اور اس ملک میں آباد ہوتے جاتے تھے۔ جنگ ملازکرد صرف ایسی بڑی فتح تھی جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ باقی جنگ دیکار کا حال جس نے بازنطینیوں کو ایشیائے کوچک سے بے دخل کر دیا چھوڑ دیا ہے اور نہ کسی عہد نامہ کا ذکر ہے جو ملازکرد کی لڑائی کے بعد لازمی طور پر سلجوقیوں اور بازنطینیوں میں ہوا ہوگا۔ سلاطین روم کے جانشین ترکمانی امیروں کے متعلق جو کچھ حالات ملتے ہیں ان کے خلاصہ کے لئے دیکھو:- پروفیسر لین پول کا مضمون The Successors of the Saljuks in Asia Minor (سنہ ۱۸۸۲ء ص ۷۷۳)+

علاقے میں آرمینیہ خورد کی عیسائی سلطنت کا قائم ہونا، یہ دونوں واقعے ہم زمانہ ہیں، اس کے (۱۳۱)
تھوڑے ہی مدت بعد مَیسِیس جس کو سِیلِیسِیَہ بھی لکھا جاتا ہے، روپن کا، جو نئے شاہی خاندان کا
بانی ہوا، پایہ تخت ہوگیا، ایک صدی بعد یعنی ۵۹۴ھ (۱۱۹۸ء) میں لیو نے بادشاہ کا لقب اختیار
کیا۔ آرمینیہ خورد کے بادشاہ مغلوں کے طوفان کو جھیلنے کے بعد آخرکار ۷۴۳ھ (۱۳۴۲ء) میں
خاتمے کو پہنچ گئے۔ مِیسِیس سے شروع کرکے اس سلطنت نے اس قدر ترقی کی کہ وہ تمام کوہستانی
ملک، جسے دریائے سیحان وجیحان سیراب کرتے تھے بحیرۂ روم تک، مع مَصِیصَہ، اَذَنَہ
اور طرسوس کے شہروں کے اور طرسوس کے مغرب میں دور تک ساحل سمندر کے سب شہر اسی میں
شامل ہوگئے۔ مِیسِیس یا مِیسِیَہ یعنے پرانا شہر فلاویو پولس (Flaviopolis) عباسیوں
کے ابتدائی زمانہ میں عین زَرْبَہ کے علاقے کا ایک بیرونی قلعہ سمجھا جاتا تھا، اور اس کی
فصیل خلیفہ ہارون الرشید کے پوتے خلیفہ متوکل نے دوبارہ تعمیر کرائی تھی بعد میں بیس کو
بازنطینیوں نے فتح کرلیا، اور ابو الفدا جس نے اپنی کتاب ۷۲۱ھ (۱۳۲۱ء) میں لکھی تھی
بیان کرتا ہے کہ اس کی فصیل ارمینیہ خورد کے بادشاہ لیو ثانی (ابن لاوون) المقلب
بہ اعظم نے حال ہی میں دوبارہ تعمیر کرائی ہے۔ اس کا محل جس کے گرد تہری دیواریں تھیں
پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا، اور اس کے باغات درجہ بدرجہ نیچے ہو کر دریا کے کنارے تک
پہنچتے تھے۔ یہ دریا جَیْحَان کا معاون تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں
یہ شہر عام طور سے مینیس کہلاتا تھا۔

سلطنت آرمینیہ خورد کے مغرب اور شمال کی طرف سلجوقی سلاطین کی عملداری تھی۔
ایشیائے کوچک کی سطحات مرتفع پر ان سلجوقی سلاطین کی حکومت کے ابتدائی سو سال کے اندر
تین مرتبہ صلیبی مجاہدوں کی فوجیں ان قطعات پر سے گزریں۔ پہلی صلیبی جنگ کا نتیجہ یہ ہوا
کہ ۴۹۰ھ (۱۰۹۷ء) میں قلیج ارسلان اول کو جو اس سلطنت کے بانی سلطان سلیمان کا
بیٹا تھا نِقیَہ چھوڑنا پڑا، اور صلیبی مجاہدوں کا جم غفیر قُونِیہ کے پاس سے گزرتا ہوا
طَرَسُوسْ پہنچ کر سمندر کے کنارے آگیا، اور یہاں سے جہازوں میں سوار ہو کر فلسطین
چلا گیا۔ دوسرے صلیبی جنگ میں قلیج ارسلان کے بیٹے سلطان مسعود کو دریائے میانڈر کے کنارے
لوئی ہفتم شاہ فرانس نے ۵۴۲ھ (۱۱۴۷ء) میں شکست دی، اس کے بعد فرنگ قوم کی فوجوں
کو آدَالیہ کے بندرگاہ تک پہنچنے میں کوہستانی زمین پر شدید نقصان اٹھانے پڑے

تیسری صلیبی جنگ میں قیصر فریڈرک باربروسا کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُس نے ۵۸۶ھ (۱۱۹۰ء) میں سلجوقیوں کے دارالسلطنت قونیہ کو سلطان مسعود کے بیٹے قلیج ارسلان ثانی سے فتح کر لیا تھا لیکن آگے بڑھ کر فریڈرک سلوقیہ (Seleucia of Cilicia) کے قریب نہر سیکلمس میں اتفاقاً ڈوب کر مر گیا۔ یہ وہی مقام تھا جہاں شروع کے خلفاء عباسیہ کے زمانہ میں مسلمان اور عیسائی قیدیوں کا تبادلہ ہوتا تھا، یا فدیہ وصول ہونے پر آزاد کر دیئے جاتے تھے۔

سلجوقی سلاطین روم جس ملک پر حکومت کرتے تھے اُس کی وسعت کا کبھی کم اور کبھی زیادہ ہونا تین باتوں پر منحصر تھا۔ ایک یہ کہ آیا بازنطینی سلطنت کو انحطاط ہوا یا اُس نے اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو پھر حاصل کر لیا، دوسرے ارمینیہ خورد کی عیسائی سلطنت کا نمو اور تیسرے اُس کے قرب و جوار کی اُن اسلامی سلطنتوں کی حالت جن کو صلیبی مجاہدوں نے جزاً مغلوب کر لیا تھا، اور جہاں فرنگی شہزادے مسلمان رعایا پر حکومت کرتے تھے۔ روم میں سلجوقی سلطنت کی جو حیثیت کہ وہ ۵۸۷ھ (۱۱۹۱ء) میں رکھتی تھی اور اس کے بڑے بڑے شہروں کے نام اُس ملکی تقسیم سے دریافت ہو جاتے ہیں جو اسی سنہ میں سلطان قلیج ارسلان ثانی سے اپنے گیارہ بیٹوں کے لئے عمل میں آئی تھی۔ قونیہ (Iconium) جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، دارالسلطنت تھا۔ دوسرے درجہ کا شہر قیصریہ تھا (Caesarea Mazaka) تھا۔ ملطیہ (Melitene) دریائے فرات کی سرحد پر مشرقی صوبے کا صدر مقام تھا۔ شمال میں سیواس (Sebastia) نکیسار (یا نیکسار۔ قدیم Neo-Caesarea) توقات اور اماسیہ (Amasia) کے شہر ایک ایک شہزادے کے حصے میں آئے تھے۔ شمال مغرب میں انگوریہ (Angora) اور مغربی سرحد پر موغلو جو غالباً آج کل کے شہر الویزلو سے مطابق ہوتا ہے، اور جو جھیل اِگِردِر کے مشرق میں واقع ہے، ایک ایک شہزادے کو ملا۔ جنوبی سرحد پر قونیہ سے مغرب کی طرف بڑے بڑے شہر حسب ذیل تھے۔ ارکلیہ (Heraclia) نکیدہ یا نکدہ اور ابلستان جو بعد کو البستان ہو گیا (اور در اصل یونانی Arabissus تھا)۔ (۱۴۲)

قلیج ارسلان دوم کا پوتا سلطان علاء الدین ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں تخت پر بیٹھا اس نے اپنی سلطنت کو شمالاً و جنوباً بحیرۂ اسود کے ساحل سے لے کر بحیرہ روم تک وسیع کیا۔ بحیرۂ اسود کے ساحل پر اُس نے سینوپ (Sinope) کو فتح کیا اور جنوبی ساحل پر علایا کا ایک بندرگاہ

اپنے نام پر قائم کیا۔ یہاں جہاز بنانے کے سامان اور اسی قسم کی دیگر مصنوعات کے نشانات جن کا تعلق سلجوقیوں کی عظیم الشان بحری قوت سے تھا اب تک نظر آتے ہیں۔ سلطان علاء الدین نے شمال مغرب میں اپنی سلطنت کو صابری بولی کے شہر تک بڑھایا۔ اسی سلطان کے دور حکومت کو حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے شہرت ہوئی قونیہ میں اُن کی زندگی بسر ہوئی اور اسی شہر میں ان کا انتقال ہوا۔ سلطان علاء الدین نے ۶۳۴ھ (۱۲۳۷ء) میں وفات پائی[1] اور اس کے بیس برس بعد مغلوں کی فوجوں نے سلجوقیوں کی قوت توڑ دی۔ سلاطین سلجوق کے سلسلہ کے آخری چار آدمی بادشاہ نہ تھے بلکہ ایران کے ایل خانیوں کے ماتحت صوبہ داروں کی حیثیت رکھتے تھے۔ آخر کار ۷۰۰ھ (۱۳۰۰ء) میں روم کا صوبہ دس ترکمان امیروں میں، جو کسی زمانہ میں سلجوقیوں کے باجگذار تھے تقسیم ہو گیا[2]+

[1] بلاذری ص ۱۰۰ + یاقوت ج ۲ ص ۲۱۷ + ابوالفداء ص ۲۵۷ + ابن بی بی ص ۵ + جہان نما ص ۶۲۱، ۶۲۲+ (۱۴۴)

ادریسی نے اپنی کتاب ۵۴۸ھ (۱۱۵۳ء) میں لکھی ہے اور خود اسی کا بیان ہے کہ وہ عموریہ آیا تھا (جوبرٹ ج ۲ ص ۳۰۰) اور سات سونے والوں (اصحاب کہف) کا غار اُس نے دیکھا تھا صرف ادریسی ایک ایسا مسلمان جغرافیہ نویس ہے کہ جس نے ایشیائے کوچک کا حال سلجوقیوں کے عہد کا لکھا ہے۔ مگر دقت یہ ہے کہ اس کی کتاب ہم تک بہت غلطیوں کے ساتھ پہنچی ہے۔ اس نے بہت سے راستے بیان کئے ہیں جو ایشیائے کوچک میں مختلف سمتوں کو گئے تھے، لیکن ان کا نقشہ بنانا نہایت مشکل ہے۔ یہ راستے جن مقامات سے شروع ہوئے ہیں، اور جہاں جہاں ختم ہوئے ہیں ان مقامات کے ناموں میں کسی طرح کا کلام نہیں ہے لیکن بیچ کے مقامات اکثر ایسے ہیں جو بالکل نہیں پہچانے جاتے (ادریسی ج ۲ ص ۳۰۵ - ۳۱۸)+ سلجوقی سلطنت کی حدود کا پورا پتہ پروفیسر ریمسے نے لگایا ہے (اس کی کتاب ص ۸۸، ۲۸۲، ۳۸۴)+ سلجوقیوں کی جامع مسجدوں اور دوسری عمارتوں کا حال (M. C. Huart) کے اُس سلسلۂ مضامین میں ملے گا جو (Epigraphie Arabes d' Asie Mineur) کے عنوان سے (Revue Semitique) (۱۸۹۴ء ص ۶۱، ۱۲۰، ۲۳۵، ۳۲۴ اور ۱۸۹۵ء ص ۷۱، ۱۷۵، ۲۱۴، ۳۴۴) میں اور جرنل ایشیاٹک (۱۹۰۱ء ج ۱ ص ۳۴۳) میں شائع ہوئے ہیں اس کے علاوہ (M. F. Grenard نے بھی جرنل ایشیاٹک (۱۹۰۰ء ج ۲ ص ۴۵۱) میں (Monuments Seljoukides de Sivaset) کے عنوان سے شائع کیا ہے + علاوہ بریں دیکھو پروفیسر ریمسے کا مضمون اور اس پر Sir W. Wilson اور دوسرے مصنفوں کے حاشئے (جیاگرفیکل جرنل ستمبر ۱۹۰۲ء ص ۲۵۷)+

(۱۴۴)

باب دہم

روم (جاری)

دس ترکمانی امارتیں - ابن بطوطہ اور مستوفی۔ قیساریہ اور سیواس
میسوپوٹیمیا کا سلطان - امیر قرمان، قونیہ۔ امیر تکہ، علایا اور انطالیہ۔
امیر حمید، اگردور۔ امیر گرمیان، کتاھیہ، اور سیوری حصار۔
امیر منتیشا، میلاس۔ امیر آیدین - افسس اور ازمرنا۔ امیر صارو خان،
مغنیسیا۔ امیر قراسی، پرگموس۔ عثمانی ترکوں کا علاقہ، بروصہ۔ امیر
قزل احمد لی: سنوب۔

آٹھویں (چودھویں) صدی میں ترکمانی امرا کی دس ریاستوں کے حدود ذیل کے قدیم یونانی صوبوں کی حدود سے، جن میں ایشیائے کوچک کسی زمانے میں تقسیم ہوا تھا، تقریباً مطابق ہوتی ہیں:- (۱) قرامان یا قرمان کی ریاست، جو وسعت میں سب سے زیادہ تھی، پرانے یونانی صوبے لیکونیا (Lyconia) کے مطابق ہوتی تھی (۲) بحیرۂ روم کے ساحل پر تکہ کی ریاست میں یونانیوں کے صوبہ جات لیکیا (Lycia) اور پمفیلیا (Pamphylia) شامل تھے؛ (۳) اندرون ملک کی ریاست حمید کے حدود پی سیدیا (Pisidia) اور ایسوریا (Isauria) کے پرانے یونانی صوبوں سے مطابق ہوتے تھے؛ (۴) کرمیان یا گرمیان پرانا صوبہ فریگیا (Phrygia) تھا؛ (۵) بحیرۂ اسود کے کنارے قیزل احمد لی، جسے کبھی اسفندیار بھی کہتے تھے، پرانا یونانی صوبہ پفلگونیا (Paphlagonia) تھا؛ (۶) بحیرۂ ایجین کے کنارے منتیشا قدیم صوبۂ کاریا (Caria) سے مطابق ہوتا ہے۔ (۷-۸) آیدین اور

آیدین، صاروخان کی ریاستیں مل کر قدیم لیدیا (Lydia) کی عملداری کے حدود سے مطابق ہو جاتی ہیں۔ (۹) قَراسی پرانا صوبہ میسیا (Mysia) تھا، (۱۰) اس شمالی مغرب سے آخر عثمانی ترکوں کی ریاست (یعنی اُن عثمانی ترکوں کی ریاست جنھوں نے آخر کار باقی ترکمانی ریاستوں کو فتح کر لیا) ابتدا میں فریجیا اپیکٹیتوس (Phrygia Epietetus) کے پرانے مختصر سے صوبے پر مشتمل تھی جو بحر کی پشت پر بیتھیا (Bythia) کی وہ سطحات مرتفع تھیں جن کو حال میں عثمانی ترکوں نے بازنطینی حکومت سے فتح کر لیا تھا۔

ان ترکمانی امرا کی حکومت میں ایشیائے کوچک کے حالات کے متعلق ابن بطوطہ کے سفرنامے میں عجیب و غریب حالات ملتے ہیں۔ یہ مشہور بربری سیاح شام سے روانہ ہو کر ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں علایا کے بندرگاہ میں اترا، اور یہاں سے سینوپ کی طرف سفر کرنے میں مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں ٹھیرا۔ سینوپ سے جہاز پر سوار ہو کر بحیرۂ اسود کو عبور کر کے وہ کریمیا گیا۔ لیکن یہ امر قابل افسوس ہے کہ اس کے سفرنامے کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے کہ گم ہو گیا۔ علایا سے وہ سمندر کے کنارے کنارے انطالیہ گیا، اور (۱۴۵)
پھر شمال کا رخ کر کے پہاڑیوں میں سے ہوتا ہوا ریاست حمید کے شہر اگردور[1] میں پہنچا جو اسی نام کی جھیل کے کنارے واقع تھا؛ یہاں سے بڑے چکر کے راستے سے لاذق (Laodicea ad Lycum) ہوتا ہوا ریاست منتیشا کے شہر میلاس میں آیا اور پھر ایشیائے کوچک کو وتراً طے کرتا اور قونیہ اور قیساریہ سے ہوتا ہوا سیواس اور ارزن الروم پہنچا، اور اب اُس کے سفرنامے میں ایک کھانچا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد جس شہر کا ذکر اس نے کیا ہے، وہ ریاست آیدین کا شہر برکی ہے، جس کے بعد وہ آیاسلوق (Ephesus) گیا، اور آخر کار شمال اور مشرق کی سمتوں میں سفر کر کے بحیرۂ اسود کے کنارے سینوپ پہنچنے کے لئے راستے میں بُورصہ اور اور شہروں سے

[1] رحلۃ ابن بطوطہ (جلد ۲ صفحہ ۲۶۲) میں اس شہر کا نام اکریدور لکھا ہے۔ مترجم۔

اُس کا گزر ہوتا ہے۔ ابن بطوطہ نے جو حالات یہاں کے شہروں کے لکھے ہیں، اُس پر اُس کے ہمعصر مستوفی نے اپنے جغرافیہ میں جہاں روم کا حال لکھا ہے کچھ حالات اپنی طرف سے اضافہ کئے ہیں۔ مستوفی جس نے اپنا جغرافیہ سنہ ۷۴۰ھ (سنہ ۱۳۴۰ء) میں لکھا تھا، گو پرانے مصنفوں کی کتابوں کو کام میں لایا ہے، لیکن اُس کے بیانات سے روم کی اُس حالت کا علم جو دس ترکمانی امرا کے زمانہ میں رہی تھی اس قدر نہیں ہوتا، جس قدر کہ آخری سلاطین سلجوق کے زمانہ کی حالت کا ہوتا ہے۔

نویں (پندرھویں) صدی کے شروع میں تیمور کے حملے نے ایشیائے کوچک میں امارات کی صورت کو چند روزہ مدت کے لئے بدل دیا، اور عثمانی ترکوں کی طاقت کو، جو ترقی پر تھی، آئندہ پچاس برس تک روکے رکھا۔ تیمور کی لڑائیوں کے حالات سے، جو علی یزدی نے لکھے ہیں، ہمارے علم میں کسی قدر اضافہ ہوتا ہے؛ مزید حالات ترکی زبان کے جغرافیہ "جہان نما" میں بھی بیان ہوئے ہیں۔ یہ کتاب اگرچہ گیارھویں (سترھویں) صدی میں اُس وقت لکھی گئی تھی جب کہ ایشیائے کوچک میں عثمانی ترکوں کی طاقت کو استحکام حاصل کئے ایک مدت گزر گئی تھی، لیکن مصنف نے اُن یادگاروں کا بھی ذکر کیا ہے جو سلجوقی سلاطین چھوڑ گئے تھے۔

ترکمانی امارتوں کے دس صوبوں کا، جن کے نام اوپر بیان کر دئے گئے ہیں، ذکر کرنے سے پیشتر بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اُن شہروں کا کچھ حال بیان کر دیا جائے جو قرامان کی سرحد سے مشرق کی طرف واقع ہیں۔ یہ سرحد دریائے الیس (Halys) (جسے ترک قزل ارماق کہتے ہیں) کے زیرین گذرگاہ اور اسی سلسلے میں اُس خط سے قائم ہوئی تھی جو جنوب کی طرف خارج ہو کر دریائے جیحان تک آتا تھا۔ اس سرحد کے مشرق میں ایشیائے کوچک کا علاقہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں ایل خانی شاہان مغل کے قبضے میں تھا جو میسوپوٹیمیا اور ایران پر حکمران تھے، اور اس علاقے میں اپنے حاکم اس غرض سے بھیجا کرتے تھے کہ ترکمانوں کے چھوٹے چھوٹے خانہ بدوش جرگوں میں، جو مغلوں کی یورش عظیم کے بعد

بکثرت وہاں آباد ہو گئے تھے، امن و امان قائم رکھیں ۔ قرامان کی سرحد کے مشرقی جانب سب سے بڑا شہر قَیصَرِیَہ تھا (جسے قَیسادِیہ، یعنی کپاڈوسیا (Cappadocia) کا سیزاریا مزاکا (Caesarea Mazaka) بھی لکھا جاتا ہے) یہ شہر سلجوقیوں کے عہد میں روم کا دوسرے درجے کا (۱۴۲) شہر تھا؛ اور قزوینی نے تو اسے سلجوقیوں کا دارالسلطنت ہی بتلایا ہے۔ یہاں منجملہ دیگر عمارات کے وہ جامع مسجد بھی نظر آتی تھی، جو عہد بنی امیہ کے مشہور سپہ سالار البطّال کے نام پر تعمیر ہوئی تھی۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ قیصریہ کے گرد سلطان علاء الدین سلجوقی کی تعمیر کردہ ایک سنگ بستہ فصیل تھی، یہ ایک بڑا شہر مع قلعہ کے تھا اور کوہ آرجائِش (Argaeus) کے نیچے واقع تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ کوہ آرجائش ایک بہت ہی بلند پہاڑ تھا، اس کی چوٹی ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی تھی، اور اس سے بہت سے دریا نکلتے تھے۔ اس پہاڑ کے نیچے دَوَلُو نام کا ایک شہر تھا، جس کا ذکر آگے آئیگا۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک بڑا گرجا تھا۔ قیصریہ میں حضرت محمد ابن الحنفیہ رضی اللہ عنہ کی ایک زیارت تھی، جس کا لوگ بہت احترام کرتے تھے۔ جب ابن بطوطہ قَیسَارِیَہ (اس نے یہ نام اسی طرح لکھا ہے) پہنچا تھا تو شہر میں ایک بڑی فوج موجود تھی، جسے عراق کے مغل بادشاہ سے تنخواہ ملتی تھی۔ نویں (پندرھویں) صدی کے اوائل میں قیصریہ ایشیائے کوچک کے بڑے شہروں میں سے پہلا شہر تھا جس پر تیمور کی فوجوں نے قبضہ کیا تھا۔

اَبُلُستان (Arabissus) قیصریہ کے مشرق میں، بازنطینی زمانے میں سرحدی قلعہ تھا۔ اس کا ذکر تیمور کی فتوحات میں بھی آتا ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اَبُلُستان ایک اوسط درجہ کی وسعت کا شہر تھا۔ جہان نما میں اس کا موجودہ املا اَلبُستان (زاغ کے معنوں میں) لکھا ہے۔ قَیرشہر (بازنطینی شہر جستی نیانوپولس موکیسوس (Justinianopolis Mokissus) بہت بڑا شہر تھا، اس کا ذکر تیمور کی لڑائیوں میں اکثر آیا ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ قیرشہر ایک بڑا شہر تھا، اس کی عمارات خوشنما تھیں؛ جہان نما کے مصنف نے اسے

قرمان کے شہروں میں شمار کیا ہے ۔ آماسیہ یا اَماصیہ (Amasia) سلجوقیوں کی حکومت کے جہاں اور مستقر تھے اُن ہی میں یہ بھی ایک تھا مستوفی لکھتا ہے کہ سلطان علاء الدین نے اسے دوبارہ تعمیر کرایا تھا ۔ ابن بطوطہ جو یہاں سے گزرا تھا کہتا ہے کہ آماسیہ چوڑی چکلی سڑکوں اور خوبصورت بازاروں کا ایک بڑا شہر تھا، وہ عالیشان باغوں سے گھرا ہوا تھا جن کو سیراب کرنے کے لئے دریا کے کنارے رہٹ (النواعیر) لگے ہوئے تھے ۔ اُس کے زمانے میں وہ میسوپوٹیمیا کے سلطان کے قبضے میں تھا ۔ اُس کے قریب سُونُسی کا شہر تھا (جسے جہاں نما میں سُنُوفی لکھا ہے) جہاں بڑے غالی شیعہ آباد تھے ۔ آماسیہ کے شمال میں لاذق (Loadicea Pontica) کا شہر تھا ۔ یہ مقام سلجوقی عہد میں بہت بڑا سمجھا جاتا تھا، اور ابن بی بی کی کتاب میں اکثر جگہ اس کا تذکرہ ہوا ہے ۔ بندرگاہ سَمسُون (یا صامِصُون، یونانی: (Amysos)) کے بیان میں مستوفی لکھتا ہے کہ وہ (۱۴۷)
جہازوں کا بڑا لنگر گاہ تھا، آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں سِنُوب یا صِنُوب (Sinope) کے پرانے بندرگاہ سے تجارت کا رخ بدل جانے کی وجہ سے سمسون کی دولت میں اضافہ ہوا تھا۔

نیکسار یا نِکی سار (یونانی Neo-Caesarae) بھی سلجوقیوں کے عہد کا ایک بڑا شہر تھا، اور ابن بی بی نے اکثر جگہ اس کا تذکرہ کیا ہے؛ مستوفی نے اسے اوسط درجے کی وسعت کا شہر بتایا ہے جہاں بہت سے باغات تھے جن میں میوہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ توقات یا دُوقاط نیکساز کے مغرب میں اماسیہ کی سڑک پر واقع تھا، اور سلجوقیوں کے تحت میں وہ ایک بڑی حکومت تھا ۔ توقات سے مغرب میں زِیلَہ کا شہر تھا جس کا ذکر ابن بی بی اور اُس کے بعد کے جغرافیہ نویسوں نے کیا ہے ۔ سیواس

سلہ قزوینی ج ۲ ۔ ص ۳۷۱ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۲۸۷، ۲۸۹، ۲۹۲ + ابن بی بی ص ۲۲، ۲۰۸
مستوفی ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۲۰۲ + علی یزدی ج ۲ ۔ ص ۲۷۰، ۲۶۴، ۲۱۷ + جہاں نما ص ۶۱۵، ۶۲۰، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴ +

(یونانی: Sebastia) کا شہر قِزِل اِرْماق (R. Halys) کے کنارے واقع تھا۔ سلطان علاء الدین نے اُسے دوبارہ تعمیر کرایا تھا، اور اس میں نئی سنگین عمارتیں بنوائی تھیں، جو تراشیدہ اور صاف کئے ہوئے پتھر کی تھیں۔ مستوفی لکھتا ہے کہ یہ مقام اونی کپڑوں کے لئے مشہور تھا، جو کثرت سے باہر بھیجے جاتے تھے۔ یہاں کی آب و ہوا سرد تھی، لیکن روئی یہاں بوئی جاتی تھی، اور غلّہ بھی بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ سِیْواس اُس صوبے کا، جس میں مینسوپوٹیمیا کا سلطان حکومت کرتا تھا، سب سے بڑا شہر تھا۔ یہاں ایک دار الامارت تھا۔ سڑکیں اور بازار بہت عمدہ تھے؛ ایک مدرسہ (کالج) بھی تھا۔

مستوفی نے اُس بڑی سڑک کا حال لکھا ہے جو سِیْواس سے مشرق[1] میں ایران کو جاتی تھی۔ سیواس سے دو منزل آگے تَنارَک کا شہر آتا تھا جو خاصا بڑا شہر تھا۔ اور اس سے دو منزل آگے آق شہر (سفید شہر) تھا، جس کا ذکر سلجوقیوں کی تاریخ میں اکثر آتا ہے؛ آق شہر کے شمال مغرب میں قَرا حِصار (کالا قلعہ) ہے؛ اس کا ذکر ابن بی بی نے کیا ہے؛ اور اسے قَرا حصار دولہ (سلطنت کا کالا قلعہ) لکھا ہے، تاکہ اُسے اُسی کے نام کے دوسرے مقامات سے ممیز کیا جا سکے۔ قَرا حصار کا تذکرہ مستوفی نے بھی کیا ہے۔ مصنف جہان نما نے اسے قَرا حِصار شابین لکھا ہے کیونکہ اس کے قریب پھٹکری (شاب) کی کانیں واقع تھیں۔ آق شہر سے ایران کو جانے والی سڑک تین منزل آگے آرْزَنجان پہنچتی تھی، اور اس مقام سے تین منزل کے فاصلے پر خَنُوس آتا تھا، جسے ابن بی بی نے خُنُوس لکھا ہے، اور آج کل اُس کو خِنِس کہا جاتا ہے۔ اس سے دس فرسخ آگے مَلازجِرْد (یا مَنْزِکِرْت) تھا۔ یہاں سے آٹھ فرسخ آگے جھیل وَان کے کنارے آرْجِیش کا شہر واقع تھا۔[2]

۱؎ انگریزی کتاب میں [illegible] لکھا ہے لیکن نقشے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سڑک سیواس سے مشرق میں ایران کو گئی تھی۔ انگریزی کتاب کے ص ۱۵۸ میں مشرق ہی لکھا ہے۔

۲؎ ابن بی بی ص ۲۶، ۲۹۲، ۳۰۸ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۲۸۹ + مستوفی ص ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۹۹ + جہان نما ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴ +

قرمان یا قرامان کی ریاست دس ترکمانی ریاستوں میں سب سے (۱۴۸)
بڑی تھی۔ اس کا نام ترکمانی قبیلۂ قرامان پر، جو اس علاقے میں آباد ہوا تھا، مشہور ہو گیا تھا۔ قرامان کا پائے تخت لارنڈہ تھا، مگر لارنڈہ اکثر صوبے کے نام پر قرامان بھی کہلاتا تھا۔ یہ شہر بازنطینیوں کے زمانے سے چلا آتا تھا۔ ابن بطوطہ، جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں آیا تھا، اور جس نے اس کا نام اَلْلارَنْدَہ لکھا ہے، کہتا ہے کہ وہ خوشنما شہر ہے اور باغوں کے بیچ میں واقع ہے، پانی یہاں بکثرت موجود ہے۔ اسی آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیمور کی فوجوں نے اس شہر کو فتح کر کے لوٹا۔ لیکن اس کے بعد پھر اسے اپنا پرانا عروج حاصل ہو گیا۔ لارندہ کے جنوب میں آرمَناک ہے، جس کے متعلق مستوفی کہتا ہے کہ پہلے کسی زمانے میں وہ بڑا شہر تھا، لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی میں اس کی حالت صوبے کے ایک معمولی شہر کی سی تھی۔ جہان نما کے مصنف نے لارندہ اور سَلَفْکَہ کا ذکر کیا ہے۔ سلفکہ وہی مقام ہے جسے کسی زمانے میں عربی میں سَلُوقِیَہ (یونانی: Selucia of Cilicia) کہتے تھے۔ عثمانی ترکوں کی حکومت کے دوران میں یہ تمام مقامات ولایت اِیچ اِیلی (ترکی میں اس کے معنی "اندرون ملک" کے ہیں) میں شمار ہوتے تھے۔ لیکن یہ صوبہ ساحل سمندر سے ملحق واقع ہے، اور "اندرون ملک" کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا؛ اس لیے یہ کہا جاتا ہے کہ درحقیقت اِیچ اِیلی پرانے یونانی نام کلی کیا (Cilicia) کی ایک مختصر اور بگڑی ہوئی شکل ہے۔

قُونِیَہ (Inconium) جیسا کہ اوپر بیان ہوا، سلجوقیوں کا دارالسلطنت تھا، لیکن امرائے قرامان کے عہد میں وہ دوسرے درجے کا شہر ہو گیا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس شہر میں ایک بڑا ایوان تھا، جسے سلطان قلیج ارسلان نے تیار کرایا تھا۔ اسی سلطان نے یہاں کے قلعے کی بھی بنیاد رکھی تھی۔ اس کے بعد سلطان علاء الدین نے اس شہر کی فصیل کو یا تو خود تعمیر کرایا، یا اس کی مرمت کرائی، اور اس کو تراشیدہ پتھروں کا بنوایا۔ فصیل کی بلندی

(۳۰) ذرع تھی، اور اُس کے گرد بیس ذرع گہری ایک خندق تھی فصیل کا دور (۱۰۰۰۰) قدم کا تھا، اور اس میں بارہ دروازے تھے، جس پر بڑے مستحکم برج بنے ہوئے تھے۔ قریب کی ایک پہاڑی سے پانی شہر میں لایا جاتا تھا، اور شہر کے قریب ایک بڑے پختہ تالاب میں جس پر ایک گنبد تھا، جمع کر دیا جاتا تھا؛ اور سو نالیوں کے ذریعے اس تالاب سے پانی شہر میں پہنچتا تھا۔ قونیہ کے قرب وجوار کے باغات مشہور تھے، اور اُن کی ناشپاتیوں کی خاص کر بہت شہرت تھی۔ غلہ اور بروئی شہر کے گرد کے کھیتوں میں بکثرت پیدا ہوتا تھا۔

مستوفی لکھتا ہے کہ اُس زمانے میں قُونیہ کا اکثر حصہ برباد ہو چکا تھا، لیکن شہر کے باہر کی آبادی، جو قلعے کے بالکل نیچے تھی، خوب معمور تھی۔ قونیہ میں جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، صوفی شاعر حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ تھا، اور اُس کی زیارت کے لئے لوگ بکثرت آتے تھے۔ ابن بطوطہ (۳۴۹)
نے بھی اس مزار کا ذکر کیا ہے، اور شہر کی خوبصورت عمارتوں اور اُس میں پانی کی کثرت کی تعریف کی ہے۔ اُس نے یہاں کے باغوں اور میووں میں زردآلو کا ذکر کیا ہے جسے قمرالدین[1] کہتے تھے۔ یہ میوہ شام کے ملک کو بکثرت بھیجا جاتا تھا۔ شہر کی سڑکیں چوڑی چکلی تھیں، اور بازاروں میں سامان تجارت کی بہتات رہتی تھی۔ ہر قسم کے سامان تجارت کے بازار الگ الگ تھے۔ ابن بی بی نے اپنی سلجوقی تاریخ میں قونیہ کے تین دروازوں کے نام لکھے ہیں، یعنی: باب بازار اسب، باب دار الضرب، اور باب پل احمد۔

قونیہ کا قلعہ قرا حصار قونیہ سے ذرا فاصلے پر مشرق کی طرف واقع ہے۔ مستوفی نے اس کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُسے بہرام شاہ نامی کسی شخص نے بنوایا تھا۔ قرا حصار سے ذرا آگے بڑھ کر ہرقلیہ (Heraclea) آتا ہے، جس کا نام بعد کے زمانے میں آق کلیسہ ہو گیا، اور اس کا ذکر

---

[1] ابن بطوطہ (ج ۲ صفحہ ۲۸۱):۔ المشمش۔ مترجم)۔

جہاں نما میں اکثر آتا ہے۔ قونیہ کے شمال میں لاذق سوختہ (Loadicia Cumbusta) یونانی (Katakekaumena) تھا۔ ابن بی بی نے اسے قریۂ لاذق لکھا ہے، تاکہ لاذق نام کے دوسرے شہروں مثلاً (Loadicia) (Pontica) لاوڈیکا پونٹیکا، اور لاوڈیکا ایڈ لیکم (Loadicea ad Lycum) سے ممیز کیا جاسکے۔ جہاں نما میں لاذق سوختہ کو کو یکان لاذِق لکھا ہے؛ اسی شہر کو لاذِقیّہ قرامان بھی کہتے ہیں۔[1]

صوبۂ قرمان کے شمالی حصے میں انگورا (یونانی انکیرا = Ancyra) ہے، جس کا املا پرانے جغرافیہ نویسوں نے "انقرہ" اور بعد کے ایرانی اور ترکی مصنفوں نے انگوریہ لکھا ہے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ اس شہر کی آب و ہوا سرد ہے؛ اس کے قرب و جوار میں غلہ، روئی اور میوہ بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ تاریخ میں یہ مقام اس لئے مشہور ہے کہ یہاں تیمور نے ۸۰۴ھ (۱۴۰۲ء) میں عثمانی سلطان بایزید یلدرم کو لڑائی میں شکست دی تھی، اور اسے گرفتار کر لیا تھا۔ گوئل حصار یا کوچ حصار کا شہر جو بڑی کھاری جھیل کے مشرقی کنارے پر ہے، اس کو مستوفی نے وسعت کے لحاظ سے بیچ کے درجے کا شہر لکھا ہے، اور جہاں نما میں بھی اس کا ذکر آتا ہے۔ اسی جھیل کے جنوبی سرے پر مشرق میں کچھ فاصلے سے آق سرای (سفید محل) کا شہر ہے، جسے سلطان قلیج ارسلان دوم نے ۵۶۶ھ (۱۱۷۱ء) میں تعمیر کرایا تھا۔ مستوفی نے اسے ایک خوبصورت شہر لکھا ہے، جس کے گرد کی زمینیں زرخیز تھیں۔ آق سرا (جیسا کہ ابن بطوطہ نے اس کا املا لکھا ہے) تین دریاؤں کے کناروں پر واقع تھا۔ اس کے باغات بہت بڑے عالیشان تھے۔ شہر پناہ کے اندر متعدد تاکستان تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں اس شہر کے لوگ اپنی بھیڑوں کے اون سے خوبصورت قالین تیار کرتے تھے، اور (۱۵۰)

[1] ابن بطوطہ ج ۲ ص ۲۸۱، ۲۸۷ + مستوفی ص ۱۹۲، ۱۹۳ + علی یزدی ج ۲ ص ۴۰۸ تا ۴۴۷ + جہاں نما ص ۶۱۱، ۶۱۵، ۶۱۲ + ابن بی بی ص ۸، ۹، ۲۸۷، ۳۳۴ +

اور یہ قالین شام، مصر اور میسوپوٹیمیا کو روانہ کئے جاتے تھے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں آق سرا میسوپوٹیمیا کے سلطان کی عملداری میں تھا۔

آق سرا سے تقریباً پچاس میل پر مَلَنقُوبِیَہ (مالاکوپیا (Malacopia) کا شہر ہے۔ اس کے متعلق مستوفی نے لکھا ہے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہ ایک بڑا مقام تھا۔ اس کے شمال میں ایک دوسرا قراحصار ہے، جس کو مستوفی نے نِگِدَہ کے علاقے کا ایک شہر لکھا ہے۔ قراحصار سے مشرق میں دَوَلُو (جہان نما میں یہ نام دَوَهْلُو لکھا گیا ہے) کوہ آرجائش کے نیچے واقع ہے؛ اس کا تذکرہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔ اس کا ذکر ابن بی بی کی تاریخ میں قیصریہ کے تعلق سے بار بار آیا ہے۔ مستوفی نے دَوَلُو کو اوسط درجے کا شہر لکھا ہے۔ اُس کی فصیل کو علاء الدین سلجوقی نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ مَلَنقُوبِیَہ کے جنوب میں نِگِدَہ ہے (جسے ابن بی بی نے نکیدہ لکھا ہے) اس شہر کا موقع وہی ہے جہاں کسی زمانے میں طوانہ آباد تھا۔ نگدہ کو سلطان علاء الدین نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ مستوفی نے اُس کو ایک اوسط درجے کا شہر لکھا ہے۔ ابن بطوطہ جو یہاں سے گزرا تھا، لکھتا ہے کہ اس شہر کا زیادہ تر حصہ برباد ہو چکا ہے۔ اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ نگدہ میسوپوٹیمیا کے سلطان کی عملداری میں تھا۔ اُس کے دریا کا نام نہر الاسود (سیاہ دریا) تھا، جس کو عبور کرنے کے لئے تین سنگین پل تھے۔ نگدہ کے باغات بڑے بار آور تھے، اور ان کو پانی دینے کے لئے رہٹوں (النواعیر)[1] سے کام لیا جاتا تھا۔ نگدہ کے جنوب میں لولوء (Loulon) قلعہ تھا، جس کا ذکر ابن بی بی نے اکثر کیا ہے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ زبردست قلعہ سیلی شین گیٹس کے شمالی سرے پر واقع تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ لولوء ایک

---

[1] النواعیر ـ مترجم

چھوٹا سا شہر ہے، جس کے گرد عمدہ چراگاہیں ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا سرد تھی، اور قریب ہی مشہور شکارگاہ تھے۔[۱]

امیر تکّہ کی عملداری میں معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ مشہور شہر عَلایا اور اَنطالیہ تھے۔ یہ دونوں اپنے بندرگاہوں کی وجہ سے مشہور تھے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ علایا کو سلطان علاء الدین سلجوقی نے قدیم شہر کوراکاسیم (Coracasium) کے ویرانے پر بنایا تھا۔ ابن بطوطہ شام سے چل کر ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں اس بندرگاہ میں اترا تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ علایا اُس زمانے میں اسکندریہ سے تجارت کرنے کا بڑا بندرگاہ تھا۔ شہر کے بالائی حصے (۱۵۱)
میں علاء الدین سلجوقی کا بنایا ہوا بہت مضبوط قلعہ تھا، جسے ابن بطوطہ نے بغور دیکھا تھا؛ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے زمانے میں علایا سلطان قرامان کی عملداری میں شامل تھا۔

دوسرا بندرگاہ اَنطالیہ، خلیج کے سرے پر علایا کے مغرب میں ایک سو میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ بندرگاہ اس لئے مشہور تھا کہ صلیبی مجاہدین کو فلسطین جانے کے لئے یہاں پر جہازوں میں سوار ہونا پڑتا تھا۔ یہ ایک خوبصورت شہر تھا، اور یاقوت نے اسے رُوم کا خاص بندرگاہ بتایا ہے، جسے فصیلوں اور مورچوں سے بہت مستحکم کر دیا گیا تھا۔ اس کے چاروں طرف زرخیز اراضی اور تاکستان تھے۔ یہاں قلیج ارسلان سلجوقی نے اپنے لئے ایک پہاڑی پر محل بنوایا تھا، جس کے سامنے سمندر تھا۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اَنطالیہ میں بہت سے عیسائی سوداگر خصوصاً مینا یا بندرگاہ کے قریب آباد ہو گئے تھے، اور اُن کی آبادی کے گرد ایک دیوار کھینچی گئی تھی، اور بازار میں ہر ایک چیز کی تجارت کے لئے ایک ایک گلی علیحدہ تھی۔ شہر میں یہودیوں کا بھی

---

[۱] ابن بی بی ص ۵، ۴۴، ۴۴، ۲۷۱، ۳۱۴ + ابن بطوطہ ج ۲ ص ۲۵۸، ۲۶۸ + مستوفی ص ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۲۰۲ + یاقوت ج ۴ ص ۲۳۵ + علی یزدی ج ۲ ص ۴۲۴ + جہان نما ص ۶۱۷، ۶۲۰ +

ایک محلہ تھا، مسلمان اپنے حصے میں رہتے تھے، اور اسی حصے میں اُن کی مسجد اور مدرسہ (کالج) تھا۔ انطالیہ کا نام صلیبی جنگوں کی تاریخوں میں سٹالیا (Satalia) یا اَتالیا (Attaleia) آتا ہے، اور تیمور کی لڑائیوں کے حالات میں اسے عَدَلیَہ لکھا ہے۔ علی یزدی لکھتا ہے کہ انطالیہ کے مغرب میں اِسْتانُوس کا شہر تھا، جہاں نما میں اس شہر کا نام اِستَناز لکھا ہے[1]

تکہ کے شمال میں حَمِید کا امیر اس علاقے کا مالک تھا جو اَگِرْدُور، بُرْدُور، بیگ شہر اور آق شہر کی چار جھیلوں کے گرد واقع تھا۔ ابن بی بی کی تحریر کے مطابق سلجوقیوں کے عہد میں اس علاقے کا مستقر حکومت بُرْغلو تھا۔ یہ شہر غالباً وہی تھا جسے بعد میں اُولُوبُرلُو کہنے لگے۔ اُولُوبُرلُو جھیل اَگِرْدُور کے مغرب میں ہے۔ اس کا بازنطینی نام سوزوپولس (Sozopolis) یا اپولونیا (Appolonia) تھا۔ انطاکیہ (Antioch of Pisidia) کا نام ابتدائی اسلامی تاریخوں میں کثرت سے آتا ہے۔ ترکوں کے زمانے میں اس کا نام یَلَواج ہوگیا۔ یہ شہر اَگِرْدُور اور آق شہر کی جھیلوں کے درمیانی میدان میں واقع تھا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے نصف میں مستوفی کے بیان کے مطابق صوبہ حَمِید کا مستقر حکومت اَگِرْدُور (قدیم Prostanna) تھا، اور وہ اسی نام کی جھیل کے جنوبی سرے پر واقع تھا، ابن بطوطہ نے اسے بڑا شہر لکھا ہے جس کی عمارتیں خوشنما اور مضبوط تھیں، بازار عمدہ تھے، اور شہر نہایت شاداب باغات سے گھرا ہوا تھا۔ ابن بطوطہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جھیل پر سوداگروں کی کشتیاں چلتی تھیں، اور سوداگر اس ذریعے سے مال تجارت قرب وجوار
کے شہروں میں لے جاتے تھے، اور اُن شہروں سے تجارت کرتے تھے جو (۱۶۲)
جھیل آق شہر اور جھیل بیگ شہر کے کنارے واقع تھے۔

---

[1] عہد جدید میں اَدَالیہ (Attalia) ہے (دیکھو نقشہ باب ۱۴-آئٹم ۲۵)+یاقوت ج ۱-ص ۹۰۳+ابن بطوطہ ج ۲-ص ۲۵۷، ۲۵۸+جہاں نما ص ۶۱۱، ۶۳۸، ۶۳۹+علی یزدی ج ۲-ص ۴۴۷، ۴۴۹+

بیگ شہر یا بیشہر (بازنطینی: کارالیا = Karallia) اسی نام کی جھیل کے کنارے واقع تھا۔ مصنف جہاں نما نے لکھا ہے کہ اس شہر کی بنیاد سلطان علاء الدین سلجوقی نے ڈالی تھی۔ اس کی شہر پناہ پتھر کی تھی، جس میں دو دروازے تھے۔ شہر میں ایک جامع مسجد اور دو حمام تھے۔ ایک مقام پر جسے اَلْوَغَہ کہتے تھے، ایک بازار بھی تھا۔ اِگْرِدُوْر کے مغرب میں بُرْدُوْر کا شہر اسی نام کی جھیل پر واقع تھا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا، جس میں متعدد نہریں اور باغات تھے، اور اُس کی حفاظت کے لئے قریب ہی ایک پہاڑی پر قلعہ موجود تھا۔ اِسپارتہ کی نسبت جو اِگْرِدُوْر کے مغرب میں تھا، مصنف جہاں نما لکھتا ہے کہ بعد کے زمانے میں یہ شہر حَمِیل کی عملداری کا مستقر حکومت بن گیا۔ ابن بطوطہ نے اس کا نام سَبَرْتا لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہ ایک اچھا بنا ہوا شہر تھا؛ اس میں متعدد باغات تھے، اور حفاظت کے لئے ایک قلعہ بھی تھا۔ یہی وہ شہر ہے جسے بازنطینی بارِس (Baris) کہتے تھے اور آج کل اس کا تلفظ بالعموم سَپارْتا کیا جاتا ہے[1]۔

جھیل آق شہر وہی ہے جسے ابن خُردادبہ نے بَاسِلِیُون لکھا ہے، اور جسے بازنطینی "چالیس شہیدوں کی جھیل" کہتے تھے۔ اس کے مغرب میں قَرَاحِصَار کا مشہور بڑا قلعہ تھا، جس کا ذکر آق شہر کے تعلق سے تیمور کی فوجی مہمات کے بیان میں اکثر آتا ہے۔ علی یزدی کی تحریر کے مطابق عثمانی ترکوں کا بدقسمت سلطان بایزید یلدرم، جسے تیمور نے انگورہ کی جنگ میں شکست دی تھی، اسی آق شہر میں ۸۰۵ھ (۱۴۰۳ء) میں بحالت مایوسی فوت ہوا۔ مستوفی نے اسی قَرَاحِصَار اور اسی آق شہر کا ذکر انھیں ناموں کے دوسرے مشہور مقامات کے تعلق سے کیا ہے۔ چونکہ قَرَاحِصَار کے گرد کی زمینوں میں

[1] سَبَرْتا یا اسپارتا درحقیقت یونانی [illegible] نامہ نیا کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ آئندہ صفحات پر اِزنِمید (Nicomedia) اور ازنیق (Nicaea) کے ناموں کے متعلق دیکھو حاشیۂ صفحہ حاشیہ ۱۵۷۔

افیون کی کاشت بہت ہوتی تھی، اس لئے اس کے نام کے ساتھ افیون کا لفظ اور لگا دیتے ہیں۔ اس شہر کی جگہ کسی زمانے میں قدیم یونانی شہر پرِمنےسوس (Prymnessos) یا اکرینوس (Akroenoss) آباد تھا۔ مقامی روایات کے مطابق بنی امیّہ کے مشہور و معروف سپہ سالار البطّال نے بازنطینوں کے مقابلے میں لڑتے ہوئے اسی شہر کے قریب شہادت پائی تھی۔ لیکن طبری نے، جس کی تاریخ ہمارے مضمون کے لئے سب سے پرانی سند ہے، صرف اس قدر لکھا ہے کہ عبد اللہ البطّال نے ۱۲۲ھ (۷۴۰ء) میں بلاد الروم میں شہادت پائی۔ مگر اُس نے کسی جگہ کا نام نہیں لیا۔[1]

صوبۂ حمید کے شمال مغرب میں وہ علاقہ تھا جس پر امیر گرمیان (۱۵۳)
یا گرمیان حکومت کرتا تھا اور اُس کا دار الحکومت کوتاہیہ (کوٹیوم Cotyaeum) کا شہر تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے عرب مورخ اس نام کو قطیہ لکھتے ہیں؛

---

[1] ابن بی بی ص ۵، ۲۰۲، ۲۵۱+ ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۲۶۵، ۲۶۶+ مستوفی ۱۲۲، ۱۶۳، ۱۶۴+ جہاں نما ص ۶۱، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱+ علی یزدی ج ۲۔ ص ۴۵۷، ۴۸۹، ۴۹۲+ رمسے کی جغرافیۂ ایشیائے کوچک ص ۸۷، ۱۳۹، ۳۹۶، ۴۰۱، ۴۰۶+ طبری ج ۲ ص ۱۷۱۶+ بطّال کی قبر کی نسبت جہاں نما میں بیان ہوا ہے کہ گیارھویں (سترھویں) میں یہ قبر قرا حصار سے شمال میں پچاس میل کے فاصلے پر کوتاہیہ کے مشرق میں سیدی غازی کے مقام پر تھی۔ آج کل یہ قبر شہر میں بتائی جاتی ہے۔ پی سیدیا کے انطیوک (Antioch of Pisidia) کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ابتدائی زمانے کے عرب مصنفوں کا میلان ہمیشہ یہ رہا ہے کہ اس شہر کو اسی کے نام کے اور شہروں، اور خصوصاً شام والے انطاکیہ کے خلط ملط کر دیں۔ یعقوبی نے اپنی تاریخ (ج ۱۔ ص ۱۷۷) میں الطاکیۃ المحترقۃ (جلے ہوئے انطاکیہ) کا ذکر کیا ہے، جس سے بظاہر اُس کا مطلب پی سی ڈیا کے انطاکیہ سے ہے۔ اسی مصنف نے (تاریخ ج ۲۔ ص ۲۸۵) ۵۴ھ (۶۶۹ء) میں انطاکیۃ السوداء (سیاہ انطاکیہ) پر ایک حملے کا حال لکھا ہے۔ اس انطاکیہ سے اُس کی مراد ایسوریا (Issuria) والا انطاکیہ ہوگی۔

لیکن پرانا بازنطینی شہر کوٹیئم ضرور پہلے ہی برباد ہو چکا ہوگا، کیونکہ مصنف جہاں نما کی تحریر کے مطابق زمانۂ وسطیٰ کے شہر کوتاھیہ کی بنیاد گرمیان کے سلطان نے ڈالی تھی۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ یہاں رہزن اور قزاق بستے تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے آخر میں تیمور کی فوجی مہموں کی تاریخ میں اس شہر کا ذکر آتا ہے، اور چند روز کے لئے تیمور نے اسے اپنا صدر مقام بھی بنا لیا تھا۔ کوتاھیہ سے سو میل مشرق میں دریائے ساغری (Sangarius) کے بالائی معاون دریاؤں کے قریب سیوری حصار کا بڑا قلعہ تھا۔ اسے بھی تیمور نے چند روز کے لئے اپنا صدر مقام بنایا تھا۔ ترکی زبان میں سیوری حصار کے معنے "نوکدار قلعہ" ہیں۔ (قزوینی نے اسے سبری حصار لکھا ہے)۔ یہ قلعہ اُس جگہ سے کسی قدر دور شمال میں واقع ہے، جہاں کسی زمانے میں رومی شہر پلیسی نوس (Pessinus) واقع تھا، جس کا نام بعد میں بدل کر جسٹی نیانوپولس پے لیا (Justinianopolis Palia) ہو گیا۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ ساتویں (تیرھویں) صدی میں یہاں ایک مشہور گرجا تھا، جس کا نام بلیت الکشنانوس تھا۔ مویشی جن کو جس بول کا مرض اُٹھتا تھا اگر سات بار اس گرجا کے گرد پھرائے جاتے تھے تو بول اُتر آتا تھا، اور وہ تندرست ہو جاتے تھے۔

سیوری حصار کے جنوب میں عمّوریہ (موجودہ آشہ قلعہ) تھا جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ مستوفی نے اس کا حال اس طرح لکھا ہے کہ گویا آٹھویں (چودھویں) صدی میں بھی وہ ایک بڑا شہر چلا آتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ کسی وجہ سے جس کا حال معلوم نہیں، عوام الناس اُسے انگوریہ یا انگورہ کہتے تھے، اور اسی عجیب، غلط نام کا جہان نما میں اعادہ ہوا ہے، مگر یہاں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ "انگورہ" کو عام طور سے عمّوریہ کہا جاتا تھا۔ گرمیان کے جنوب مشرق میں لاذق (Loadecea) ہے، جسے ترک دینزلی (بہت سے پانی) کہتے ہیں، کیونکہ یہاں پانی کے چشمے کثرت سے ہیں۔ آج کل اس مقام کا نام اسکی حصار (پرانا قلعہ) ہے۔ (Lycum)
(۱۵۴) ابن بطوطہ نے اسے بڑا شہر بتلایا ہے، جس میں جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے سات مسجدیں تھیں، اور وہاں کے بازار عمدہ تھے۔ لاذق کی یونانی عورتیں سوتی کپڑے بے

بُن کرانی پر زر دوزی کا کام کرتی تھیں، اور یہ زر دوزی کا کام دیرپا ہونے میں مشہور تھا۔ جہان نما میں لاذِق کا پرانا نام لاذِقیہ لکھا ہے[۱]۔

مَنتیشا کا امیر جس صوبے پر حکومت کرتا تھا، اُس میں ابن بطوطہ کا گذر مُغلہ، مِیلاس، اور برجِین کے شہروں سے ہوا تھا، جو پاس پاس واقع تھے۔ امیر منتیشا مُغلہ (قدیم موبلا = Mobolla) کے شہر میں سکونت رکھتا تھا، اور جہان نما کے مصنف نے اسی شہر کو منتیشا کا دار السلطنت لکھا ہے ابن بطوطہ نے مُغلہ کو ایک اچھا شہر بتایا ہے۔ مِیلاس (مِیلاسا Mylasa یا مِیلِیسوس : Melissos) بھی بڑا شہر تھا، اور اس میں باغوں، میووں اور چشموں کی کثرت تھی۔ برجِین (بارگیلیا Bargylia موجودہ اَسِن کَلِک) مِیلاس سے چند میل کے فاصلے پر، ایک حال کا بنایا ہوا شہر پہاڑ کی چوٹی پر آباد تھا؛ اس میں ایک خوبصورت مسجد، اور اچھے اچھے مکانات تھے۔ منتیشا کے مغربی حصے میں ابن بطوطہ قُل حِصار آیا تھا، مستوفی نے اس کا نام گُل لکھا ہے، اور بیان کیا ہے، کہ وہ ایک اوسط درجے کا شہر تھا۔ اس کا ذکر تیمور کی فوجی مہموں کی تاریخ میں بھی آتا ہے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ قُل حِصار جس جھیل پر واقع تھا اُسی کے پانی سے چاروں طرف سے گھرا ہوا تھا؛ اور اس جھیل کی تمام سطح نرسلوں کے درختوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ شہر کو جانے کے لئے صرف ایک راستہ تھا، اور یہ جھیل میں سے ایک اونچی سنگ بستہ سڑک سے طے ہوتا تھا۔ اس کا قلعہ جو نہایت ہی مضبوط تھا ایک پہاڑی پر واقع تھا، اور یہ پہاڑی شہر سے قریب ہی واقع تھی۔ منتیشا کے شمال میں حِصنِ طَواس، جسے آج کل دَوُنَس کہتے ہیں، لاذِق (Loadicea ad Lycum) سے ڈیڑھ دن کی مسافت پر واقع تھا۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ طَواس ایک بڑا قلعہ تھا، اور اُس کے نیچے فصیل سے گھرا ہوا ایک شہر تھا۔ روایات کے مطابق

[۱] قزوینی ج ۲۔ ص ۳۵۹ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۸ + مستوفی ص ۱۶۲ + علی یزدی ج ۲۔ ص ۴۴۸، ۴۴۹ + جہان نما ص ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۴، ۶۳۳ +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت صہیب[1] رضی اللہ عنہ یہاں پیدا ہوئے تھے۔[1]

مَنْتِیشا کے شمال میں امیر آیدِین کا علاقہ تھا۔ اس علاقہ کا پایۂ تخت تِیرَہ (Teira) تھا۔ ابن بطوطہ، جو امیر آیدین سے ملا تھا، کہتا ہے کہ تِیرَہ ایک عمدہ شہر ہے، جس میں متعدد باغ اور بہت سی نہریں ہیں۔ شہر بِرگی (Pyrgion) میں بھی اُس کا گذر ہوا تھا، جو تِیرَہ سے شمال میں ایک منزل ہے۔ یہاں کے عظیم الشان درختوں کی اُس نے بہت تعریف کی ہے۔ آیدِین کا شہر یا گزل حِصار اُسی جگہ واقع ہے جہاں کسی زمانے میں بازنطینی شہر ٹرالیس (Tralleis) آباد تھا۔ یہ شہر معمولی درجے کا تھا۔ شہر اِفسُوس (Ephosus) جو ساحل بحر پر ہے (۱۵۵)
اُس سے شروع زمانے کے عرب جغرافیہ نویس خوب واقف تھے۔ یہ اس شہر کو اَفسُوس یا اَبسُوس کہتے تھے۔ یہ شہر اس وجہ سے مشہور تھا کہ یہاں سات اصحاب کا غار یا کہف تھا۔ اصحاب کہف کا ذکر قرآن شریف میں بھی آیا ہے (سورۃ الکہف (۱۸) آیت ۸)۔ بعد کے زمانے میں اس شہر کو آیا سلوق (یا آیا ثلوغ یا آیا سلیغ) کہا جانے لگا۔ یہ نام حقیقت میں یونانی اگیو تھیولوگو (Agiou Theologou) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں سینٹ جان تھیولوگس کے نام پر قیصر جسٹینین نے ایک گرجا تعمیر کرایا تھا۔ ابن بطوطہ جب ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں یہاں آیا تھا، تو اُس نے یہ گرجا دیکھا تھا۔ اُس کا بیان ہے کہ اس گرجا کی تعمیر بڑے بڑے پتھروں سے ہوئی ہے جن میں

---

[1] ابن بطوطہ کی عبارت (ج ۲ ص ۲۷۷): ویذکرون ان صہیباً صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہ من اہل الحصن
یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی صہیب رضی اللہ عنہ اس قلعے کے رہنے والوں میں سے تھے ابن بطوطہ نے یہ نہیں لکھا ہے کہ آپ وہاں پیدا ہوئے تھے۔ مصنف سے غالباً سہو ہوا ہے۔ مترجم۔

[1] ابن بطوطہ ج ۲ ص ۲۶۹-۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰۔ مستوفی ۱۲۳۔ جہاں نما ص ۶۳۸۔ علی یزدی ج ۲ ص ۴۸۵۔

ہر ایک کا طول (۱۰) ذرع ہے، اور پتھر خوب تراشا ہوا اور صاف کیا ہوا ہے۔ ایک دوسرا گرجا اسلامی فتح کے بعد جامع مسجد بنا لیا گیا۔ یہ نہایت خوبصورت عمارت تھی، اس کی دیواروں پر رنگ برنگ کا سنگ مرمر لگا تھا، اور فرش سفید سنگ مرمر کا تھا، چھت، جو گیارہ گنبدوں کی تھی، اُس پر سیسے کی چادریں چڑھی تھیں۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں آیاسلوُق کے پندرہ دروازے تھے، اور ایک دریا (کیسٹر : Cayster) اُس کے پاس سے گزر کر سمندر میں گرتا تھا۔ شہر کے گرد جنبیلی کے باغ اور تاکستان تھے۔

آیدِیِن کے علاقے کا دوسرا بڑا بندرگاہ سِمَرنا تھا، جسے ترک آزمیر یا ازمیر کہتے ہیں۔ تیمور نے نویں (پندرھویں) صدی کے شروع میں اسے "ہاسپٹل"[1] کے عیسائی مجاہدوں (Knights Hospitallers) سے فتح کیا تھا۔ ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں ابن بطوطہ آزمیر سے گزرا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ اُس زمانے میں اس شہر کا بڑا حصہ ویران تھا، اور اُس کے قریب ہی پہاڑی پر ایک قلعہ تھا۔ اس کے علاوہ وہ لکھتا ہے کہ اس شہر کے بندرگاہ سے آیدِیِن کا امیر بازنطینیوں کو تنگ کرنے اور قرب وجوار کے عیسائی شہروں کو لوٹنے کے لئے جہاز بھیجا کرتا تھا۔ ان عیسائی شہروں میں ایک شہر فوُچیہ (یا فُوچَیہ Phocia) صوبۂ صارُوخان کے ساحل پر تھا، جس کی نسبت بعد کو تیمور کے زمانے میں یہ بیان ہوا ہے کہ وہ مسلمانوں کا قلعہ تھا۔ لیکن ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ

(1) ۱۰۴۸ء میں عیسائیوں نے بیت المقدس میں ہاسپٹل (شفاخانہ) بیماروں کے لئے بنایا تھا۔ جو عیسائی یہاں خدمت پر تھے اُنھوں نے مذہبی اغراض کے لئے ایک جماعت یا طبقہ قائم کر لیا۔ جس وقت یورپ کے عیسائی مسلمانوں سے صلیبی جنگ لڑ رہے تھے تو اس جماعت کے طبقے کو بہت دولت اور قوت حاصل ہو گئی تھی، لیکن مسلمانوں کے مقابلے میں ان کو سربراہی نہ ہوئی۔ پہلے یروشلم (بیت المقدس) سے پھر عکّہ، قبرص اور رُودس سے ہٹ کر آخر اُنھیں مالٹا میں پناہ لینی پڑی۔ بہرکیف یہ عیسائیوں کی ایک جماعت تھی، جس کا غرض یہ تھا کہ مسلمانوں سے لڑتی رہے۔ مترجم)۔

یہ مقام "کفار" یعنی اہل جنیوا کے قبضے میں تھا۔ صارُوخان کا دار الریاست مَغْنِیسِیَہ (یا مغنیسیا : Magnesia) تھا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ یہ دامن کوہ پر، بہت سے باغات سے گھرا ہوا، جنہیں متعدد نہروں سیراب کرتی تھیں، ایک خوبصورت شہر تھا؛ اور یہیں صارُوخان کا امیر رہتا تھا۔ تیمور کی فوجی مہموں کے حالات میں صوبۂ مَغْنِیسِیَاۃ (جیسا کہ اُس زمانے میں یہ نام لکھا گیا ہے) کو سَرُوهَان اِلِی کہتے تھے[1]۔

(۱۵۶) صارُوخان کے شمال میں قرَاسِی (یا قرۃ سی) کے امیر کا علاقہ تھا، جس کے پایۂ تخت بَالِی کَسْرِای اور بَرْغَمَہ (بَرْگاموس : Pergamos) دو شہر تھے۔ ابن بطوطہ جو ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں بَرْغَمہ آیا تھا، لکھتا ہے کہ اس شہر کا بڑا حصہ ویران تھا؛ لیکن اُس کی حفاظت کے لئے قریب ہی ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک زبردست قلعہ موجود تھا، ابن بطوطہ بالی کَسْرِای بھی گیا تھا۔ اس کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ یہ ایک مضبوط بنا ہوا نہایت آباد و معمور شہر ہے، جس میں عمدہ بازار ہیں۔ لیکن اس وقت یہاں کوئی جامع مسجد نہیں، باوجودیکہ قَرَہ سی کا سلطان دُمُوز (یا تیمور) خاں یہاں رہتا ہے، اور اُس کے باپ نے یہ شہر بسایا تھا[2]۔ اس کے بعد کے زمانے میں اس شہر کا ذکر تیمور کی لڑائیوں کے حالات میں اکثر آتا ہے۔

بَالِی کَسْرِای سے ابن بطوطہ بُرُوصَہ گیا، جو اُس زمانے میں عثمانی ترکوں کے

---

[1] ابن بطوطہ ج ۱۔ ص ۲۹۵، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۲+ علی یزدی ج ۲۔ ص ۴۶۶۔ ۴۶۸، ۴۷۰، ۴۸۰+ جہاں نما ص ۶۳۴، ۶۳۶، ۶۳۷+ ریمسے کا جغرافیۂ ایشیائے کوچک ص ۱۱۰، ۲۲۸+ یاقوت ج ۱۔ ص ۹۱+ ج ۲۔ ص ۸۰۶+ اَفْسُوسْ والے اصحاب کہف کے غار کے متعلق میں نے اپنی کتاب "پیلسٹان انڈر دی مسلمز" (ص ۲۷۴) میں بحث کی ہے۔

[2] لیکن اس کے ساتھ ہی ابن بطوطہ (ج ۲۔ ص ۳۱۶) لکھتا ہے کہ:۔ "لوگوں نے شہر کے باہر لیکن اُس کے بالکل متصل ایک جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا تھا، اور اُس کی دیواریں بھی تعمیر کر لی تھیں لیکن چھت نہیں بنائی۔ اور آج ہی اُنھوں نے نماز پڑھنی اور درختوں کے سایے میں جمع ہونا شروع کر دیا تھا!" دمور خاں کے متعلق ابن بطوطہ (ج ۱۔ ص ۳۱۷) نے لکھا ہے کہ:۔ "لا خیر فیہ"+ مترجم+

سلطانوں کا دارالسلطنت تھا۔ اُس زمانے میں یہاں عثمانی ترکوں نے ترکمانی امیروں کو دبانا، اور اُن کی ریاستوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ بُرُصَی یا بُرُوسہ (Prusa) اُس وقت بڑا شہر بن چکا تھا، اور اُس میں بڑے بڑے بازارات اور چوڑی سڑکیں تھیں۔ شہر کے گرد بڑے وسیع باغ تھے، اور شہر کے اندر ایک بہت بڑا تالاب تھا، جہاں شہر کے تمام مکانات میں آب رسانی کے لئے پانی جمع کیا جاتا تھا۔ بُرُصَی میں ایک شفا خانہ تھا، جس میں مردوں اور عورتوں کے لئے ایک ایک عمارت علیحدہ تھی۔ اس شفا خانے میں مریضوں کا علاج کیا جاتا تھا، اور ان کی تمام ضروریات بلا قیمت مہیا کی جاتی تھیں۔ شہر میں ایک گرم حمام بھی تھا۔ عثمانی ترکوں کا سلطان، جس سے ابن بطوطہ ملا تھا، اُرخان تھا۔ یہ دادا تھا اُس بایزید یلدرم کا جسے نویں (پندرھویں) صدی کے شروع میں تیمور نے انگورہ کے مقام پر شکست دی تھی، جس کا تذکرہ اس سے قبل ہو چکا ہے۔ اس وقت سلطان اُرخان کے دارالسلطنت میں سب سے بڑی عمارت اِس سلطان کے دادا کا مقبرہ تھا۔ یہ بادشاہ ایک ایسی عمارت میں دفن کیا گیا تھا جو پہلے گرجا تھا۔ بخارلیج (میلی ٹوپولس : Melitopolis)، جسے بازنطینی میکی لیٹزنی (Michealitze : کہتے تھے، بُرُصَی سے پچاس میل مغرب میں واقع تھا۔ تیمور کی فوجی مہموں کے حالات اور جہاں ناموں میں اس کا اکثر ذکر آتا ہے۔ لیکن ۳۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں عثمانی ترکوں کی سلطنت کا سب سے زیادہ مشہور اور اہم مقام ازنیق (نیکیا : Nicaea) تھا، جسے سلطان اُرخان نے بازنطینیوں سے فتح کیا تھا۔ اس شہر کو ابتدائی عرب جغرافیہ نویس نیقیہ اور ترک یزنیق یا ازنیق کہتے ہیں۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ازنیق کی جھیل نرسلوں کے درختوں سے پٹی پڑتی تھی۔ اُس کے مشرقی کنارے کے سرے پر یہ شہر واقع تھا، اور شہر میں داخل ہونے کے لئے صرف ایک راستہ تھا، یعنی ایک اونچی سنگ بستہ سڑک تھی، جس کے دونوں طرف پانی تھا۔ یہ راستہ اس قدر تنگ تھا کہ ایک وقت میں ایک ہی سوار اُس پر سے گزر سکتا تھا۔ شہر کے متعلق ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ وہ بہت کچھ ویران ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے

دَور میں بہت سے باغات تھے۔ اس کے گرد چار فصیلیں ایک کے بعد ایک تھیں، اور دو دو فصیلوں کے درمیان ایک ایک خندق تھی۔ ان خندقوں کو ایسے چوبی پلوں، [جسور خشب] سے عبور کیا جاتا تھا، جن کو ضرورت کے وقت جب چاہا اُٹھا لیا اور جب چاہا لگا دیا۔ اِزْنِیق (Nicaea) کے شمال میں (۱۵۷)
نیکومیڈیا (Nicomedia) کا شہر تھا، جسے ابتدائی زمانے کے عرب جغرافیہ نویس نِقْمُوْدِیَہ لکھتے تھے، اور ترک اسے اِزْنکمیڈ کہتے ہیں۔ چنانچہ مصنف جہان نما نے یہی نام لکھا ہے۔ بعد میں یہ نام مخفف ہو کر اِزمیڈ رہ گیا، اور آج کل یہی بولا جاتا ہے۔ اس شہر کا حال نہ ابن بطوطہ نے لکھا ہے، اور نہ کسی اور مصنف نے۔[1]

قِزِل اَحْمَدْلِی کا صوبہ بحیرۂ اَسْوَدْ کے کنارے کنارے آب نائے باسفورس سے شہر سِنُوب تک پھیلا ہوا تھا۔ یَزْنِیق (اِزْنِیق) سے سفر شروع کرکے، دریائے سَاغَرِیْ (Sangarius) (ترکی: سَقَرِیْ) کو عبور کرنے کے بعد، ابن بطوطہ کو پہلی منزل مُطُرْنِیْ یا مُوْدُرْنی (موجودہ: مُدُرْلُو۔ قدیم Modrene) کے شہر میں ہوئی۔ وہ لکھتا ہے کہ مُطُرْنِیْ بڑا وسیع شہر تھا۔ مُطُرْنی کا ذکر جہاں نما میں بھی ملتا ہے۔ اس کے شمال مشرق میں بُولی (کلاڈیوپولس : Claudiopolis) کی نسبت ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ وہ ایک بڑے دریا کے کنارے واقع تھا۔ اِس سے مشرق میں ایک مرحلے کے فاصلے پر کَرَہ دَدَہ یا گَرِیْدِیْ بُوْلی ایک

[1] اِزْنکمیڈ بازنطینی نام "اِیس نیکومِیدیان (Eis Nikamedian) کی، اور اِزْنِیق بازنطینی نام ایس نیکائیان (Eis Nikian) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۲۲ + علی یزدی ج ۲۔ ص ۴۶۶ + جہاں نما ص ۱۳۱؛ ۶۵۶، ۶۶۱، ۶۶۲ + ریمسے (جغرافیۂ ایشیائے کوچک، ص ۱۰۹) + سلطان اُرخان مشہور و معروف ینگچری فوج کا بانی تھا۔ ابن بطوطہ نے اس کے عجیب و غریب حالات لکھے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ سلطان تمام ترکمانی امیروں میں سب سے زیادہ صاحب قوت تھا۔ سو قلعے اس کے قبضے میں تھے، لیکن وہ فوجی ہموار اور سرحد کے معائنے میں اس قدر مصروف رہتا تھا کہ کسی ایک شہر میں ایک مہینے سے زیادہ قیام نہ کرتا تھا۔

خوبصورت اور بڑا شہر میدان میں واقع تھا۔ اس میں عمدہ بازار اور چوڑی سڑکیں تھیں، اور اُس کے باشندوں میں ہر قوم کا محلہ جدا تھا۔ ۷۳۳ھ (۱۳۳۳ء) میں صوبہ قزل احمد لی کا امیر گریدی بولی میں رہتا تھا، اور معلوم ہوتا ہے کہ یہی شہر اس صوبے کا صدر مقام تھا۔

اس صوبے کے شرقی حصہ میں قَصْطَمُونِیَہ (یا قصطمونی : Castamon) آباد تھا، جسے قزوینی نے وسعت میں اوسط درجے کا شہر بتلایا ہے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ایشیائے کوچک کے جن بڑے شہروں میں اُسے جانے کا اتفاق ہوا، اُن ہی میں قَصْطَمُونِیَہ بھی ایک بڑا شہر تھا، اور یہاں ضروریات کی چیزیں ارزاں اور بکثرت تھیں۔ قَصْطَمُونِیَہ کے شمال مشرق میں سَنُوب (یا سِینُوب : Sinope) بڑا بندرگاہ تھا۔ یہیں سے ابن بطوطہ جہاز پر سوار ہو کر کریمیا گیا تھا۔ اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سَنُوب تین سمتوں میں سمندر سے گھرا ہوا تھا، اور شہر میں داخل ہونے کے لئے مشرق کی جانب صرف ایک دروازہ تھا۔ یہ ایک خوبصورت اور معمور بندرگاہ تھا، اور نہایت استحکام سے اس کی قلعبندی ہوئی تھی۔ شہر میں ایک جامع مسجد تھی، جس کا گنبد سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم تھا۔ اور یہاں ایک مقام تھا جس کی لوگ (۱۵۸)
بہت تعظیم کرتے تھے۔ مشہور تھا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور مؤذن، جنھوں نے سب سے پہلے مسلمانوں میں اذاں کہی، حضرت بلال حبشی رضی کا مزار ہے۔

بازنطینی شہر گنگرا جرمانیکوپولس (Gangra Germanicopolis) قَصْطَمُونِیَہ سے تقریباً پچاس میل جنوب میں واقع تھا، اور ترک اس شہر کو کیانقری کہتے تھے۔ عربوں کی ابتدائی تاریخوں میں اسے خَنجَرَہ لکھا گیا ہے۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے عہد میں مسلمانوں نے ایک سخت حملہ بلاد الروم پر کیا تھا، اور بڑھتے بڑھتے اِس مقام تک آگئے تھے۔ قزوینی، جس نے اُس کا نام عَنجَرَہ لکھا ہے، کہتا ہے کہ یہ شہر نهر مَقلُوب (یعنی الٹے دریا) کے کنارے واقع تھا؛ اِس دریا کو نهر مَقلُوب اس وجہ سے کہتے تھے کہ وہ

دوسرے دریاؤں کے برعکس جنوب سے شمال کو بہتا تھا۔ قزوینی لکھتا ہے کہ ۲۴۲ھ (۸۵۶ء) میں ایک زلزلے سے تقریباً تمام عَنجَرَہ برباد ہو گیا تھا۔ صوبۂ قِزِل اَحمَدلی کے شہروں کی فہرست کو مکمل کرنے کے لئے کُوچ حِصَار کا ذکر کرنا ضروری ہے، جس کا نام جہاں نما میں ملتا ہے۔ یہ شہر قصطموَنی اور کانغرِی کے درمیان واقع ہے، اور غالباً وہی مقام ہے جسے مستوفی نے کُوش حِصَار لکھا ہے۔ اس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے (دیکھو صفحہ حاشیہ ۴۹) اور اس موقع پر کھاری جھیل کے ساحل پر اسی نام کے ایک شہر سے اس کو مطابقت دی گئی تھی۔[۱]

ایشیائے کوچک کی بڑی سڑکوں میں سے صرف دو ایسی ہیں جن کا کسی قدر قابل وثوق حال ہم تک پہنچا ہے۔ ان میں سے ایک سڑک وہ ہے جو طرسُوس سے قسطنطنیہ جاتی تھی (دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۲۴) اور دوسری سڑک[۲] وہ ہے جو سِیلُواس سے مشرق میں تبریز جاتی تھی (دیکھو صفحہ حاشیہ ۱۴۲) جہاں نما میں چند ایسی سڑکوں کا ذکر ہے جن کا مرکز سِیلُواس تھا، ان سڑکوں پر جو منازل اور قریئے تھے ان کو بیان کر دیا گیا ہے۔ ان میں سے اکثر کے نام اب بھی نقشے پر ملتے ہیں۔ مگر خرابی یہ ہے کہ مصنف نے اکثر صورتوں میں منزلوں کے درمیانی فاصلے درج نہیں کئے۔ اُس سے جو کچھ معلومات ان سڑکوں کے متعلق حاصل ہوتی ہیں وہ بہت کام کی نہیں۔

---

[۱] مستوفی ص ۱۶۳، ۱۶۴ + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۳۲۵، ۳۳۲، ۳۳۶، ۳۳۸، ۳۴۱، ۳۴۸ + جہاں نما ص ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۹، ۶۵۱، ۶۵۲ + یاقوت ج ۲۔ ص ۵۴۷ + طبری ج ۲۔ ص ۱۲۳۶ +

[۲] جہاں نما ص ۶۲۷، ۶۲۸۔

(۱۵۹)

باب یازدہم

آذربائیجان

جھیل اُرمیہ۔ تبریز۔ سَراۃ۔ مَراغَہ اور اُس کے دریا صافی اور جَغَتو۔ اُشنَہ۔ شہر اُرمیہ اور سَلماس، خُوئی اور مَرَند۔ نَخجوان۔ دریائے آرَس کے پل۔ کوہ سَبَلان۔ اَردَبیل اور اَہَر۔ سَفید رُود اور اُس کے معاون۔ مِیانِج۔ خَلخال، اور فیروز آباد۔ دریائے شال اور شاہ رُود کا علاقہ۔

آذربائیجان کا کوہستانی علاقہ (جس کا تلفظ موجودہ فارسی میں آذَربیجان[۱] ہے)، دورِ خلافت میں اتنی اہمیت نہیں رکھتا تھا، جتنی کہ مغلوں کی یورش کے بعد زمانۂ وسطیٰ کے آخری حصہ میں اُسے حاصل ہوگئی۔ ابتدا میں یہ صوبہ تجارت کے اُس کاروبار سے دور پڑتا تھا جس کا سلسلہ خراسان کی سڑک سے، جو صوبہ جبال (Media) میں سے ہو کر گزرتی تھی برابر جاری تھا۔ مقدسی کہتا ہے کہ یہ دورافتادگی اس وجہ اور زیادہ ہوگئی تھی کہ آذربائیجان کے پہاڑوں اور مرتفع میدانوں میں ستر زبانوں سے زیادہ زبانیں بولی جاتی تھیں، اور اس کے علاوہ صوبہ کے شہروں میں کوئی بڑا شہر نہ تھا۔

۱؎ دیکھو نقشہ ۳ ملحقہ کتاب ہذا۔ اس صوبہ کا قدیم ایرانی نام آذربادگان تھا جسے یونانیوں نے بگاڑ کر اتروپاتینی (Atropatene) کر لیا۔ مقدسی (صفحہ [illegible]) نے لکھا ہے کہ آذربائیجان، اَرّان اور آرمینیہ سب ایک ہی صوبے کے مختلف حصے ہیں، اور اس صوبے کو اس نے اقلیم رحاب (مرتفع میدانوں کا علاقہ) لکھا ہے؛ اور اس طرح اُسے صوبۂ جبال کے کوہستانی علاقے اور میسوپوٹیمیا کی نشیبی (اقور) سرزمین سے ممیز کر دیا ہے۔

زمانۂ مابعد کے مختلف عہدوں میں متعدد شہر یکے بعد دیگرے صوبے کے صدر مقام
رہے۔ پہلے شروع کے عباسی خلفاء کے عہد میں اَرْدَبِیل صدر مقام تھا۔ پھر بعد
کے خلفاء کے زمانے میں تَبْرِیز کو یہ شرف حاصل ہوا۔ لیکن تاتاریوں کی یورش کے
بعد کچھ مدت کے لئے یہ درجہ مَرَاغَہ کو مل گیا۔ ایل خانیوں کے عہد میں تبریز نے
پھر اپنا پہلا عروج حاصل کر لیا۔ لیکن خاندان صفوی کے ابتدائی بادشاہوں کے زمانے
میں اَرْدَبِیل کے سامنے کچھ نہ رہا۔ اس کے بعد جب گیارھویں (سترھویں) صدی میں (۱۶۰)
شاہ عباس صفوی نے اصفہان کو تمام ایران کا دارالسلطنت قرار دیا اور اَرْدَبِیل ویران ہو گیا
تو تَبْرِیز ایک مرتبہ پھر آذربائیجان کا صدر مقام ہو گیا۔ چنانچہ اس وقت تک اس کی یہ
حیثیت قائم ہے، اور وہ ایران کے شمال مغربی حصے کا سب سے بڑا شہر ہے۔

آذربائیجان کے صوبہ کا سب سے زیادہ مخصوص طبعی منظر جھیل
اُرْمِیَہ ہے۔ یہ جھیل شمال سے جنوب کی اسّی میل سے زیادہ لمبی، اور
جہاں زیادہ سے زیادہ چوڑی ہے وہاں اس کا عرض اپنے طول کا ایک
ثلث ہے۔ یہ تَبْرِیْز کے مغرب میں واقع ہے، اور شہر اُرْمِیَہ کے نام پر، جو اس
کے مغربی کنارے پر ہے، اس کا یہ نام ہوا ہے۔ اس کا نام مختلف کتابوں
میں مختلف طور پر آیا ہے۔ ژند اوستا میں چائی چاستا (Chaechasta)
لکھا ہے، اور یہی قدیم ایرانی نام چیچست میں موجود ہے، جو فردوسی نے
شاہ نامہ میں استعمال کیا ہے۔ مستوفی کے زمانے تک یہی نام مروج تھا۔
چوتھی (دسویں) صدی میں مسعودی اور ابن حوقل نے بحیرۂ کَبُوذان لکھا ہے؛ یہ نام
ایک ارمنی لفظ سے ماخوذ ہے، اور اس کے معنے "نیلی" جھیل کے ہیں، کیونکہ
گیبائڈ (Gaboid) اس زبان میں "نیلے" کو کہتے ہیں۔ اصطخری نے اسے
جھیل اُرْمِیَہ لکھا ہے[1]، مقدسی نے اس کی پیروی کی ہے۔ بعض جگہ اصطخری
نے اِسے بُحَیْرَۃُ الشُّرَات (خارجیوں کا سمندر) لکھا ہے، کیونکہ بہت سی مختلف

(علہ اصطخری کے جو حوالے مصنف نے اپنی اصل کتاب میں دیئے ہیں، ان کے دیکھنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ اس میں یہ مضمون کہ اس جھیل کو بحیرۂ الشرات کہتے ہیں، موجود نہیں۔ مترجم)۔

قومیں جو اِس کے کنارے پر آباد تھیں اُن کے عقائد عام مسلمانوں سے مختلف تھے۔ اصطخری نے اس جھیل کے پانی کو سخت کھاری لکھا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں یہ جھیل کشتیوں سے پٹی رہتی تھی؛ اُن سے اُرمیہ اور مَرَاغہ کے شہروں میں مال تجارت کی آمد و رفت رہتی تھی۔

جھیل کے وسط میں ایک جزیرہ تھا، جس کا نام ابن سراپیون نے کبُوذان لکھا ہے، اس میں ایک چھوٹا سا شہر تھا، جس میں ملاح آباد تھے۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس جھیل میں مچھلیاں بکثرت تھیں، اور ایک عجیب و غریب مچھلی تھی، جسے کلب الماء (پانی کا کتا) کہتے تھے، اور ابن حوقل لکھتا ہے کہ اس میں مچھلیاں بالکل نہ تھیں۔ سردی کے موسم میں طوفان سے بڑی بڑی موجیں اُٹھتی تھیں اور کشتیاں چلانی خطرناک ہو جاتی تھی۔ ابوالفداء نے اس جھیل کو بحیرہ تلا لکھا ہے، لیکن اس نام کے معنے معلوم نہیں۔ لیکن قزوینی لکھتا ہے کہ نمک اور توتیا اس جھیل سے بہت پیدا ہوتا تھا، اور ان کا دساور بھی بکثرت باہر بھیجا جاتا تھا۔ مستوفی نے (جیسا کہ اوپر آچکا ہے) اس جھیل کو چیچست اور نیز دریائے شور لکھا ہے۔ کہیں کہیں اِسے بحیرۂ طَرُوج یا طَسُوج بھی کہا ہے طروج یا طسوج اس جھیل کے شمالی کنارے پر ایک شہر تھا، اور اسی شہر کے نام پر اس جھیل کا یہ نام لیا گیا ہے۔ مستوفی اور حافظ ابرو دونوں نے اس جھیل میں ایک جزیرہ کا (جس کی شکل پانی کم ہونے پر جزیرہ نما کی ہو جاتی تھی) ذکر کیا ہے جس کا نام شاہا (۱۶۱) تھا۔ اس میں ایک بڑا قلعہ، پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ یہ محل ہلاکو اور دوسرے مغل شاہزادوں کا مدفن تھا۔ شاہا کے قلعے کا ذکر تیسری (نویں) صدی کی تاریخوں میں

(علہ اصطخری (ص ۱۸۱) میں جو بیان ہوا ہے، اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے: "آذربائجان کے سمندر کا نام بحیرۂ اُرمیہ ہے۔ اُس کا پانی کھاری ہے، اُس میں مچھلیاں، اور ایک ایک قسم کا جانور ملتا ہے، جسے کلب الماء (پانی کا کتا) کہتے ہیں۔ یہ بحیرہ بہت بڑا ہے، اور اس کے چاروں طرف قریوں اور آبادی کا ایک سلسلہ ہے، اور اس جھیل اور مَراغہ میں تین فرسخ کا فاصلہ ہے"۔ وہ بیان جو کتاب میں نقل کیا گیا ہے دراصل ابن حوقل (ص ۲۴۷) کا ہے۔ مترجم)

میں بھی ملتا ہے۔ چنانچہ ابن مسکویہ نے جہاں ہارون الرشید کے پوتے متوکل علی اللہ کی خلافت کا حال لکھا ہے وہاں شاہا اور تکذ ... کے دو قلعوں کا بھی ذکر کیا ہے، جو اُس زمانے میں یہاں کے باغی سرداروں کے قبضے میں تھے۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں ہلاگو خاں نے شاہا کو (جسے حافظ ابرو نے بحیرۂ اُدُمیہ کا قلعۂ تلا لکھا ہے) دوبارہ تعمیر کرایا اور اسی میں اپنا تمام خزانہ جو بغداد اور خلافت کے صوبوں سے لوٹا تھا، جمع کیا تھا۔ چونکہ یہ مقام بعد میں ہلاگو کا مدفن بنا اس لئے فارسی میں اِسے گورِ قلعہ (قبر و القلعہ) کہنے لگے۔ تیمور کے عہد میں، جب حافظ ابرو نے اپنی کتاب لکھی ہے، وہ بالکل غیر آباد تھا[1]۔

تبریز کا شہر اس جھیل کے کنارے سے تقریباً بتیس میل کے فاصلے پر ایک دریا پر واقع ہے اور یہ دریا شاہا کے جزیرہ یا جزیرہ نما کے قریب سے نکلتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تیسری (نویں) صدی تک تبریز محض ایک گاؤں تھا۔ خلیفہ متوکل علی اللہ کے عہد میں ایک شخص ابن الرَّوّاد وہاں آکر بسا، اُس نے اور اُس کے بھائی اور بیٹے نے اپنے اپنے لئے محل تیار کرا لئے، اور آخر اُس تمام آبادی کو جو ان محلوں کے گرد پیدا ہوگئی تھی ایک فصیل سے گھیر دیا۔ بعد کی ایک روایت یہ مشہور ہے کہ اِس شہر کو ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے بسایا تھا، لیکن پرانے مورخوں سے اس امر کی تصدیق نہیں ہوتی، علاوہ ازیں یہ بھی کہیں پتہ نہیں چلتا کہ زبیدہ کبھی آذربائجان آئی تھی۔ مقدسی نے چوتھی (دسویں) صدی میں تبریز کو ایک خوبصورت شہر بتلایا ہے جس میں ایک جامع مسجد تھی۔ شہر

---

[1] اُدُمیہ آج کل اُرُومیہ کہلاتا ہے، اور ابن سراپیون نے بھی یہی نام لکھا ہے (ابن سراپیون کا قلمی نسخہ۔ فولیو (۲۵ الف)۔ اصطخری ص ۱۸۱، ۱۸۹+ ابن حوقل ص ۲۳۹، ۲۴۷+ مقدسی ص ۳۷۵، ۳۸۰+ مسعودی (مروج) ج ۱۔ ص ۹۷+ ابوالفدا ص ۴۲+ یاقوت ج ۱۔ ص ۵۱۳+ قزوینی ج ۲۔ ص ۱۹۴+ حافظ ابرو (قلمی نسخہ) فولیو ۲۷ + ابن مسکویہ ص ۵۳۹+ شاہ نامہ (ٹرنر میکن۔ کلکتہ ۱۸۲۹ء) صفحہ ۱۸۶ شعر ۴، اور صفحہ ۱۹۲۷ (نیچے سے سطر ۲) میں بجائے خَنجَست کے، جو کاتب کی غلطی ہے، چیچست پڑھنا چاہیئے۔ ایسی غلطیاں محض نقطوں کے بے جگہ لگا دینے سے پیدا ہوجاتی ہیں۔

کے گرد میووں کے بارآور باغ تھے، اور آبادی میں پانی کی بہتات تھی۔ یاقوت، جو ۶۱۰ھ (۱۲۱۳ء) میں یہاں آیا تھا، تبریز کو آذربائیجان کا سب سے بڑا شہر بتلاتا ہے، اور قزوینی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ تبریز کا عتابی، جو ایک ریشمیں کپڑا تھا، یہاں کی مخملیں اور اور قسم کے کپڑے مشہور تھے۔ جب ۶۱۸ھ (۱۲۲۱ء) میں مغلوں نے اس شہر کو فتح کیا تو اہل شہر نے فوراً فدیہ دے کر اس کو گویا خرید لیا۔ بعد کو ایل خانیوں کے عہد میں، تبریز، جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں، (۱۶۲)
اس نواح کا سب سے بڑا شہر بن گیا۔

مستوفی نے تبریز کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ شہر دو مرتبہ زلزلوں سے برباد ہوا، اور دونوں مرتبہ پھر تعمیر کیا گیا۔ پہلا زلزلہ ۲۴۴ھ (۸۵۸ء) میں آیا، اور دوسرا ۴۳۴ھ (۱۰۴۲ء) میں۔ اس زلزلے میں چالیس ہزار باشندے ضائع ہوئے۔ جب آخری مرتبہ اس کو تعمیر کیا گیا ہے تو اس کے گرد ایک فصیل بنائی گئی، جو دور میں (۶۰۰۰) قدم تھی، اور اس میں دس دروازے تھے۔ یہ فصیل آٹھویں (چودھویں) صدی تک قائم رہی، جب کہ غازان خاں نے پرانی فصیل کے باہر ایک نئے شہر کی عمارتیں بنوانی شروع کیں اور ان عمارتوں کے گرد ایک نئی فصیل بنوا دی۔ اس نئی فصیل میں چھ دروازے تھے، اور اس کے دور میں وَلِیان کی پہاڑی بھی آگئی تھی۔ اس فصیل کا دور (۲۵۰۰۰) ہزار قدم تھا۔ مستوفی نے تبریز کی اندر والی اور باہر والی فصیلوں کے دروازوں کے نام لکھے ہیں (مگر قلمی نسخوں میں ان ناموں کے بارے میں بہت کچھ اختلاف ہے)۔ مستوفی لکھتا ہے کہ غازان خاں ۷۰۳ھ (۱۳۰۳ء) میں اپنے ہی تعمیر کیے ہوئے نئے شہر کے محلہ یا ربض شام میں دفن کیا گیا تھا۔ اس کے جانشینوں نے شہر کے اندر اور شہر کے باہر ربض رَشِیدی میں، جو وَلِیان کی پہاڑی کی ڈھال پر واقع تھا، متعدد مسجدیں اور دیگر عمارات عامہ تعمیر کرائیں۔ تبریز کے باغ مہران رُود کے پانی سے سیراب ہوتے تھے۔ یہ دریا کوہ سہند سے، جو شہر کے جنوب میں تھا، نکلتا تھا۔ تبریز کے گرد سات اضلاع اور تھے، جن کے نام اکثر ان دریاؤں

کے ناموں پر تھے جو اُن میں بہتے تھے۔ مستوفی نے اِن اضلاع اور اُن کے قریب وجوار کے قریوں کے نام تفصیل سے نقل کیے ہیں، لیکن اُن میں سے اکثر نام ایسے ہیں جن کے پڑھنے میں شبہ رہ جاتا ہے۔ ابن بطوطہ سنہ ۷۳۳ھ (سنہ ۱۳۳۳ء) میں تبریز آیا تھا۔ اُس نے اس شہر کے شام کے محلہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ شہر کے باہر تھا، اور اُس میں غازان کا بنایا ہوا ایک عالی شان مدرسہ اور خانقاہ[1] تھی۔ ابن بطوطہ شہر تبریز میں باب بغداد سے داخل ہوا تھا، اور اُس نے قازان کے بازار، اور جوہریوں کے بازار کا، جہاں ہر قسم کے جواہرات بکثرت فروخت کے لئے موجود رہتے تھے، ذکر کیا ہے۔ اسی کے قریب مشک و عنبر کا بازار تھا۔ وہ کہتا ہے کہ یہاں کی جامع مسجد غازان کے وزیر علی شاہ جیلانی نے تعمیر کرائی تھی۔ مسجد کا فرش سنگ مرمر کا تھا، اُس کے حوض کے لئے ایک نہر سے پانی آتا تھا، دیواروں پر روغنی یعنی قاشانی کام کیا گیا تھا، اور مسجد کے دائیں طرف خانقاہ اور بائیں طرف مدرسہ تھا[2]۔

(۲۶۳) مِهْرَان رُود، جو تَبْرِیز کی بیرون شہر بستیوں میں سے گزرتا تھا، اور سَرد رُود، جو جنوب مغرب کی طرف بہتا تھا دونوں کوہ سَهَند سے، جو تَبْرِیز کے جنوب میں تھا، نکلتے تھے، اور دونوں دریائے سَراؤ میں مل جاتے تھے، جو شہر کے شمال میں تھوڑے فاصلے پر تھا۔ سَراو رُود جس کا دوسرا نام دریائے سُرخاب تھا، سَبلان کوہ سے نکلتا تھا جو تَبْرِیز سے (۲۰۰) میل کی مسافت پر شہر اَرْدَبِیل کے سر پر کھڑا تھا۔ یہ دریا بہت طول طویل چکر کاٹتے، بہت سی شور مرد ابوں میں سے گزرنے اور بہت سے معاون دریاؤں کو ساتھ لینے کے بعد ایک مقام پر جو تبریز سے

---

(۱) ابن بطوطہ (ج ۲ ص ۱۲۹) نے زاویہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مترجم)

(۲) مقدسی ص ۳۷۸ + یاقوت ج ۱ ص ۸۲۲ + قزوینی ج ۲ ص ۲۲۷ + مستوفی ص ۱۵۵-۱۵۷ + جہاں نما ص ۳۸۰ - ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۲۹ +

چالیس میل مغرب میں تھا، جھیل اُرمیہ میں گرجاتا تھا۔ کوہ سَبَلان اور ان دونوں پہاڑوں میں سے نکلنے والے دریاؤں کا حال مستوفی نے خوب تفصیل سے لکھا ہے۔ سَراؤ یا سَراب کا شہر، جس کے نام پر سَراو رود کا نام مشہور ہوا تھا، تبریز سے اَردبیل جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ شہر سَراو یا سَراب کے گرد وُرزَنَل، دَرَہنَل، بَرغوش، اور سَقھِنر کے چار اضلاع تھے۔ ابتدائی عرب جغرافیہ نویس سَراب کو سَرات لکھتے ہیں۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ وہ ایک خوبصورت مقام تھا، جس میں بہت سی چکیاں (طواحین) تھیں، اور شہر کے گرد میووں کے باغ اور کھیت تھے، جن میں غلہ اور میوہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ سَرات میں بہت سی سرائیں[۱] اور عمدہ بازار تھے۔ یاقوت نے، جو اس شہر کا نام سَراو یا سَرو لکھتا ہے، بیان کیا ہے کہ یہ شہر ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) کی تاتاری یورش میں برباد ہوگیا تھا، اور اس کے اکثر باشندے قتل کر دئے گئے تھے۔ لیکن آئندہ صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو یہ شہر پھر بارونق ہوگیا تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ یہ شہر تبریز سے تین دن اور اردبیل سے دو دن کی مسافت پر واقع تھا۔

سَراو رود کے بائیں (جنوبی) کنارے پر اَوجان یا اُوجان کا شہر تبریز سے دس فرسخ کے فاصلے پر اُس سڑک پر واقع تھا جو تبریز سے میانہ کو جاتی تھی۔ لیکن اس کو مغلوں نے برباد کر دیا تھا، اور مستوفی کی زندگی میں غازان خان نے، جو چند روز یہاں رہا تھا، اُسے دوبارہ تعمیر کرایا۔ اُس کا نام بدل کر اُس نے شہر اسلام رکھا، اور اُس کے گرد چونے گچ کی ایک سنگین فصیل، جو دور میں (۳۰۰۰) قدم تھی، تعمیر کرائی۔ اس کے نواح کی زمینیں زرخیز تھیں، اور ان میں غلہ، روئی، اور میوہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ اِس کا دریا، آب اُوجان، کوہ سَھَند کی ایک مشرقی شاخ سے نکلا تھا۔ اِس پہاڑ کے جنوب مغرب میں،

---

(۱) ابن حوقل کے الفاظ: فنادق نظیفہ (یعنی عمدہ سرائیں)۔ ص ۲۵۳۔ مترجم۔

تَبریز سے تقریباً ساٹھ میل، اور جھیل اُرمِیَہ کے ساحل سے چار فرسخ کے فاصلے (۱۶۴)
پر، دَاخَرّقان کا بڑا گاؤں تھا۔ ابن حوقل اور دوسرے عرب جغرافیہ
نویسوں نے اس نام کو اسی طرح لکھا ہے، لیکن اہلِ ایران اسے دِہ خوارقان
لکھتے ہیں۔ یاقوت نے دَاخَرّقان کا دوسرا نام دِہ نَخیرجان لکھا ہے؛ اور
بتایا ہے کہ اس کے معنے نَخیرجان کا گاؤں (دِہ) ہیں۔ نَخیرجان
ساسانی بادشاہ خسرو کا خزانچی تھا۔ مستوفی نے اس کو ایک چھوٹا سا قصبہ بتایا ہے،
جس کے گرد ملحقات اور گاؤں تھے، جہاں میوہ اور غلہ بہت پیدا ہوتا تھا۔[1]

مَرَاغَہ کا شہر دریائے صافی کے کنارے پر، تبریز سے ستر میل جنوب
میں واقع تھا، اور دریائے صافی کوہ سَہَند سے نکل کر جنوب کی سمت میں
بہتا ہوا، اس شہر تک پہنچتا تھا، اور یہاں سے مغرب کی جانب مڑ کر جھیل
اُرمِیَہ میں گر جاتا ہے۔ مَرَاغَہ قریۃ المَراغہ (چراگاہوں کا گاؤں) کا مخفف
ہے۔ اس کی نسبت کیا جاتا ہے کہ ایرانی اسے اَفرَازہ رُوذ کہتے تھے۔ چوتھی
(دسویں) صدی میں ابن حوقل نے مَرَاغہ کو وسعت کے لحاظ سے اَرْدَبیل کے
برابر بتلایا ہے، جو اُس زمانے میں صوبۂ آذربائجان کا خاص شہر تھا۔ اُس نے
لکھا ہے کہ مَرَاغَہ اُس وقت بھی تھوڑی مدت کے لئے صوبہ کا صدر مقام
چلا آتا تھا، اور سرکاری خزانہ اور دفاتر، اَرْدَبیل میں منتقل ہونے سے پہلے،
وہیں تھے۔ مَرَاغَہ نہایت خوشگوار شہر تھا، اُس کے گرد ایک فصیل تھی،
اور فصیل کے باہر نہایت بارآور باغات تھے۔ یہاں کا ایک پھل، جس کی وجہ
سے یہ جگہ مشہور تھی، ایک قسم کا خربوزہ تھا، جو خوشبودار ہوتا تھا، باہر سے سبز اور
اندر سے سرخ نکلتا تھا، اور مزہ شہد کا رکھتا تھا۔ مستوفی نے اس شہر کے قلعے اور
اس کی مستحکم فصیلوں کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اُن کے باہر ایک بڑی آبادی
تھی۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ فصیلیں اور مورچے وغیرہ خلیفہ ہارون الرشید کے

---

[1] اصطخری ص ۱۹۱ + ابن حوقل ص ۲۴۸، ۲۵۳ + یاقوت ج ۱۔ ص ۱۹۸، ۴۳۱ + ج ۲۔ ص ۴۲۵، ۶۳۶ + ج ۳۔ ص ۷۶۴ + مستوفی ص ۱۵۵، ۱۵۸، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۱۰، ۲۱۱۔

زمانے میں تعمیر ہوئے تھے، اور خلیفہ مامون الرشید نے اُن کی مرمت کرائی تھی۔

شروع کے شاہان مغول کے عہد میں، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، مَرَاغہ آذربائجان کا صدر مقام قرار پایا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس بڑے شہر کے گرد متعدد سرسبز و شاداب علاقے تھے، جن کو بہت سی ندیاں سیراب کرتی تھیں چنانچہ اُس نے ان علاقوں میں سے چند کے نام بھی گنوائے ہیں۔ مَرَاغہ کے باہر علامہ ناصر الدین محقق طوسی کی بنائی ہوئی عالی شان رصد گاہ تھی، جہاں ہلاگو کے حکم سے مشہور و معروف زیچ ایل خانی تیار کرکے شائع کی گئی تھی۔ یہ رصد گاہ، جس کے کھنڈر اب بھی نظر آتے ہیں، آٹھویں (چودھویں) صدی میں تک جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو شکستہ اور بوسیدہ ہو چکی تھی۔

قزوینی نے یہاں کے ایک قلعہ موسوم بہ رُوئین دِز کا ذکر کیا ہے، جو مَرَاغہ سے تین فرسخ کے فاصلے پر تھا، اور ایک ندی اُس کے دونوں جانب بہتی تھی۔ قلعہ کے (۱۶۵) اندر اُمَیدْ آباد نام کا ایک مشہور باغ تھا، جس کو پانی دینے کے لئے باغ ہی میں ایک حوض موجود تھا۔ اس قلعہ سے ایک فرسخ کے فاصلے پر جَنْبَذَق کا گاؤں تھا۔ یہاں گرم پانی کا چشمہ تھا، جس کے متعلق بہت سے عجیب و غریب واقعات بیان کئے جاتے تھے۔

دریائے صافی، جو مَرَاغَہ کے مغرب میں جھیل میں گرتا تھا، طغیانی کے موسم میں اپنا پانی دریائے جَغْتُو اور اُس کے معاون تَغْتُو سے ملا دیتا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ دونوں دریا کردستان کے پہاڑوں سے نکلتے تھے، اور جب ان کا پانی کناروں سے بہ نکلتا تھا، تو جھیل کا جنوبی ساحل ایک بڑا گرداب بن جاتا تھا۔ یہاں متعدد پیچ در پیچ ندیوں سے گھرا ہوا لَیْلَان (یا نیلاَن)، کا چھوٹا سا شہر تھا؛ اس کے گرد بہت سے بارآور باغ تھے، اور مستوفی کے زمانے میں وہاں مغلوں کی آبادی تھی۔ سیاحت ناموں میں جو فاصلے مقامات کے دئے گئے ہیں اُن کے مطابق لَیلان سے جنوب میں کچھ فاصلے پر بَرْزَہ کا گاؤں تھا۔ یہاں صوبہ جبال کے مقام سِیسَر سے جو سڑک آئی تھی

وہ دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ دائیں ہاتھ والی سڑک شمال مشرق کی طرف مَرَاغَہ کو، اور بائیں ہاتھ والی سڑک جھیل اُرْمِیَہ کے مغرب کی طرف ہو کر اُرْمِیہ کو جاتی تھی۔

جھیل اُرْمِیَہ کے جنوبی کنارے سے پچاس میل کے فاصلے پر بَکَمُوَی تھا، جسے ایرانی پَسَوَا کہتے تھے۔ یاقوت نے جو خود بھی یہاں آیا تھا، لکھا ہے کہ اس کے زمانے میں یہاں زیادہ تر رہزن[عله] و قزاق آباد تھے۔ مستوفی نے یہاں کے باغوں کی تعریف کی ہے۔ بَکَموی کے شمال مغرب میں اُشْنُہ تھا جہاں ابن حوقل کے زمانے میں کُرد آباد تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اُشْنُہ کا شہر میسوپوٹیمیا کے شہروں سے جو اس کے قرب جوار میں تھے، بالخصوص موصل کے شہر سے مویشی اور گھوڑوں کی تجارت کی بڑی منڈی تھی۔ اس کی زمینیں بہت سیر حاصل تھیں، اور اس کی بھیڑوں کی چراگاہیں مشہور تھیں۔ یاقوت اُشْنُہ گیا تھا، اور اس نے یہاں کے عمدہ باغوں کا ذکر کیا ہے۔ مستوفی نے اس شہر کا نام اُشْنُوِیَہ کہا ہے، اور اسے ایک کوہستانی علاقے کا، جسے وہ دہِ کیاھان لکھتا ہے، ایک اوسط درجے کا شہر بتلایا ہے[ﻪ]۔

اُرْمِیَہ کا شہر جس کے نام پر جھیل کا نام ہوا، اس جھیل کے مغربی ساحل سے تھوڑے سے فاصلے پر واقع تھا۔ روایت یہ تھی کہ اُرْمِیَہ زردشت کا مولد تھا ابن حوقل کی تحریر کے مطابق یہ شہر چوتھی (دسویں) صدی میں وسعت کے لحاظ سے شہر مَرَاغَہ کے برابر تھا۔ یہ بہت خوشگوار مقام تھا، اس کے گرد تاکستان تھے، اس کے بازاروں میں مال تجارت کی بہتات تھی۔ ان ہی میں ایک بازار بزازوں کا تھا جس میں جامع مسجد واقع تھی۔ اُرْمِیَہ کی فصیل تھی اور اس کی (۱۶۶)
حفاظت کے لئے ایک قلعہ تھا، اور ایک ندی شہر میں سے گزرتی ہوئی جھیل میں جو

(عله حَرَامِیَة (یاقوت (مطبوعہ مصر) ج ۲۔ ص ۱۸۲) مترجم)۔

ﻪ اصطخری ص ۱۸۱؛ ابن حوقل ص ۲۳۸، ۲۳۹؛ مقدسی ص ۳۷۷؛ یاقوت ج ۱۔ ص ۲۸۳، ۶۲۶؛ ج ۳۔ ص ۷۴۸؛ قزوینی ج ۲۔ ص ۲۰۵، ۲۵۳؛ مستوفی ص ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۸۱، ۲۱۸۔

ایک فرسخ کے فاصلے پر تھی، گرتی تھی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں اُرمیہ بہت بڑا شہر بن گیا تھا، اُس کی فصیل کا دور (۱۰۰۰۰) قدم تھا، اور تقریباً بیس گاؤں اُس سے متعلق تھے۔ اُرمیہ کے شمال میں بڑی سڑک پر، اور جھیل اُرمیہ کے شمال مغربی گوشۂ ساحل سے ذرا ہٹا ہوا، سلماس کا شہر تھا۔ مقدسی نے اس کو خوبصورت شہر لکھا ہے، جس میں اچھے بازار اور ایک سنگ بستہ جامع مسجد تھی۔ چوتھی (دسویں) صدی میں یہاں کے باشندے کُردوں کی نسل سے تھے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ غازان خان کے وزیر، علی شاہ، نے اس شہر کی فصیل آٹھ ہزار قدم دور کی مغل بادشاہ غازان خاں کے عہد میں آٹھویں (چودھویں) صدی میں دوبارہ تعمیر کرائی، اور شہر نے پھر اپنی پہلی رونق حاصل کرلی۔ اس کی آب وہوا سرد تھی، اور ایک دریا جو مغرب کی طرف کے پہاڑوں سے نکلتا تھا۔ اس شہر میں سے گزر کر جھیل میں گرتا تھا۔

جھیل کے شمالی ساحل پر طَرُّوج یا طَسُّوج نام کا شہر تھا، جو غالباً وہی مقام ہے جسے آج کل تُرُسّہ کہتے ہیں۔ ہم لکھ آئے ہیں کہ مستوفی نے طَسُّوج کی کھاری جھیل کا اکثر ذکر کیا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ طَسُّوج نے بھی شہر اُرمیہ کی طرح اس جھیل کو اپنا نام دینے کی عزت حاصل کی ہے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں طَسُّوج ایک بڑا شہر رہا ہوگا۔ چونکہ جھیل سے قریب تھا، اس لئے اس کی آب وہوا، تبریز کے مقابلے میں، زیادہ گرم اور مرطوب تھی، اور شہر کے گرد باغات اور ثمرستان تھے۔ سلماس سے شمال مشرق کی طرف خَوِی (تلفظ: خُویَا) ایک ندی کے کنارے، جو شمال کی طرف بہتی ہوئی دریائے اَرَس (Arxes) میں گرتی تھی واقع تھا۔ یہ مقام، یاقوت اور قزوینی کی تحریر کے مطابق بڑا بارونق اور فصیل دار شہر تھا، اس کے گرد سیر حاصل زمینیں تھیں، زربفت یہاں کی بہت مشہور تھی۔ یہاں ایک چشمہ تھا، جس کے متعلق مشہور تھا، کہ اُس کا پانی سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ اس شہر کی فصیل کا دور (۶۵۰۰) قدم کا تھا۔ اور یہاں کے لوگوں کا رنگ گورا مثل ختا (چین) کے لوگوں کے تھا۔ اسی گاؤں اس شہر سے متعلق تھے۔

مَرَنْد کا شہر خَوِی کے مشرق میں ایک دریا کے کنارے، جو دریائے خَوِی میں داہنے جانب سے ملتا تھا، آباد تھا۔ مقدسی نے چوتھی (دسویں) صدی میں اس شہر کی نسبت لکھا ہے کہ اس میں ایک چھوٹا سا قلعہ اور مسجد تھی، اور شہر کے باہر کی آبادی میں، جو باغوں سے گھری ہوئی تھی، ایک بازار تھا۔ یاقوت لکھا ہے کہ اس شہر کو کردوں نے برباد کیا، اور شہر کو لوٹنے کے بعد یہاں کے بہت سے باشندوں کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ جس دریا پر مَرَنْد واقع تھا اُس کا نام زُوْلُوْ (یا ذَکُوِیْز) تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دریا چار (۱۶۷)
فرسخ تک نظر سے پوشیدہ زمین کے اندر بہتا ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں مَرَنْد جو وسعت پہلے رکھتا تھا اُس سے آدھا رہ گیا تھا، لیکن اب تک یہاں قِرمِز کے کیڑوں کی جن سے سُرخ رنگ تیار ہوتا ہے، پرورش کی جاتی تھی، اور اس شہر کا یہ کام مشہور تھا۔ شہر کے گرد ساٹھ قریئے اُس کے ملحقات سے تھے۔[1]

نَخچوان یا نَخْجُوان کا شہر دریائے اَرَس کے شمال میں عام طور سے آذربائیجان میں شمار ہوتا تھا۔ یہی وہ مقام ہے، جسے عرب جغرافیہ نویس نَشَوا لکھتے ہیں۔ اِس شہر کا نام اکثر سیاحت ناموں میں ملتا ہے، لیکن اس کے حالات بیان نہیں ہوئے۔ نَخچوان مغلوں کے عہد میں بہت بارونق ہو گیا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ وہ اینٹوں کا بنا ہوا شہر تھا۔ اس کے قریب مشرق کی سمت میں اَلَنْجِک کا قلعہ تھا، اور شمال میں برف سے ڈھکا ہوا اَمَاسَمت کوہ واقع تھا۔ نَخَچوان میں سلطان ملک شاہ سلجوقی کے مشہور وزیر نظام الملک کے بیٹے ضیاء الملک کا بنایا ہوا بڑا گنبد تھا، اور علی یزدی نے ضیاء الملک کے بنائے ہوئے اُس پل کا حال لکھا ہے جو نَخچوان سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلے اور مَرَنْد کی سڑک پر

---

[1] اصطخری ص ۱۸۱+ ابن حوقل ص ۲۳۹+ مقدسی ص ۳۷۷+ قزوینی ج ۱۔ ص ۱۸۰+ ج ۲۔ ص ۳۵۴+ یاقوت ج ۱۔ ص ۲۱۸+ ج ۲۔ ص ۵۰۲+ ج ۳۔ ص ۱۲۰+ ج ۴۔ ص ۵۰۳+ مستوفی ص ۱۵۶-۱۵۹، ۲۱۸+

کرکر کے قلعہ کے پاس دریائے اَرَس پر بنا ہوا ہے۔ اس پل کے شکستہ آثار اب بھی ملتے ہیں۔
جُلفا۔ جسے جولاھہ بھی لکھتے ہیں[1]، حَرّان سے دریائے ارس کے بہاؤ کی طرف کچھ آگے بڑھ کر واقع تھا۔ اس شہر کو شاہ عباس نے ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ء) میں برباد کر دیا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب کہ اس بادشاہ نے جُلفا کی تمام اَرمنی رعایا کو اس کے شہر سے نکال کر ایک نئی بستی میں آباد کرایا تھا، جو اُس نے اصفہان کے جنوب میں تعمیر کرائی تھی، اور قدیم شہر جُلفا کے نام پر اس بستی کا نام بھی جُلفا رکھا تھا۔ دریائے اَرَس کے کنارے پر جو شہر اور تھے ان میں مستوفی نے اُردُوباد کا ذکر کیا ہے، جو اب تک موجود ہے۔ یہ مقام اُس جگہ کے قریب واقع ہے، جہاں ایک دریا، جس کے کنارے پر دِزمار کا قلعہ تھا، جنوب سے آکر اَرَس میں ملتا تھا۔ دِزمار کا ذکر یاقوت نے بھی کیا ہے۔ دریائے اَرَس کے بہاؤ کی طرف اور آگے بڑھ کر مُردان نَعیم کے علاقے میں زنگیان کا شہر تھا یہاں ایک دوسرا پل دریائے اَرَس کو عبور کرنے کے لئے اب تک موجود ہے۔ فارسی میں اُس کو "پُلِ خُدا آفرین" کہتے ہیں مستوفی نے لکھا ہے کہ اس پل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ نے ۲۰ھ (۶۴۱ء) میں تعمیر کرایا تھا۔ مُردان (یا مُراد) نعیم کے علاقے میں انیس گاؤں شامل تھے[2] (۱۶۸)

اَردَبیل کا شہر اُس دریا کی بالائی رہگزر پر واقع تھا جس کا نام مستوفی نے دریائے اَندَراب لکھا ہے یعنی اَردَبیل کا یہ دریا، جس کے بہاؤ کی طرف آگے بڑھ کر اس میں اَہَر سے دریائے اَہَر آکر ملتا تھا، آخر کار "پُلِ خُدا آفرین" سے شمال مشرق میں کچھ دور پر دریائے اَرَس میں شامل ہو جاتا تھا۔ سبلان کا بڑا پہاڑ، جو اَردَبیل کے شہر پر گویا چھایا ہوا ہے، اُس کے مشرقی دامن سے دریائے اَردَبیل اور مغربی دامن سے دریائے

---

[1] یاقوت ج ۴ ص ۲۲۴، ۶۰۵؛ ۲، ۴۷۸ ۔ مستوفی ص ۱۶۶، ۱۹۵، ۲۰۲ ۔ [2] یزدی ج ۱ ص ۳۶۸، ۳۹۹ ۔ ج ۲ ص ۳۷۳۔

ابھر نکلا تھا۔ اور اسی پہاڑ کے جنوبی دامن سے دریائے سَوَاد، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، نکل کر مغرب کی طرف بہتا ہوا جھیل اُرمیہ میں گرتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے کوہ سَبَلاَن کا ذکر کیا ہے، اور غلطی سے اُس کو کوہ دماوند سے جو طہران کے شمال میں چند میل کے فاصلے پر ہے، زیادہ بلند لکھ دیا ہے۔ اس کوہ سَبَلاَن کے دامن درختوں سے ڈھکے ہوئے تھے، اور ان پر بہت سے دیہات اور شہر آباد تھے، جن کے نام مستوفی نے گنوائے ہیں۔ اُس نے لکھا ہے کہ یہ پہاڑ پچاس فرسخ کے فاصلے سے نظر آتا تھا، اور اس کی چوٹی ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی تھی۔ چوٹی کے قریب ایک چشمہ تھا، جس کی سطح آب ہمیشہ منجمد رہتی تھی کوہ سبلان کی چوٹی کے قریب دو چوٹیاں اور تھیں: ایک اُهَر کے شمال میں کوہ سَرَاهَنْد کی، اور دوسری سیاہ کوہ کی۔ یہ چوٹی کلنتر کے اوپر نظر آتی تھی، جو ایک چھوٹا سا شہر مع ایک قلعہ کے تھا، گھنے درختوں کے جنگل میں واقع تھا، اور ایک دریا تھا جو اس شہر کے مزروعہ زمینوں میں سے گزرتا تھا۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں اَرْدَبِیل صوبۂ آذربائیجان کا صدر مقام تھا۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس کے گرد فصیل تھی، اور شہر کا قطر دو تہائی فرسخ تھا۔ اس کے مکانات پختہ اینٹوں کے اور مٹی کے تھے، اور اس زمانے میں یہاں فوج کی ایک چھاؤنی (معسکر) بھی تھی۔ اس کے ملحقہ دیہات بہت سیر حاصل تھے، اور اَرْدَبِیل کا شہد مشہور تھا۔ مقدسی[۱] نے یہاں کے قلعے کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اَرْدَبِیل میں چار بازار ایسی سڑکوں پر تھے، جن کا تقاطع ایک چوراہے پر ہوتا تھا، اور عین چوراہے پر جامع مسجد تھی۔ شہر کے باہر ایک بارونق اور وسیع بستی (ربض) تھی۔ ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں اَرْدَبِیل کو مغلوں

---

[۱] اَرْدَبِیل کے باشندوں کے متعلق مقدسی (ص ۳۷۸) نے یہ دلچسپ رائے ظاہر کی ہے:-
انھم بخلاء ثقلاء قلیل العلماء، وبلد وحش منتن احسن کنف الله انیا اهل مکر و غفلة لا ینظرون فی العواقب، ولا یعدلون اهل الله اهب، لا مذکر فقیه، ولا رئیس وجیه، ومعدل ادیب، ولا حاذق طبیب۔ (مترجم)

سے لوٹا، اور اُسے ویران کرکے چلتے ہوئے۔ لیکن اس سے ذرا ہی قبل، جب یاقوت یہاں آیا ہے، تو شہر خوب معمور اور بارونق تھا۔ قدیم زمانے میں اَرْدَبیل اپنے فارسی نام بَاذَان فَیْرُوز سے مشہور تھا۔ جب آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے، اُس وقت اگرچہ اَرْدَبِیل آذربائجان کا صدر مقام نہ تھا، لیکن اُس نے مغلوں کی غارتگری کے بعد ہی اپنی پرانی رونق ایک حد تک پھر حاصل کرلی تھی۔ دسویں (سولھویں) صدی میں، جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، صفویوں کے نئے شاہی خاندان نے تبریز اور پھر اصفہان منتقل ہونے سے قبل اردبیل ہی کو چند روز کے لیے تمام ایران کا دارالسلطنت قرار دیا تھا۔

(۱۶۹) آھَر کا شہر، اَرْدَبِیل سے (۱۵۰) میل کے فاصلے پر دریائے آھَر کے کنارے آباد ہے۔ شروع کے عرب جغرافیہ نویسوں کی فہرست بلاد میں اس کا نام بھی آتا ہے۔ یاقوت نے اسے اچھا سا، مضبوط بنا ہوا شہر لکھا ہے۔ جس کے شمال میں کوہِ سَرَاھَنْد واقع تھا۔ اس کے گرد متعدد چھوٹے چھوٹے شہر پہاڑیوں کے ڈھلانوں پر آباد تھے۔ ان شہروں کے نام یاقوت اور مستوفی دونوں نے لکھے ہیں، لیکن اب اُن کی تطبیق اِن شناخت مشکل ہے۔ شہر آھَر کے گرد و نواح کا علاقہ پیشکین (موجودہ میشکین) کہلاتا تھا۔ یہ نام اُس حکمران خاندان کے نام پر تھا، جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہاں حکومت کرتا تھا۔ پیشکین کا شہر آھَر سے ایک منزل تھا، اور قدیم زمانے میں وَرَوِی کہلاتا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ دریائے آنْدَرَاب کو اس مقام سے ذرا پہلے جہاں اس دریا سے آھَر ملتا تھا، ایک عمدہ پل کے ذریعے عبور کیا جاتا تھا، جسے غازان خاں کے وزیر، علی شاہ، نے تعمیر کرایا تھا۔[۱]

آذربائیجان کے تمام جنوب مغربی حصہ کا پانی سَفِید رُود اور اس کے معاون دریاؤں میں آتا تھا۔ سَفِیْد رُوْد کا بڑا حصہ آذربائجان اور

---

[۱] اصطخری ص ۱۸۱؛ ابن حوقل ص ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۶۶؛ مقدسی ص ۳۷۴، ۳۷۷؛ یاقوت ج ۱ ص ۱۹۷، ۳۶۶، ۴۰۹، ۷۱۱؛ ج ۴ ص ۱۸؛ مستوفی ص ۵۶، ۷۱، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۱۶۔

جبال کے صوبوں میں حد فاصل تھا، اور یہ دریا صوبۂ گیلان میں سے گزر کر آخر بحیرۂ خزر میں گر جاتا تھا۔ اصطخری اور دوسرے عرب جغرافیہ نویس اسے سَپیدرُود لکھتے ہیں، مستوفی نے لکھا ہے کہ اُس زمانے میں مغل اسے قزل اُوزن (یا اُلُون مورین، جو زیادہ صحیح ہے) کہتے تھے، جس کے معنے مغلوں کی زبان میں "سرخ دریا" کے ہیں۔ آج کل سَفِید رُود کا ایک حصہ قزل اُوزن کہلاتا ہے؛ ترکی زبان میں اس کے معنے "سرخ دریا" کے ہیں۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ سَفِید رُود کوہستان کردستان کی ایک پہاڑی سے نکلا ہے، جسے فارسی میں پنج انگشت اور ترکی میں بیش پرمق کہتے ہیں؛ فارسی اور ترکی دونوں ناموں کے معنے پانچ انگلیوں کے ہیں۔ سَفِید رُود جو شمال کی طرف بہتا گیا ہے، اُس کے دائیں کنارے کی طرف دریائے زنجان شہر زنجان سے آکر اُس میں مل جاتا ہے (شہر زنجان کا حال ہم آئندہ باب میں بیان کرینگے)۔ اس کے بعد سَفِید رُود میں اس کے بائیں کنارے سے دریائے مِیانج اس میں ملتا ہے۔ اس وقت تک دریائے میانج میں بہت سی ندیاں مغرب کی سمت سے آکر شامل ہو چکی ہیں۔ شہر مِیانج کے شمال میں سَفِید رُود اپنا رُخ بدل کر مشرق کی سمت میں بہنے لگتا ہے، اور اس حالت میں سَنجید کا اور گَدِیو کے دو دریا پہلے سے مل کر سَفِید رُود کے بائیں کنارے سے اُس میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ دونوں دریا خلخال کے نواح سے، جو اَردَبِیل کے جنوب میں ہے، آتے ہیں۔ اِس کے بعد خلخال کے علاقہ شاہ رُود سے دریائے شال سَفِید رُود میں ملتا ہے۔ اور آگے بڑھ کر سَفِید رُود میں اُس کے داہنے کنارے سے دریائے طارُم صوبۂ جبال سے بہتا ہوا آکر مل جاتا ہے۔ (جبال کے حالات پندرھویں باب میں بیان ہونگے)۔ اس سے بھی آگے سَفِید رُود میں دریائے شاہ رُود حشیشین کے ملک سے آکر شامل ہوتا تھا (اس دریائے شاہ رُود کو، علاقۂ شاہ رُود سے جس کا ذکر ہم ابھی کر آئے ہیں خلط ملط نہ کرنا چاہیئے)۔ اور اب ان سب دریاؤں کو شامل کرتا ہوا پہاڑوں کے سلسلے سے اپنی راہ نکال کر کوتم کے مقام پر، جو صوبۂ گیلان میں ہے، سَفِید رُود آخر کار بحیرۂ خزر میں گر جاتا ہے۔ (۱۷۰)

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ دریائے میانج سفید رُود کے بائیں جانب والے معاونوں میں سب سے بڑا تھا۔ یہ مغرب کی طرف سے بہتا ہوا آیا تھا، اور اُوجان کے جنوب میں جو علاقہ تھا وہاں سے نکلا تھا (دیکھو صفحہ جاتیہ ۱۶۳)۔ اور جب دریائے میانج علاقہ گرمرود میں پہنچتا تھا تو وہاں اُس کے بائیں کنارے سے گرمرود (گرم دریا) اس میں مل جاتا تھا، اور گرمرود سراؤ کے جنوب کے کوہستان سے نکلتا تھا۔ شہر میانج کے جنوب میں ھشت رُود (آٹھ دریا) دریائے میانج سے مل جاتا تھا۔ ھشت رُود اُن پہاڑوں سے نکلتا تھا جو مراغہ سے جنوب میں واقع تھے۔ مستوفی کے زمانے میں جس مقام پر ھشت رُود اور دریائے میانج ملتے تھے وہاں ایک عظیم الشان سنگین پل بتیس محرابوں کا بنا ہوا تھا۔

میانج یا میانہ (درمیانی جگہ) کا شہر، جو ان تمام دریاؤں کے مقام اتصال پر واقع ہے، بہت قدیم زمانے سے ایک بڑا شہر چلا آتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے اِسے خوب آباد و معمور شہر لکھا ہے۔ اِس کے علاقہ میں، جو بعد کو گرمرود کہلانے لگا تھا، میوہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ مقدسی نے، جس نے اس شہر کا موجودہ نام میانہ لکھا ہے، تعریف کی ہے کہ یہاں تجارت کا مال بکثرت بھرا رہتا تھا۔ اور یاقوت نے جو چھٹی (بارھویں) میں یہاں آیا تھا، شہر کے عمدہ جار وقوع کی تعریف کی ہے۔ اس کے بعد ساتویں (سترھویں) صدی میں، جب مستوفی اپنی کتاب لکھ رہا تھا، تو یہ شہر تنزل کر کے محض ایک بڑا گاؤں رہ گیا تھا؛ لیکن اُس وقت بھی بڑی سڑکوں کا جو سلسلہ مغلوں نے قائم کیا تھا، اُس کی ایک بڑی منزل تھی۔ اس کی آب و ہوا گرم تھی، اور حشرات الارض کی کثرت تھی۔ (میانہ کے کھٹملوں سے اب بھی مسافر پناہ مانگتے ہیں)۔ علاقہ گرمرود میں کم و بیش تھوڑے دیہات تھے، اور غلہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔

تین دریا، سفید رود، کُرنو (مصنف جہاں نما نے اسے کُذَبُو لکھا ہے)، اور شال سمت شمال سے بہتے ہوئے آ کر سفید رود میں ملتے تھے۔ یہ سب علاقہ خلخال سے آتے تھے۔ اس علاقے کے صدر مقام کا نام بھی خلخال تھا۔ سفرنامہ

میں اس کا موقع اُرْدَبِیل سے بارہ فرسخ جنوب میں بیان ہوا ہے۔ فِیرُوزآباد جو
درّے کی چوٹی پر واقع تھا، یہاں پہاڑوں کی برف پوش چوٹیوں کے بیچ میں (۱۷۱)
ایک چشمہ ابلتے ہوئے گرم پانی کا تھا مستوفی لکھتا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں
حاکم علاقہ رہا کرتا تھا لیکن یہ شہر ویران ہوا، تو شہر خلخال نے اُس کی جگہ لی۔
فِیرُوزآباد کی اصل جائے وقوع کا تعین اب ناممکن ہے۔ کَلْوُرا اور شال کے چھوٹے
شہر، جو اب بھی نقشے پر ملتے ہیں، علاقہ شاہ رُود میں شمار ہوتے تھے، اور
دریائے شال پر واقع تھے۔ دریائے شال کی پہاڑیوں سے نکلتا تھا۔ دریائے شال
کو آج کل شاہ رُود خورد کہتے ہیں۔ مستوفی نے خلخال کے اور بہت سے
مقامات کے نام بھی لکھے ہیں۔ لیکن اب اِن کی شناخت ممکن نہیں [1]
آذربائیجان کی چند پیداوار کا ذکر آئندہ باب کے آخر میں ہوگا، اور اس
صوبے کی بڑی سڑکوں کا مختصر حال پندرھویں باب میں صوبۂ جبال کا حال لکھنے
کے بعد درج کیا جائیگا، کیونکہ یہ تمام سڑکیں خراسان کی بڑی سڑک کے مختلف
مقامات سے شروع ہوتی ہیں، اور یہ بڑی سڑک صوبۂ جبال میں سے گذرتی ہے۔

---

[1] اصطخری ص ۱۸۹ + ابن حوقل ص ۲۴۶، ۲۵۳ + مقدسی ۳۷۸ + یاقوت ج ۱۔ ص ۳۲۹ +
ج ۴۔ ص ۱۰۷ + مستوفی ص ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۹۰، ۲۰۱، ۲۱۸ + جہاں نما ص
۳۸۴، ۳۸۸ +

(۱۷۲)

باب دوازدہم

گیلان اور شمال مغربی صوبے

گیلان۔ دیلم اور طالش کے علاقے۔ برزوان، دولاب اور خشم۔ لاہیجان، رشت، اور گیلان کے دوسرے شہر۔ علاقۂ موغان۔ بجروان اور برزند۔ محمود آباد۔ ورثان۔ صوبہ الران بردعہ۔ بیلقان۔ گنجہ اور شمکور۔ دریائے کر اور دریائے ارس۔ صوبۂ شروان۔ شماخی۔ باکویہ اور باب الابواب۔ صوبۂ گرجستان یا جارجیا۔ تفلیس اور قرص۔ صوبۂ آرمینیا۔ دبیل یا دوین۔ جبیل وان۔ اخلاط، ارجیش، وان تبدلیس۔ شمالی صوبوں کی پیداوار۔

سفید رود، جیساکہ گزشتہ باب میں بیان ہوچکا ہے، کوہستان البرز کے سلسلہ میں سے بڑی پیچ وخم کا راستہ طے کرکے بحیرۂ خزر کے جنوبی ساحل کے مغربی سرے پر اس بحیرہ میں گرتا ہے، اور یہاں ایک ڈلٹا مع کسی قدر عریض دلدلی زمین کے، جس کی پشت پر کوہ البرز کا سلسلہ نظر آتا ہے، پیدا کردیتا ہے۔ سفید رود کے اس ڈلٹا، اور ان پہاڑیوں سے، جو نصف دائرے کی شکل رکھتی ہیں، جن پر درختوں کے بن کھڑے ہیں، اور جو ڈلٹا کو اطراف جنوب ومغرب میں حلقہ کئے ہیں، مراد گیلان کا مختصر سا صوبہ تھا، جسے عرب جیل یا جیلان کہتے تھے[۱]۔

عرب جغرافیہ نویسوں نے ڈلٹا کی صرف زرعی زمینوں کو خصوصیت کے ساتھ جیل یا جیلان لکھا ہے، اور جب وہ تمام صوبے کا ذکر کرتے ہیں تو اکثر اس نام کو بصیغہ جمع جیلانات لکھتے ہیں، اور اس صورت میں سمجھنا چاہئے کہ کوہستانی علاقے بھی اس نام میں شامل ہوجاتے تھے۔ جنوب اور مغرب میں وہ سلسلہ کوہ جو صوبہ جبال میں طالقان اور طارم کے علاقوں کی سرحد پر واقع ہے

[۱] گیلان کے نقشے کے لئے دیکھو:۔ نقشہ ملحقہ باب ۱۳۔

دَیلَم کا ملک کہلاتا تھا؛ یہ نام بھی عموماً بصیغۂ جمع، دَیلَمان لکھا جاتا تھا۔ یہ ملک تاریخ میں
اس وجہ سے مشہور ہوا کہ وہ بنی بُوَیہ یا دیلمیوں کا اصلی وطن تھا، جن کے سردار چوتھی (۱۷۳)
(دسویں) صدی میں بغداد، اور بڑی حد تک خلافت کے مالک و مختار بن گئے تھے۔
ساحل سے ملا ہوا زمین کا تنگ ٹکڑا اور پہاڑ کا دامن، جو بحیرۂ خزر کے جنوب مغربی
ساحل سے شروع ہو کر شمال کی طرف گیا تھا، اور جس کے مشرق میں سمندر تک طالِش
کا علاقہ ہے، جسے یاقوت نے، بصیغۂ جمع طالِشان یا طیلِشان لکھا ہے۔ اس
کے مشرق میں طَبَرِستان کی سرحد پر الرُّوْیَنج کا سلسلۂ کوہ تھا، جس کے پار وہ
کوہستانی علاقہ تھا، جس کا مالک قارِن کا شاہی خاندان تھا۔ اس خاندان کے
اکابر از یا درفتہ زمانے سے ان کوہستانوں میں حکومت کرتے چلے آتے تھے۔ ان
کا تفصیلی حال چھبیسویں باب میں آئیگا۔

چوتھی (دسویں) صدی میں جب مقدسی نے اپنی کتاب لکھی ہے، اور اُس
زمانے میں بنی بُوَیہ اپنے انتہائی عروج کو پہنچے ہوئے تھے، تو اُس وقت تمام گیلان،
مع اُن پہاڑی علاقوں کے جو مشرق میں بحیرۂ خزر کے ساحل سے ملحق چلے گئے تھے،
یعنی طَبَرِستان، جُرجان اور قُومِس، یہ سب صوبۂ دَیلَم میں شمار ہوتے تھے۔
لیکن بعد کے زمانے میں یہ مشرقی صوبے الگ الگ سمجھے جانے لگے۔ اس کے بعد
دَیلَم کا نام ہی عموماً غیر مستعمل ہو گیا۔ اور سفید رُود کے ڈیلٹا کی نشیبی زمینوں نے
اپنا نام کل متصل علاقہ کو دے دیا، یعنی وہ صوبہ جیلان کہلانے لگا۔ لیکن صحیح یہ
ہے کہ جیلان ساحلی علاقہ تھا، اور دَیلَم بلند پہاڑی علاقہ تھا، جو جیلان پر چھایا
ہوا تھا۔ تاریخ کے مختلف دوروں میں کبھی دَیلَم اور کبھی جیلان، ان دونوں
ناموں کا اطلاق اُس تمام صوبے پر ہوا کرتا تھا جو بحیرۂ خزر کے جنوب مغربی
ساحل کے گرد واقع تھا۔[۱]

---

[۱] اصطخری ص ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶ + ابن حوقل ص ۲۶۷، ۲۶۸ + مقدسی ص ۳۵۳ + یاقوت ج ۱۔ ص ۱۷۴، ۸۱ + ج ۲۔ ص ۱۷۹، ۱۱۰ + ج ۳۔ ص ۵۷۱ + مستوفی ص ۱۴۷، ۱۹۱ + ابو الفداء ص ۴۲۶ + طالِش کا املا اور طیلِش دونوں سے ہے۔ اس کی جمع طالِشان یا طیلِشان، اور مستوفی کی تحریر کے مطابق طوالِش تحریر ہوئی ہے۔

دَیلَم کا صدر مقام شہر رُذبَار بیان کیا گیا ہے، لیکن اب معلوم نہیں کہ یہ شہر کہاں تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ صوبے کا مستقر حکومت بَرَوان تھا، مگر اب وہ بھی موجود نہیں، اور کسی سیاحت نامہ سے دریافت نہیں ہوتا کہ وہ ٹھیک کس جگہ واقع تھا۔ بَرَوان کے متعلق مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ نہ وہاں اچھے مکانات تھے، نہ عمدہ بازار اور نہ کوئی جامع مسجد تھی۔ حاکم صوبہ کے رہنے کا مقام شہرستان کہلاتا تھا، اور یہاں کے سوداگر مالدار تھے۔ اسی وجہ سے یہ شہر ترقی پر تھا۔ جیلان کا صدر مقام مقدسی نے دُولاب بتلایا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ عمدہ شہر تھا، اس کے مکانات پتھر کے مضبوط بنے ہوئے تھے، بازار بھی اچھا تھا، اور بازار میں ایک جامع مسجد تھی۔
(۱۷۴) ابوالفدار کی تحریر کے مطابق دُولاب وہی ہے جسے کَسکَر کہتے تھے۔ اس ملک کا صرف ایک سفرنامہ ہے جو ہم تک پہنچا ہے، اور اس میں مقدسی نے دُولاب کو بَیلمَان سے چار منزل کی مسافت پر بتایا ہے۔ ابوالفدار نے بَیلمان کو ایک خرمن گاہ یا چھوٹا سا گاؤں لکھا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا شمار طالِش کے بڑے مقامات میں تھا۔ سَفِید رُود سے دو اور بَیلمان چار منزل کے فاصلے پر خَشَم کا شہر تھا جہاں بنی علی کا ایک رئیس (دَاعی) رہتا تھا۔ اس رئیس نے تیسری (نویں) صدی میں ان صوبوں پر عباسی خلفا، کی اطاعت کے بغیر خود مختارانہ حکومت کی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ خشم میں ایک عمدہ بازار، اور داعی کے محل کے قریب ایک جامع مسجد تھی۔ ایک دریا شہر میں سے گزرتا تھا، اور اس کو عبور کرنے کے لئے کشتیوں کا ایک عجیب وغریب پل تھا۔ ان پرانے شہروں کا پتہ لگانا اور ان کی جاء وقوع کا صحت کے ساتھ تعین کرنا نہائت مشکل ہے[1]۔

آٹھویں (چودھویں) صدی میں گیلان کے بڑے بڑے شہر مستوفی کی تحریر کے مطابق لاھیجان، اور فُومَن تھے۔ ابوالفدار نے بھی فُومن کا ذکر کیا ہے۔

---

[1] اصطخری ص ۲۰۴، ۲۰۵ + مقدسی ص ۳۵۵، ۳۶۰، ۳۷۱، ۳۷۲ + ابوالفدار ص ۴۲۹ (غلطی سے یہاں بَیلمان کو بیہان لکھ دیا گیا ہے) یاقوت ج ۲ ص ۲۱۸ + بنی علی (حسینی) کے خاندان داعی کے متعلق دیکھو:۔ Das Sudliche Ufer des Caspischen Meeres مصنفہ جی میلگوناف (G. Melgunof) ص ۲۵۳

یہ شہر سفید رُود کے دہانے کے مشرق میں واقع تھا، اور اُس زمانے میں خاصا بڑا شہر تھا۔ یہاں ریشم بکثرت تیار ہوتا تھا۔ اس کے علاقے میں چاول، اور غلّہ، اور ایک کسی قدر ترش ناشپاتی، نارنگیاں، اور گرم ملکوں کے اور پھل پیدا ہوتے تھے۔ سفید رُود کے دہانے کے قریب کوتم یا کوتُم اُن جہازوں کا لنگر گاہ تھا جو بحیرۂ خزر کے دوسرے حصوں سے آتے تھے۔ یاقوت اور ابوالفداء دونوں نے اس کا ذکر کیا ہے؛ آٹھویں (چودھویں) صدی میں یہ بڑا تجارتی مقام تھا، اور بحیرۂ خزر کے اصلی ساحل سے صرف ایک دن کی مسافت پر تھا۔ فُومن اور فُومَن کا علاقہ کچھ دور ملک کے اندر جا کر سفید رُود کے مغرب میں واقع ہے۔ اِسے دَیلم کے کوہستانی علاقے کا صدر مقام سمجھا جاتا ہے۔ مستوفی نے اِسے بڑا شہر لکھا ہے، جو سیر حاصل زمین پر واقع ہے، جہاں چاول اور غلّہ کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ ریشم بھی یہاں تیار کیا جاتا تھا، اور اُس کے کپڑے بُنے جاتے تھے۔

شروع کے زمانے میں مستوفی تنہا ایسا مصنف ہے جس نے رَشت کا حال لکھا ہے، جو آج کل گیلان کا صدر مقام ہے۔ اور کسی عرب جغرافیہ نویس نے اس کا نام تک نہیں لیا۔ مستوفی نے یہاں کی گرم اور مرطوب آب و ہوا کا ذکر کیا ہے۔ دساور بھیجنے کے لئے روئی اور ریشم بکثرت پیدا کیا جاتا تھا۔ مستوفی کے زمانے میں یہ شہر کسی قدر بڑا اور مشہور ہو چکا تھا۔ رَشت کے مغرب میں آج کل تُولِم کا علاقہ واقع ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ تُولِم آٹھویں (چودھویں) صدی میں بڑا اور مشہور شہر تھا، ابوالفداء نے لکھا ہے کہ تُولِم جیلان، یعنی نشیبی علاقے کا صدر مقام تھا، (۱۷۵) اِس کے اضلاع بہت زرخیز تھے، اور اُن میں روئی، غلّہ، چاول، نارنگیاں، ایک قسم کی ناشپاتی کا ترش پھل، اور لیموں پیدا ہوتے تھے، اور دساور کئے جاتے تھے۔ شَفت یا شَفتہ ایک شہر کا نام ہے۔ مستوفی نے اس کا حال بھی اُن ہی الفاظ میں بیان کیا ہے جو تُولِم کے متعلق اوپر لکھے گئے ہیں۔ آج کل صرف شَفت کا علاقہ، جو رَشت کے جنوب میں واقع ہے، باقی رہ گیا ہے۔ آخر میں مستوفی نے گیلان میں اِصفَهبَاذ کا ذکر کیا ہے۔ یاقوت نے اس کا املا اِسفَهبُذان کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ بحیرۂ خزر سے دو میل کے فاصلے پر تھا، لیکن اس کے

سوا اور کچھ نہیں لکھا جس سے اُس کے موقع کا تعین صحت کے ساتھ ہو سکے۔ غلّہ، چاول اور کچھ میوہ یہاں بھی پیدا ہوتا تھا، اور گرد و نواح کے علاقے میں سو کے قریب گاؤں تھے۔ اس شہر کا نام اِسْفَہْبَد یا اِسْپَہْبَد کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہ خاندان ساسانیوں کے تحت میں اِس ملک پر نیم خود مختارانہ حکومت کرتا تھا، اور مسلمان ہونے کے بعد اس خاندان کے رئیس ابتدائی خلفاء کے زمانے میں طَبَرِسْتان پر بادشاہوں کی طرح حکومت کرتے رہے[1]۔

مُوغَان

مُوغَان[2] یا مُغکان یا مُوقَان اُس دلدلی قطعۂ ارض کو کہتے تھے جو کوہ سَبلان کے قاعدے سے لے کر بحیرۂ خزر کے شرق رویہ ساحل تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ علاقہ دریائے اَرَس کے دہانے کے جنوب اور طالِش کے کوہستانی کے شمال میں تھا۔ بعض مرتبہ یہ آذربائجان کا ایک حصہ سمجھا گیا ہے، لیکن عام طور سے وہ ایک الگ علاقہ شمار ہوا ہے۔

چوتھی (دسویں) میں مُوغَان کا صدر مقام اِسی نام کا ایک شہر تھا، لیکن اس کی جاء وقوع کا تعین مشکل ہے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ مُوقَان کا شہر دو دریاؤں پر واقع تھا، اُس کے گرد باغات تھے، اور وسعت میں وہ تَبْریز کے برابر تھا۔ مقدسی نے اِس شہر کے جو حالات لکھے ہیں ان سے یہ امر ناممکن نہیں معلوم ہوتا کہ مُوقَان وہی شہر ہو، جسے بَجَرْوَان کہتے ہیں، اور جس کو مستوفی نے اس علاقے کا پرانا دارالحکومت لکھا ہے، اور جو مستوفی کے زمانے میں ہی برباد ہو چکا تھا۔ مستوفی نے اپنی کتاب میں بَجَرْوَان کی جاء وقوع بَرْزَنْد کے شمال میں چار فرسخ کے فاصلے

---

[1] یاقوت ج ۱-ص ۲۹۸ + ج ۴-ص ۶۱۰-۳ + ابوالفدار ص ۴۲۶، ۴۲۹ + مستوفی ص ۱۹۱، ۱۹۲ + جہاں نما ص ۳۴۲، ۳۴۴ +

[2] مُوغان اور دوسرے شمال مغربی صوبوں کے نقشے کے لئے دیکھو نقشہ ۳۔

پر بتلائی ہے، اور وبزرفند کا نام اب بھی نقشوں پر ملتا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی روایات کے مطابق بجروان کا تعلق چشمۂ آب حیوان سے بھی تھا۔ اس چشمہ کے متعلق بیان ہوا ہے کہ حضرت خضر نے اسے دریافت کیا تھا۔ اوپر آچکا ہے کہ بجروان کے جنوب میں ورزند واقع تھا، جسے ابن حوقل نے بڑا شہر لکھا ہے؛ (۱۸۶)
اور مقدسی نے یہاں کے بازوں کی تعریف کی ہے۔ ان بازاروں میں تمام قرب وجوار کی پیداوار درساور کرنے کے جمع کی جاتی تھی، کیونکہ یہ شہر اس علاقے کی تجارت کا مرکز تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس کے زمانے میں بجروان اور ورزند دونوں کم ہو کر چھوٹے چھوٹے گاؤں رہ گئے تھے۔ گردونواح کے علاقوں کی آب وہوا گرم تھی، اور غلہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔[1]

موقان کی ہموار سرزمین کے تین شہروں، یعنی پیلسواد، محمود آباد، اور ہمشہرہ کا تذکرہ مقدسی نے کیا ہے۔ پیلسواد کے نام کی وجہ یہ بیان ہوئی ہے کہ بنی بویہ نے یہاں ایک امیر کو حکومت کرنے بھیجا تھا جس کا نام پیلسواد (یعنی بڑا شہسوار یا جوان مرد سپاہی) تھا۔ محمود آباد، جو بحیرۂ خزر کے قریب گاؤباری کی ہموار سرزمین پر پیلسواد سے بارہ فرسخ تھا، اس کی نسبت مستوفی لکھتا ہے کہ مغل بادشاہ غازان خاں نے اسے تعمیر کرایا تھا۔ قریب کا شہر ہمشہرہ سمندر کے ساحل سے دو فرسخ تھا۔ پہلے اس کا نام ابرشہر یا بوشہر تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ اسے فرہاد پسر گودرز نے آباد کرایا تھا۔ اس فرہاد پسر گودرز کو بنو خدنذر سے مطابق بتایا گیا ہے۔ بجروان کے شمال میں، کسی زمانے میں بلخاب تھا، جسے ایک آباد قصبہ مع رباط اور کاروان سراؤں کے بیان کیا گیا ہے۔ شمال کی بڑی سڑک پر اس منزل سے آگے دریائے آرس کے جنوبی کنارے پر ورثان کا شہر آران کے علاقے میں داخل ہوتے ہی آتا تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ورثان کے گرد فصیل تھی، اس کے بازار تجارت کے مال سے بھرے رہتے تھے،

---

[1] ابن حوقل ص ۲۴۲؛ مقدسی ص ۳۷۶، ۳۷۸؛ یاقوت ج ۱ ص ۵۴۲؛ ج ۴ ص ۹۸۶؛ مستوفی ص ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۸۰؛ جہان نما ص ۳۹۲۔

اور اس کے دروازوں کے باہر ایک بستی تھی۔ یہ شہر ایک ہموار قطعۂ زمین پر دریا کے کنارے سے دو فرسخ کے فاصلے پر بڑا معمور مقام تھا۔ اِس کی جامع مسجد شہر سے باہر کی آبادی میں تھی۔ وَرثان کے متعلق روائت تھی کہ خلیفہ ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے اِسے بسایا تھا۔[۱]

اَرّان

اَرّان، شِروان، گرُجستان، اور ارمینیہ کے صوبے، جو بیشتر دریائے اَرَس کے شمال میں واقع ہیں اسلامی سلطنت میں چندے شمار نہیں ہوتے تھے؛ اور اسی لئے عرب جغرافیہ نویسوں نے اِن کا حال مجمل طور سے بیان کیا ہے۔ (۱۷۷)
مسلمان یہاں قدیم زمانے سے ہی آباد تھے۔ خلفاء نے یہاں مختلف زمانوں میں اپنی طرف سے حاکم مقرر کئے تھے؛ لیکن زمانۂ وسطےٰ کے خاتمہ کے قریب تک ان علاقوں کی آبادی زیادہ تر عیسائیوں کی رہی۔ پس جب مغلوں کی یورش کے بعد سلطنت کی نئی تقسیم ہوئی یا یہ سمجھنا چاہئے کہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں تیمور گرجستان میں اپنی لڑائی لڑ چکا، اور یہاں کی زمینوں پر ترکوں نے مستقل سکونت اختیار کرلی، تو اسلام یہاں کا سب سے زیادہ مروج مذہب ہو گیا۔

صوبہ اَرّان اُس مثلث قطعۂ ارض میں شامل ہے جو دریائے کیروس (Cyrus) (عربی: کُرّ) اور دریائے اَرَس (Araxes) کے مقام اتصال کے مغرب میں واقع ہے۔ اس طرح اَرّان کا صوبہ، جیسا کہ مستوفی نے لکھا ہے بَینَ النّہرَین یعنی دو دریاؤں کے بیچ میں ہے۔ عرب جغرافیہ نویس اَرّان کو عربی شکل وصورت دینے کے لئے الرّان لکھتے ہیں۔ چوتھی (دسویں) میں

---

[۱] ابن حوقل ص ۲۵۱+ مقدسی ص ۳۷۶+ یاقوت ج ۴۔ ص ۹۱۹+ مستوفی ص ۱۶۰، ۱۹۰+ جہان نما ص ۳۹۳+

اَنْدَرَاب کا صدر مقام بَرْذَاعَہ تھا، جس کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ بَرْذَاعَہ، جس کو بعد میں بَرْدَاع کہنے لگے، ابن حوقل اس کی نسبت چوتھی (دسویں) صدی میں لکھتا ہے کہ اس شہر کا قطر ایک فرسخ تھا، اور وہ اس علاقے کا سب سے بڑا شہر تھا۔ شہر مربع کی شکل میں تعمیر کیا گیا تھا، اس کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تھا، اور شہر دریائے کُر سے تین فرسخ کے فاصلے پر اس کے معاون دریائے ثَرْثُوْر کے کنارے آباد تھا۔ شہر کے قریب، دریائے کُر میں ایک قسم کی مچھلی، جسے سُرماہی (فارسی میں شور ماہی (کھاری مچھلی) کہتے تھے) پکڑی جاتی تھی۔ جسے نمک لگا کر تیار کرنے کے بعد قرب وجوار کے شہروں میں بطور رسا ور بھیجا جاتا تھا۔ یہ مچھلی دریائے اَرَس میں بھی وَرْثَان کے قریب ملتی تھی۔ بَرْذَاعَہ کے گرد کا سیر حاصل علاقہ اَنْدَرَاب کہلاتا تھا۔ اس علاقے میں ایک دن کی مسافت تک ہر سمت میں گاؤں، اور ان کے مسلسل باغات وثمرستان چلے گئے تھے، اور ان میں میوے، خصوصاً شاہ بلوط، بندق اور انجیر بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ ان علاقوں میں ریشم کے کیڑے کی بھی پرورش کی جاتی تھی۔

بَرْذَاعَہ سے باہر باب الاکراد (کُردوں کے دروازہ) پر ہر اتوار کو ایک بازار لگتا تھا، اور یہ بازار طول میں ایک فرسخ تک ہوتا تھا۔ یہاں کے لوگ اس بازار کو اَلکُرکی کہتے تھے۔ یہ لفظ یونانی زبان کے لفظ کوریاکوس (Kuriakos) سے نکلا تھا، جس کے معنے خداوند کے دن کے ہیں۔ اور بیان ہوا ہے کہ اتوار کے دن کو عام طور پر کُرکی کا دن کہتے تھے۔ بَرْذَاعَہ میں ایک نہایت عمدہ جامع مسجد بھی تھی، اس کی چھت چوبی ستونوں پر قائم تھی، اور اس کی دیواریں پختہ اینٹوں کی تھیں، جن پر چونے کی استر کاری تھی۔ یہاں متعدد حمام بھی تھے۔ بنی امیہ کے عہد میں صوبے کا خزانہ بَرْذَاعَہ میں ہی رہتا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں، جب (۱۷۸) یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے، تو بَرْذَاعَہ ویران ہو چکا تھا۔ لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے دریائے ثَرْثُور کے کنارے اس وقت تک

(۱؎ ابن حوقل (ص ۲۴۲) اور مقدسی (ص ۳۸۰) نے اسے بَرْذَعَہ لکھا ہے۔ مترجم)

اُسے بڑا شہر لکھا ہے۔ دریائے کُرُ اور دریائے تَرتُود کے اتصال سے غالباً جنوب میں وہ مقام تھا جہاں جرذاعہ سے صوبۂ شروان میں شماخی کو براہِ راست جانے والی سڑک دریائے کُر کو عبور کرتی تھی۔ اس معبر اور دریا پر برذاعہ سے اٹھارہ فرسخ کے فاصلے پر، اگر اسے ایک دن کا سفر سمجھا جائے، برزنج کا شہر تھا، جہاں تاجروں کی آمدورفت بہت تھی اور تجارت کا مال درآمد برآمد کرنے کے لئے جمع رہتا تھا۔

بَیلقان کا شہر، جسے آرمنی میں فیدیگران (Phaidagaran) کہتے ہیں، برذاعہ کے بوسیدہ اور ویران ہونے کے بعد آرّان کا صدر مقام بنا۔ اگرچہ اس شہر کے نشانات اب بالکل مٹ گئے ہیں لیکن عرب جغرافیہ نویسوں نے اس کا موقع بہت صاف بیان کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ بیلقان برذاعہ سے چودہ فرسخ جنوب میں دریائے آرس سے سات یا نو فرسخ شمال میں اس سڑک پر جو مرزند سے آئی تھی واقع تھا۔ نویں (پندرھویں) صدی تک یہ شہر ایک بڑا مقام رہا۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں اسے ایک خوبصورت شہر لکھا ہے، جہاں بہت سی نہریں تھیں، جن پر پن چکیاں چلتی تھیں، اور ہر طرف باغات و قبرستان تھے۔ یہاں ایک خاص قسم کا شربت بنایا جاتا تھا، جس سے اس شہر کی شہرت تھی۔ سنہ ۶۱۸ھ (سنہ ۱۲۲۱ء) میں بیلقان پر مغلوں نے حملہ کیا۔ ادھر اُدھر میدان میں منجنیقوں سے چھوڑنے کے لئے پتھر نہ ملے تو سال کے درختوں کو گرا کر اور ان کے تنوں کے ٹکڑے کرکے، پتھروں کی جگہ ان کو منجنیق میں لگا کر شہر کی دیواروں اور مکانوں پر مارا، اور اس طرح شہر کو فتح کرکے خوب لوٹا اور جلا دیا۔ بہرکیف شہر کے لٹنے اور جلائے جانے کے بعد یہاں کے باشندے پھر شہر میں چلے آئے اپنے مکانات دوبارہ تعمیر کیے اور شہر کو پھر اپنی پہلی سی رونق حاصل ہوگئی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کے اختتام پر تیمور نے بیلقان کا محاصرہ

ل اصطخری ص ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۷، ۱۸۸؛ ابن حوقل ص ۲۴۰، ۲۴۲؛ ۲۴۴، ۲۵۰؛ مقدسی ص ۳۷۴، ۳۷۵؛ یاقوت ج ۱ ص ۵۵۸، ۷۹۶؛ مستوفی ص ۱۶۰؛ قزوینی ج ۲ ص ۳۴۳۔

کر کے اُس کو فتح کر لیا۔ بعد کو تیمور نے اس شہر کو دوبارہ تعمیر کرایا، اور دریائے آرس سے پانچ فرسخ لمبی اور پندرہ ذرع چوڑی ایک نہر کھدوائی، جس کی وجہ سے اس نئے شہر میں پانی بخوبی مہیا ہو گیا۔ یہ نہر قبیلۂ بَرَلاس کے نام پر جس سے تیمور تعلق رکھتا تھا بَرَلاسی کہلاتی تھی۔

اَرّان کے دو اور شہروں کا ذکر بھی آیا ہے، اور یہ دونوں بَرذَعَہ کے شمال مغرب میں اُس سڑک پر واقع تھے جو تفلیس کو جاتی تھی۔ ان میں ایک شہر گَنجَہ ہے (جو آج کل الیزبیٹ پول (: Elizabetpole) کے نام سے زیادہ معروف ہے)۔ عرب اِسے جَنزَہ لکھتے ہیں، اور قزوینی نے اس کے دریا کا نام قرداقاس لکھا ہے۔ اس سے آگے اِسی شمال مغربی سمت میں شَمکُور تھا، (۱۷۹)
جس کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ تیسری (نویں) صدی میں یہ شہر مُتَوکِّلیہ کہلاتا تھا، کیونکہ خلیفہ متوکل علی اللہ کے حکم سے اِسے سنہ ۲۴۰ھ (سنہ ۸۵۴ء) میں دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا۔[1]

دو دریا جن سے اَرّان کی سرحد قائم ہوتی تھی، اور جن کو یونانی اَرَکسیس (The Araxes) اور کیروس (The Cyrus) کہتے تھے، عربوں میں ان کا نام نَہرُ الرَّس (یا اَرَس) اور نہرُ الکُر (یا کُر) ہے۔ دریائے اَرَس مغربی اَرمینیہ کے علاقہ قالیقلا سے نکلتا تھا، اور آذربائیجان کی شمالی سرحد سے ملا ہوا گزر کر دریائے کُر میں گر جاتا تھا۔ اس مقام اتصال کے متعلق مستوفی نے لکھا ہے کہ وہ اَرّان کے مشرقی حصہ میں قراباغ کے علاقے میں تھا، دریائے کُر گرجستان میں تفلیس کے مغربی پہاڑوں سے نکلا ہے، یعنی خَزَرون کے ملک سے، جس میں اَبخاس اور اَلّان کے علاقے شامل ہیں۔ تفلیس سے گزر کر دریائے کُر شہر شَمکُور تک جاتا ہے، اور مستوفی لکھتا ہے کہ

---

[1] روس کے فوجی نقشے میں بَیلقان کا پتہ نہیں لگتا۔ ابن خرداذبہ ص ۱۲۲ + قدامہ ص ۲۱۳ + اصطخری ص ۱۸۷، ۱۸۹ + ابن حوقل ص ۲۴۴، ۲۵۱ + مقدسی ص ۳۷۶ + یاقوت ج ۱ ص ۷۹۶ + ج ۳ ص ۳۲۲ + قزوینی ج ۲ ص ۳۴۵، ۴۰۳ + حافظ یزدی ج ۲ ص ۳۴۳، ۴۵۵ + مستوفی ص ۱۶۰ +

یہاں سے ایک شاخ یا نہر نکلتی ہے، جو شمکور کے بڑے مرداب یا جھیل میں
ضم ہوجاتی ہے۔ کر برذعہ سے کچھ فاصلے پر جنوب میں آرس سے ملنے کے
بعد کُشتاسفی کے علاقہ میں بحیرۂ خزر میں گرجاتا ہے[1]

شِروان

دریائے کُر کے پار کی سرزمین اور بحیرۂ خزر کے ساتھ ساتھ وہاں تک
جہاں کوہ کاکیشس کا سلسلہ اس بحیرہ تک آجاتا ہے، صوبہ شِروان ہے،
جس کا صدر مقام شماخیہ ہے، جسے آج کل شماخی یا شماخا کہتے ہیں۔
چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے شماخیہ کو پتھر کا بنا ہوا شہر لکھا ہے، جو پہاڑ
کے نیچے واقع اور باغوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس کا والی، جو صوبہ کا حاکم بھی تھا،
شِروان شاہ کہلاتا تھا۔ یہاں غلہ بکثرت ہوتا تھا۔ مستوفی نے ایک اسلامی
روایت نقل کی ہے کہ اس شہر کے قرب وجوار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا
صخرہ (چٹان) (قرآن مجید۔ سورۂ کہف ع ۶۲) اور آب حیوان کا چشمہ تھا۔ یہ پہلے
آچکا ہے کہ بجروان میں بھی اس چشمے کا ہونا بیان کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ
شروان کے دو اور شہروں کا تذکرہ مقدسی اور دوسرے ابتدائی مصنفوں نے کیا
ہے۔ ان میں ایک شابران تھا، جس میں زیادہ تر عیسائی آباد تھے، اور جس (۱۸۰)
کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ دربند سے (۲۰) فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ اور دوسرا
شِروان، جو میدان میں واقع تھا، اور اس کے بازار میں جامع مسجد تھی۔ شِروان

[1] جہان نما کے مصنف نے آرس اور کُر دونوں دریاؤں اور ان کے مختلف معاونوں کا تذکرہ نہایت تفصیل
سے کیا ہے (ص ۲۹۶، ۳۹۰)۔ اس تفصیل کے ذریعے سے ہم اول تو مستوفی کے بیانات کی تصحیح کر سکتے ہیں، اور
گرجستان میں تیمور کی فوج کشیوں کی بھی صاف طور سے توضیح کر سکتے ہیں؛ اگرچہ یہ بات ضرور ہے کہ اکثر شہروں
کے ناموں کی شناخت اب نہیں ہو سکتی۔ اصطخری ص ۱۸۹ + ابن حوقل ص ۲۴۶ + مقدسی ص ۳۷۹ + قزوینی ج
۲ ص ۴۰۸ + ج ۲۔ ص ۳۳۱ + مستوفی ص ۲۱۲، ۲۱۵ +

صوبے کے صدر مقام شماخیہ سے تین دن کی مسافت پر تھا لیکن ان دونوں شہروں کا ٹھیک موقع معلوم نہیں۔

شِروان کا سب سے زیادہ شمالی شہر بَابُ الاَبواب تھا۔ یہ نام عربوں نے دَربَند کا رکھا تھا، جو بحیرۂ خزر کا مشہور بندرگاہ تھا۔ ابن حوقل کہتا ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں یہ شہر آذربیل سے، جو اُس زمانے میں آذربائیجان کا صدر مقام تھا، بڑا تھا۔ بندرگاہ کو دو سنگ بستہ دیواروں یا سدّوں [سَدَّین] سے جو سمندر میں کچھ دور تک چلی گئی تھیں، محفوظ کیا گیا تھا۔ ان دیواروں کے اختتام پر پانی والا دروازہ تھا، جس میں زنجیریں تنی رہتی تھیں تاکہ کوئی جہاز بغیر اجازت بندرگاہ کے اندر آ سکے اور نہ اندر سے باہر جا سکے۔ یہ دیواریں یا سدین پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑوں کی تھیں، جن کی جڑائی سیسے سے کی گئی تھی۔ شہر کے گرد ایک فصیل تھی، اور اُس میں پانی والے دروازے کے علاوہ، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، دو دروازے اور تھے، ایک بڑا دروازہ اور دوسرا چھوٹا دروازہ۔ فصیل پر بُرج بنے ہوئے تھے۔ دربند کے بُنے ہوئے سوتی کپڑے بکثرت دساور ہوتے تھے، اور زعفران بھی قرب وجوار کے اضلاع سے باہر بھیجی جاتی تھی۔

باب الابواب کے بازار میں ایک خوبصورت جامع مسجد تھی۔ یہاں یہ اسلامی حکومت کا سرحدی شہر تھا، کیونکہ شروع زمانہ میں اس کے گرد کفار بستے تھے۔ یاقوت نے اُن مختلف قبائل کے حالات بڑی طوالت سے لکھے ہیں جو مغرب کی طرف قاف کے پہاڑوں اور سطحات مرتفع میں رہتے تھے۔ ان میں ستر مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں، اور کوئی شخص اپنے ہمسایہ کی زبان نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ان قبائل میں خزر کا قبیلہ جس کے نام پر بحیرۂ خزر بالعموم موسوم ہوا،

---

۱ ابن حوقل ص ۲۴۱۔

۲ مدخل الماء (ایضاً ص ۲۴۱)۔

۳ وهذان السدّان من صخر و رصاص (ایضاً ص ۲۴۲)۔

سب سے زیادہ مشہور تھا۔ یاقوت نے اُس بڑی دیوار کا ذکر بھی کیا ہے، جو وحشی قوموں کو ملک کے اندر آنے سے روکنے کے لئے دَرْبَند سے شروع کر کے پہاڑیوں کی چوٹیوں کے اوپر اوپر مغرب کی سمت میں دور تک بنائی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں ایران کے بادشاہ انوشیروان عادل نے یہ دیوار تعمیر کرائی تھی۔ دریائے سَمُّور، جو دربند سے جنوب میں تھوڑی دور پر بحیرۂ خزر میں گرتا ہے، مقدسی نے اس کا نام نہر الملک (بادشاہ کا دریا) یا نہر السَّمُّور لکھا ہے۔ اس کو عبور کرنے کے لئے کشتیوں کا ایک پل (جسر) دربند سے (۲۰) فرسخ کے فاصلے پر اس سڑک پر تھا جو شماخی سے دربند آئی تھی۔

باکُوہ یا باکُویَہ (موجودہ: باکو) کا بندرگاہ دربند کے جنوب میں ہے۔ (۱۸۱)
اصطخری نے یہاں کے نفت کے چشموں کا ذکر کیا ہے۔ یاقوت اور دوسرے مصنفوں نے ان چشموں کا حال تفصیل سے لکھا ہے، کہ ایک دن میں جتنا نفت نکلتا تھا اُس کی قیمت ایک ہزار درہم (۶۰۰ روپیہ) ہوتی تھی۔ نفت چشموں سے برابر نکلتا رہتا تھا، اور ادھر اُدھر کی تمام زمین میں آگ لگی رہتی تھی۔ مستوفی نے قلعہ بَاکُوْیَہ کا ذکر کیا ہے کہ بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے دوپہر کے وقت تمام شہر اُس کے سایہ میں آجاتا تھا۔ بَاکُوْیَہ کے شمال میں گُشتاسِفی کا علاقہ دریائے کُر کے دہانے کے قریب واقع تھا، اور اسی دریا کی ایک نہر اس علاقے کو سیراب کرتی تھی۔ یہاں غلّہ اور روئی کثرت سے پیدا ہوتی تھی۔ دَرْبَنْد کے قریب کے پہاڑوں میں قَبَلَہ کا قلعہ تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں پہاڑی پر ایک مسجد بنی ہوئی تھی۔ تیمور کی فوجی مہموں کی تاریخ میں قَبَلَہ کا ذکر ایک سے زیادہ مرتبہ آیا ہے۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہاں ریشم اور غلّہ پیدا ہوتے ہیں[1]۔

۱ اصطخری ص ۱۸۴، ۱۸۹، ۱۹۰ + ابن حوقل ص ۲۴۱، ۲۵۱ + مقدسی ص ۳۷۶، ۳۷۹، ۳۸۱ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۷۷، ۴۳۳ + ج ۲۔ ص ۲۲۵، ۲۸۲، ۳۱۷ + ج ۴۔ ص ۳۲ + مستوفی ص ۱۵۹، ۱۶۱ + ترو جی ۲۵۔ ص ۲۸۹ + علی یزدی ج ۱۔ ص ۴۰۶ +

گرجستان

گرجستان جسے اہل یورپ جارجیا کہتے ہیں اور ابخاس، جس کا دوسرا نام اَبْخَسیا ہے، وہ ملک ہیں جو ان نواح میں تیمور کی لڑائیوں کے بعد یعنی آٹھویں (چودھویں) صدی کے اختتام پر اسلامی ملکوں میں شمار ہونے لگے۔ بہر کیف گرجستان کے صدر مقام تِفلیس سے، جو دریائے کُر کے بالائی حصہ پر واقع ہے چوتھی (دسویں) صدی کے عرب جغرافیہ نویس بخوبی واقف تھے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ تِفلیس کے گرد دوہری فصیل تھی، شہر برجوں اور کنگروں سے خوب مستحکم تھا، اور فصیل میں تین دروازے تھے۔ تِفلیس میں قدرتی گرم حمام تھے، دریا کے گزرگاہ میں چشموں سے گرم پانی ابلتا تھا۔ گرد و نواح کا علاقہ بہت زرخیز تھا۔ شہر دریائے کُر کے دونوں کناروں پر آباد تھا، اور مقدسی لکھتا ہے کہ شہر کے دونوں حصوں کو ملانے کے لئے دریا پر کشتیوں کا پل بندھا ہوا تھا۔

گرجستان کے قرب و جوار کا علاقہ اَبخاس یا اَبخاز مقدسی کے تحریر کے مطابق جبل القبق (Caucasus) میں شمار ہونا چاہیئے۔ یہاں یونس کا گاؤں، قریۃ الیونس، تھا جس میں مسلمان آباد تھے؛ اور اُس کے گرد گُرج (Georgians) اور اَلّان وغیرہ کے قبیلے رہتے تھے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ کوہ البرز سے متعدد دریا نکل کر بہتے تھے۔ اسی مصنف نے قرص کو گرجستان کے بڑے شہروں میں شمار کیا ہے۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۱۸۵، ۱۸۶ + ابن حوقل ص ۲۴۲ + مقدسی ص ۳۷۵، ۳۷۶ + مستوفی ص ۱۶۱، ۲۰۲ + یاقوت ج ۱ ص ۸۰، ۲۷۰، ۵۰۳، ۵۸۰ + مستوفی نے اَلبرز کو ہمیشہ جمع کے معنے میں جبال البرز لکھا ہے، اور اس سے اُس کی مراد سلسلۂ کوہستان اَلبرُز سے ہوتی ہے، لیکن پھر بھی اُس نے یہ نام مبہم طریقے سے استعمال کیا ہے۔ ان پہاڑوں کا صرف ایک حصہ کوہستان قاف سے مطابق ہوتا ہے۔ آج کل البرز (موجودہ اِلبرُز یا اِلبُرز) سلسلۂ قاف کی سب سے اونچی چوٹی کا نام ہے، اور ایران میں آج کل اَلبُرز سے اُس بڑے سلسلہ کوہ سے مراد لی جاتی ہے جس کی بلندترین چوٹی دَمَاوَند ہے، اور جو طہران کے شمال میں واقع ہے۔

آرمینیہ

(۱۹۲) آرمینیۃ العظمیٰ کو دو حصوں، آرمینیہ الداخلۃ اور آرمینیۃ الخارجہ میں تقسیم کیا گیا تھا۔ گو اس علاقے میں زیادہ تر عیسائی آباد تھے، لیکن شروع زمانہ ہی میں وہ مسلمانوں کے تحت آ گیا تھا۔ اس علاقے سے مراد پہاڑوں کا وہ مجموعہ تھا، جو جھیل وان اور جھیل گکچہ کے درمیان واقع ہے، اور ان ہی پہاڑوں سے دریائے ارس اور فرات کی دو شاخیں نکلی تھیں۔

اسلامی آرمینیہ کا صدر مقام ابتدائی زمانے میں دبیل تھا، جسے دوین یا توون (Tovin) بھی کہتے تھے، اور آج کل اسے نقشے میں دریائے ارس کے قریب ایروان (Erivan) کے جنوب میں ایک گاؤں کی حیثیت سے دکھایا جاتا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں دبیل ارد بیل سے بھی بڑا شہر تھا، اور ارمینیۃ الداخلہ کا صدر مقام تھا۔ اس کے گرد فصیل تھی، جس میں تین دروازے تھے، اور یہاں گرجا کے پہلو بہ پہلو ایک جامع مسجد بھی تھی۔ کوہ ارارات، جس کی دو چوٹیاں ہیں، وہ دبیل کے جنوب میں دریائے ارس کے پار نظر آتی تھیں ہم پہلے لکھ آئے ہیں (دیکھو صفحہ حاشیہ ۴۹) کہ مسلمانوں کی روایات کے مطابق بالائی میسوپوٹیمیا میں جبل جودی وہ پہاڑ تھا جس کی چوٹی پر سفینۂ نوح آ کر ٹکا تھا۔ آرمینیہ کے جبل ارارات کو عرب جبل الحارث کہتے تھے، یعنی فردوریا کسان کا پہاڑ، یا حارث سے مراد یہاں الحارث ہے، جو زمانۂ جاہلیت کے اس عرب کا نام تھا جو اس ملک میں آ کر آباد ہو گیا تھا۔ اس پہاڑ کی چھوٹی چوٹی کو عرب حُوَیرِث (تصغیر حارث) کہتے تھے۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس کی دونوں چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی تھیں، ان کی بلندی اور ڈھال ایسا تیز تھا کہ کوئی شخص ان پر چڑھ نہ سکتا تھا۔ دبیل کے باشندے اس پہاڑ کے دامنوں سے جلانے کی لکڑیاں کاٹتے تھے، اور جانور، جو ان پر بکثرت تھے، ان کا شکار کھیلتے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اس پہاڑ کی ادھر ادھر نکلی ہوئی شاخوں پر ایک ہزار گاؤں آباد تھے۔ دبیل کے اونی کپڑے جو قرمز کے کیڑوں سے رنگے جاتے تھے،

مشہور تھے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے لکھا ہے کہ دَبِیْل میں کُرد آباد تھے، اور عیسائیوں کو غلبہ حاصل تھا۔ شہر کے باہر باغوں سے گھری ہوئی ایک بڑی آبادی تھی۔ مسیحی آرمینیہ کا پرانا صدر مقام آنی تھا، جس کو سنہ ۴۶۳ھ (۱۰۷۱ء) (۱۸۳)
میں الپ ارسلان سلجوقی نے فتح کیا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ شہر پہاڑوں میں واقع تھا، اور وہاں میوہ بہت پیدا کیا جاتا تھا۔ دَبِیْل سے شمال مشرق میں تھوڑے سے فاصلے پر میٹھے پانی کی جھیل واقع ہے، جسے علی یزدی نے گُگچہ تنگِیز (نیلی جھیل) لکھا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جھیل کا ذکر مستوفی کے سوا شروع زمانے کے کسی مسلمان مصنف نے نہیں کیا[۱]

جھیل وَان، یا جھیل اَرجیش جیسا کہ ابتدائی ابتدائی مصنفوں نے اس کا نام لکھا ہے، آرمینیہ کی تمام جھیلوں میں قدرتی طور پر سب سے زیادہ معلوم اور مشہور تھی؛ اور اس کے ساحلوں پر اَخلاط، اَرجیش، وَان اور وَسطان کے شہر آباد تھے۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس جھیل کا طول بیس فرسخ تھا اور وہ طِرِّیخ نام ایک قسم کی مچھلی کے لئے مشہور تھی (یہ ہیرنگ مچھلی کے قسم سے ہوتی ہے، اور آج کل بھی بکثرت پکڑی جاتی ہے)۔ یہ مچھلیاں نمک لگا کر ساتویں (تیرھویں) صدی میں میسوپوٹیمیا بھیجی جایا کرتی تھیں، بلکہ خراسان کے دور افتادہ حصوں تک ان کا دساور جاتا تھا۔ کیونکہ یاقوت نے لکھا ہے کہ یہ نمکین مچھلیاں اس نے بلخ میں خریدی تھیں۔ جھیل وَان کا پانی کھاری اور تلخ ہے۔ اَخلاط یا خِلاط جو اس جھیل کے مغربی ساحل پر آباد تھا، آرمینیہ کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ یہ شہر ایک میدان میں واقع تھا، اس کے گرد باغ تھے، اور قریب ہی بلندی پر ایک قلعہ تھا۔ جامع مسجد بازار میں تھی۔ موسم سرما میں سردی سخت ہوتی تھی، لیکن شہر معمور و بارونق تھا، اور ایک ندی

---

[۱] اصطخری ص ۱۸۸، ۱۹۱ + ابن حوقل ص ۲۴۴ + مقدسی ص ۳۷۴، ۳۸۰ + یاقوت ج ۲ ص ۱۸۳، ۵۴۹ + مستوفی ص ۱۲۶، ۱۶۱، ۱۶۴ + علی یزدی ج ۱ ص ۴۴۴، ۵۱۶ + ج ۲ ص ۳۷۸ + ابن الاثیر ج ۱۰ ص ۲۵

کے کنارے واقع تھا جس پر ایک پل بندھا ہوا تھا۔ مستوفی نے اس شہر کے قرب و جوار کے باغوں کی تعریف کی ہے۔ اخلاط کے شمال میں عظیم الشان کوہ سِیپان تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ یہ پہاڑ پچاس فرسخ کے فاصلے سے نظر آتا تھا، اور اس کی چوٹی ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی تھی۔

جھیل وان کے شمالی کنارے پر اَرجیش کا شہر تھا، جس کے نام پر یہ جھیل اکثر پکاری جاتی تھی۔ مستوفی لکھتا ہے کہ غازان خاں مغل کے حکم سے اُس کے وزیر علی شاہ نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں اَرجیش کے گرد فصیل اور برج بنوائے تھے۔ اس کے گرد و نواح کے علاقے کی غلہ پیدا کرنے والی زمینوں مشہور تھیں۔ اَرجیش کے مشرق میں کچھ آگے بڑھ کر بارکیری یا بجرکیری کا شہر مَندِ ماھی کے قریب اُس سڑک پر تھا جو اَرجیش سے صوبۂ آذربائیجان کے شہر خوئی کو گئی تھی۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ بارکیری کا قلعہ مضبوط تھا، اور ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا۔ اس کا دریا آلاطاق کی چراگاہوں سے آتا تھا۔ ان چراگاہوں میں ایل خانی بادشاہ اَرغون نے شکار کھیلنے کے میدانوں کے وسط میں، جن کی بہت نگہداشت
(۱۸۴) کی جاتی تھی، موسم سرما بسر کرنے کے لئے ایک محل بنوایا تھا۔ وان کا شہر جس کے نام پر آج کل اس جھیل کو پکارا جاتا ہے، جھیل کے مشرقی ساحل کے قریب واقع ہے۔ لیکن اس شہر کا حال کسی نے بیان نہیں کیا۔

وَسطان کا قلعہ جھیل کے جنوبی ساحل پر ہے، اور آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ اُس کے قریب ایک بڑا شہر آباد تھا۔ جھیل کے جنوب مغربی گوشہ پر بَدلیس (Bitiis) کا شہر تھا۔ اس کے متعلق مقدسی نے لکھا ہے کہ وہ ایک بڑی گہری گھاٹی میں واقع تھا، جہاں دو ندیاں ملتی تھیں۔ شہر کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہاں کے سیب ایسے عمدہ ہوتے تھے کہ گرد و نواح کے تمام علاقوں میں بھیجے جاتے تھے۔[1]

---

[1] اصطخری ص ۱۸۸، ۱۹۰ + ابن حوقل ص ۲۴۵، ۲۴۸ + مقدسی ص ۳۷۷، ۳۷۳ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان شمالی صوبوں کی پیداوار صرف چند اقسام کی تھی۔ مصنوعات میں زیادہ تر قرمز میں لال رنگے ہوئے کپڑے تھے۔ قرمز ایک کیڑا تھا جو بلوط کے پتوں سے پرورش پاتا تھا۔ بلوط کے درخت تمام آذربائیجان میں پھیلے ہوئے تھے۔ یورپ میں جس ریشمین کپڑے کو کراموازی (یعنی: (Cramoisie) کہتے ہیں اس کا نام اسی قرمز سے نکلا ہے۔ اسی طرح انگریزی الفاظ کرمزن (Crimson) اور کارمائن (Carmine) کی اصل بھی قرمز ہی ہے۔ ابن حوقل اور مقدسی دونوں نے قرمز کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ چنانچہ ابن حوقل لکھتا ہے کہ قرمز ریشم کے کیڑے کی طرح کا ایک کیڑا ہوتا ہے، اور ریشم کے کیڑے کی طرح وہ اپنے اوپر کویہ بنا لیتا ہے۔ لیکن مقدسی نے لکھا ہے کہ قرمز کا کیڑا زمین پر ہوتا تھا، عورتیں جنگل میں جا کر ان کیڑوں کو جمع کر لاتی تھیں، اور پھر ان کو پیتل کے تھالوں پر رکھ کر تنور میں خشک کر لیتی تھیں۔ ریشم، بکری کے بال، سوتی کپڑا [کتان[علہ]] اور اون سب قرمز میں رنگے جاتے تھے، اور یہ رنگ ہر ایک ملک میں مشہور تھا۔ ارمینیہ کی پیٹیاں، پوستین، قالین، غالیچے، گدے اور نقاب بالعموم مشہور تھے، اور ان چیزوں کے علاوہ انجیر، اخروٹ، طریخ مچھلی جو جھیل وان سے نکلتی تھی، یہ چیزیں باہر بھیجی جاتی تھیں۔ ان کا بڑا ذخیرہ دبیل میں ہر وقت دستیاب ہو سکتا تھا۔ بردعہ کے شہر کا ریشم جو اس کے قرب وجوار میں پیدا ہوتا تھا، مشہور تھا، اور دیہات، مثلاً باب الابواب سے بے شمار خچر وساور کے لئے جمع کئے جاتے تھے۔ اور اسی بندرگاہ سے، جو دربند بھی کہلاتا تھا، غلام جو شمالی صوبوں سے یہاں لائے جاتے تھے، باہر بھیجے جاتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یاقوت ج ۱ ص ۲۵۶ - ج ۲ ص ۵۰۴ - قزوینی ج ۲ ص ۳۵۲ - مستوفی ص ۱۶۴، ۱۷۵، ۲۰۵، ۲۲۶ - جہان نما ص ۴۱۱، ۴۱۲ - علی یزدی ج ۱ ص ۶۸۵، ۶۸۸ -

(علہ مقدسی ص ۳۸۰ - مترجم)

سلہ ابن حوقل ص ۲۴۴ - مقدسی ص ۳۸۰، ۳۸۱ -

باب سیزدہم

جِبَال

صوبہ جِبَال یا عراق عجم؛ اور اُس کے چار علاقے۔ (۱۸۵)
قِرمَیسِین یا کِرمان شاہ۔ بِیسُتُون اور اُس کی سنگی
صنعت کَنگوَار۔ دِینَوَر۔ شَہرَزُور حُلوَان خُرَاسان
کی بڑی شاہراہ۔ کِرِند۔ کُردِستان: سلجوقیوں کے عہد میں۔
بَہار۔ جَمَال۔ اَلاَنی اور اَلیَشتَر۔ ہَمَدان اور اُس کے
علاقے۔ دَرگَزِین۔ خَرقَانین اور خَمَال آوَہ۔ فَہا وَند۔
کَرَج ابو دُلَف۔ فَرَاہَان۔

یونانی جس وسیع و عریض کوہستانی علاقہ کو میڈیا (Media) کہتے تھے اور جو مغرب میں میسوپوٹیمیا کی سطح زمینوں سے شروع ہو کر مشرق میں بادیہ ایران تک پھیلا ہوا تھا، وہ عرب جغرافیہ نویسوں کا صوبہ جِبَال (جمع جبل = پہاڑ) تھا۔ بعد میں یہ نام متروک ہو گیا، اور چھٹی (بارھویں) صدی میں آخری سلاطین سلجوقیہ کے دورِ حکومت میں اسے غلطی سے عراق عجم کہنے لگے تاکہ اس علاقہ کو عراق عرب، یعنی زیریں میسوپوٹیمیا سے ممیز کیا جا سکے۔[1]

---

[1] عربوں میں عجم یا عجمی کے لفظ کا اطلاق اصل میں باہر کے رہنے والے غیر عرب پر ہوتا تھا بعینہٖ ایسے ہی جیسے یونان کے لوگ باربیرین (وحشی Barbarian) کا لفظ باہر والے کے لئے بولتے تھے۔ چونکہ ایرانی سب سے پہلے غیر عرب تھے جن کا عربوں سے واسطہ پڑا (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

نقشه ۵



نقشہ صوبجات جبال دیلمان مع صوبجات مازندران قومس و جرجان

اس صوبے کے نام میں یہ تبدیلی، جس کا ذکر اوپر ہوا، حسب ذیل وجہ سے پیش آئی، العراق کی نسبت ہم بیان کر چکے ہیں (باب دوم صفحہ حاشیہ ۲۵) کہ وہ میسوپوٹیمیا کے نصف زیرین کا نام تھا، جو مسلمانوں نے اُسے دیا تھا، اور اہل عراق اُسے بصیغہ تثنیہ اس صوبے کے دو بڑے شہروں یعنی کوفہ وبصرہ، کے لئے بولتے تھے؛ چنانچہ اسی وجہ سے ان دونوں شہروں کو العراقین، یعنی دو عراق (کے پایۂ تخت) کہنے لگے۔ یہ استعمال قدیم اور مستند تھا۔ (۱۸۶) لیکن پانچویں (گیارھویں) صدی کے آخری حصہ میں سلجوقی تمام مغربی ایران پر حکومت کرنے لگے، اور اُن کا دار السلطنت ھَمدان ہوا۔ میسوپوٹیمیا پر بھی ان کا دخل ہو گیا، جو خلافت عباسی کا مرکزی صوبہ تھا۔ خلفا اسی صوبہ میں رہتے تھے۔ خلیفہ سے سلجوقیوں کو "سلطان العراقین" کا خطاب ملا۔ جو ان کے لئے بالکل موزوں تھا۔ اب عراقین میں سے دوسرے عراق کا مفہوم بہت جلد صوبۂ جبال ہو گیا، جہاں سلجوقیوں کا سلطان خاص طور پر رہتا تھا۔ اس طرح تمیز قائم رکھنے کے لئے اس صوبہ کا نام عوام الناس کی زبان پر عراق عجم مشہور ہو گیا۔ یہ کل بیان، نام کی تبدیلی کے متعلق، یاقوت کا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اُس کے زمانہ میں ایران کے لوگ صوبۂ جبال کو غلط طور پر، اور حال کے دستور کے مطابق عراق عجم کہنے لگے ہیں۔ خود یاقوت نے پُرانا نام جبال ہی استعمال کیا ہے؛ اور یاقوت کا ہم عصر قزوینی، جس نے اپنی کتاب عربی میں لکھی ہے، جبال کا فارسی مترادف کُہستان استعمال کرتا ہے۔ لیکن مغلوں کی یورش کے بعد جبال بالکل متروک ہو گیا؛ چنانچہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے اپنی کتاب میں یہ لفظ استعمال نہیں کیا۔ اس نے جبال کے پُرانے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس لئے بہت جلد عجمی کے معنے خاص طور سے ایرانی باہر والے ہو گئے، اور آج کل یہ لفظ ایرانی کا مترادف سمجھ کر بولا جاتا ہے۔ جبال عربی لفظ جبل کا صیغۂ جمع ہے، اور اس کے معنے پہاڑ کے ہیں۔ ابو الفدا (ص ۴۰۰) ہم ہٰذا اس صوبے کے دو نام دیئے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ، "بلاد الجبال (پہاڑی صوبہ)، جسے عوام الناس عراق عجم کہتے ہیں"۔

صوبے کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: چھوٹا حصہ مغرب کی جانب کردستان، اور بڑا حصہ مشرق کی جانب عراق عجم ہے۔ عراق کا نام آج کل بھی مستعمل ہے، چنانچہ قدیم صوبۂ جبال کے اُس حصے کو جو طہران کے جنوب مغرب میں ہے، مقامی اصطلاح میں عراق کہتے ہیں[1]۔

قَرمِیسِین (جس کا نام بعد کو کِرمان شاہ ہوا)، ہَمَدان، رَے اور اصفہان پرانے زمانے سے ہی اس صوبے کے چار بڑے حصوں کے صدر مقام چلے آتے تھے۔ بنی بُوَیہ کے زمانے یعنی چوتھی (دسویں) صدی میں، ابن حوقل کی تحریر کے مطابق، حکومت کے تمام دفاتر رَے میں تھے۔ اس کے بعد پانچویں (گیارھویں) صدی کے آخر میں ایران کے سلجوقی سلاطین نے ہَمَدان کو اپنا مستقر قرار دیا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر عہد میں اصفہان صوبۂ جبال کا سب سے بڑا، اور بالعموم سب سے زیادہ بارونق، شہر رہا۔ اس وقت سہولت اس میں معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح صوبۂ جبال اپنے چار شہروں کے علاقوں میں تقسیم تھا اُسی لحاظ سے اُس کے حالات اس کتاب میں درج کئے جائیں؛ اور سب سے پہلے مغربی علاقے، یعنی اُس علاقہ کا ذکر کیا جائے جس کا تعلق شہر کرمان شاہ سے تھا، جو سلجوقیوں کے زمانے سے عموماً کُہِستان، یعنی کردوں کا ملک، کہلانے لگا تھا۔

صوبہ کے صدر مقام کِرمان شاہان کو، جسے مخفف کر کے بالعموم کرمان شاہ کہا جانے لگا تھا، شروع زمانے کے عرب قِرمِیسِین کہتے تھے۔ (قِرمِیسِین کو قِرمَاسِین یا قِرماشِین بھی لکھتے ہیں)۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے کرمان شاہ کو "ایک خوش گوار، درختوں سے گھرا ہوا شہر" بتایا ہے، جس میں پانی کے چشمے جاری تھے، میوے ارزاں، اور تمام چیزیں بافراط تھیں۔ (۱۸۷)
مقدسی پہلا شخص ہے جس نے ایرانی نام کرمان شاہان لکھا ہے۔ وہ اتنا اور لکھتا ہے کہ شہر کے بازار میں ایک بڑی جامع مسجد تھی، اور بنی بُوَیہ

[1] یاقوت ج ا، ص ۱۰۲؛ قزوینی ج ۲، ص ۲۲۸؛ مستوفی ص ۱۴۱۔

کے سلطان عضُدُ الدولہ نے شہر کے خاص کوچہ میں اپنے لئے خوبصورت محل تیار کرایا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں قزوینی نے لکھا ہے کہ کرمان شاہان سے قرمِسِین اس قدر قریب واقع ہے کہ دونوں جُڑواں شہر معلوم ہوتے ہیں۔ یاقوت نے دونوں نام لکھے ہیں، لیکن اُس نے شہر کا حال لکھنے کے بجائے قریب کے پہاڑ بِھسِتان کے قدیم شکستہ آثار، اور وہاں کی سنگین تصویروں کا ذکر کیا ہے، جو پہاڑ میں چٹانوں کو تراش کر بنائی گئی تھیں۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں مغلوں کی یورش سے کرمان شاہان برباد ہوا۔ چنانچہ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں کرمان شاہ محض ایک گاؤں رہ گیا تھا، اور اُس کا نام "کتابوں میں" قرمِیسِین لکھا تھا؛ مگر اُس کے زمانے میں یہ نام متروک ہوچکا تھا۔ مستوفی نے بھی بِھستان یا بِیسُتُون کی سنگین تصویروں کے بیان کرنے پر خاص توجہ مبذول کی ہے۔

سنگ تراشی کے یہ کام اُس کالے چٹانوں والے پہاڑ پر، کچھ پہاڑ کے پہلو، کچھ پہاڑ کے زیرین حصے پر، بنے ہیں، جو کرمان شاہ سے مشرق میں ایک دن کی مسافت پر خُراسان والی سڑک کے قریب واقع ہے۔ ان صنعتوں میں بعض کا زمانہ اخمنشی بادشاہوں (یعنی پانچویں صدی قبل مسیح) اور بعض کا ساسانی بادشاہوں (یعنی ساتویں صدی عیسوی) کا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں اصطخری اور ابن حوقل دونوں نے ان صنعتوں کا ذکر کیا ہے، اور جس پہاڑ پر وہ تھیں اُس کا نام بِھسُتُون یا بِیسُتُون بیان کیا ہے، اور لکھا ہے کہ سنگ تراشی کے یہ نمونے ساسانیان نام ایک گاؤں کے قریب پائے جاتے تھے۔ غالباً یہ گاؤں وہی ہے جسے آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے وَسطام یا بَسطام لکھا ہے، اور جو آج کل طاقِ بُستان (باغ کی محراب) کہلاتا ہے۔ ابن حوقل نے یہاں دارا کی اس مشہور سنگین تصویر کا ذکر کیا ہے جس میں دارا اپنے باج گزار بادشاہوں سے ملاقات کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ کتبہ ہے جو میخی حروف میں تین زبانوں

میں لکھا ہوا ہے۔ اِس تصویر کی نسبت ابن حوقل نے لکھا ہے کہ یہ ایک مکتب کا مرقع ہے، جس میں اُستاد اور لڑکے موجود ہیں۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ اُستاد کے ہاتھ میں کوئی چیز تسمے کی شکل کی، لڑکوں کو مارنے کے لئے ہے۔ کچھ دیگیں بھی، جیسی باورچی خانوں میں ہوتی ہیں، یہاں پتھر میں تراشی ہوئی نظر آتی ہیں۔ سنگ تراشی کے ان نمونوں میں جو صنعتیں ساسانی بادشاہوں کے زمانے میں یعنی تصویروں کے ایک ہزار برس بعد بنائی گئی ہیں، وہ زیادہ تر پہاڑ کی ایک کھو کے اندر یا اُس کے قریب نظر آتی ہیں۔ اس کھو میں پانی کا ایک چشمہ ہے جس میں سے پانی اُبل کر پہاڑ کے نیچے بہتا رہتا ہے۔ ابن حوقل کی تحریر کے مطابق، جسے بعد کے ایرانی مصنفوں نے نقل کیا ہے، ساسانی دور کی صنعت اس مضمون کا مرقع ہے کہ خسرو پرویز اپنے گھوڑے شَبدِاز (یا شَبدِیز) پر سوار ہے، اور اس کے اوپر پتھر پر کندہ کی ہوئی حسین ملکہ شیرین کی تصویر اس کھو کی چھت کو رونق بخشتی ہے۔ (۱۸۹)

پتھر کی یہ تصویریں گو کہیں کہیں ٹوٹ کر خراب ہو گئی ہیں، لیکن آج کے دن تک موجود ہیں۔ محققوں نے ایک مرتبہ سے زیادہ ان تصویروں کی نقلیں لی ہیں، اور اُن کے متعلق بیانات شایع کئے ہیں۔ یاقوت، جس نے ابن مہلہل کے سفر نامے سے (جو چوتھی صدی میں یہاں آیا تھا) عبارتیں نقل کی ہیں، اور مستوفی نے اپنے زمانے میں جو قصے ان صنعتوں کی نسبت عام طور سے مشہور تھے اُن کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان بیانات سے معلوم ہوگا کہ خسرو اور شیرین، اور شیرین کا عاشق، فرہاد کوہ کن، جس نے مایوس ہو کر خودکشی کی، ان سب کی داستان اسی نواح کے اکثر مقامات سے متعلق ہے۔ قصے کے واقعات فردوسی کے شاہنامہ اور نظامی گنجوی کے مشہور مثنوی "خسرو شیرین" سے معلوم ہو سکتے ہیں۔[1]

---

[1] ابن رُستہ ص ۱۶۶؛ یعقوبی ص ۲۷۰؛ اصطخری ص ۱۹۵، ۲۰۳؛ ابن حوقل ص ۲۵۶، ۲۶۵، ۲۶۶؛ مقدسی ص ۳۹۳، ۲۸۴؛ قزوینی ج ۲، ص ۹؛ یاقوت ج ۳، ص ۲۰۵؛ ج ۲، ص ۴۲۹؛ مستوفی ص ۱۰۲، ۱۶۲؛ جہان نما ص ۴۵۰۔ بہستان پہاڑ کے نام کی پرانی شکل ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ)

شمال کی طرف کرمان شاہ پر چھایا ہوا ، اور خراسان کی سڑک پر
خراسان جانے والے کے بائیں ہاتھ کو سِنّ سُمَیرہ (سُمَیرہ کا دانت) نام
ایک تنہا پہاڑ واقع تھا ، یہیں سے شمالی سڑک دِینَوَر اور آذربائجان کو جانے
والی شروع ہو جاتی تھی ۔ اس پہاڑ کا نام سِنّ سُمَیرہ ایک عرب عورت کے نام
پڑا) جس کے دانت آگے کو نکلے ہوئے تھے ۔ مسلمان جب نہاوند کو فتح کرنے
کے لئے اِدھر سے گزرے تو انھوں نے ہنسی سے اس پہاڑ کا نام سِنّ سُمَیرہ
رکھ دیا ۔ بِیسُتُون سے آگے مشرق میں ، خراسان کی بڑی سڑک پر سِحنَہ
نامی گاؤں ہے ، جس کا ذکر اصطخری نے کیا ہے ۔ یہ گاؤں اب تک باقی ہے ۔ لیکن
اُسے سِحنَہ کے موجودہ شہر سے ، جس کا ذکر آگے آئیگا مخلوط نہ کرنا چاہیے ۔ سِحنَہ
کے آگے کَنگُوَار ہے ، جس کا نام یہاں کے باشندوں کی چوری کی وجہ سے ،
عربوں نے قصر اللصوص (چوروں کا محل) رکھا تھا ۔ کیونکہ جب مسلمانوں کی
پہلی فتوحات کے موقع پر نَہاوَند کے مقابلے کے لئے فوج بھیجی گئی تو اِن لوگوں
نے باربرداری کے کل جانور چُرا لئے ۔ ابن رُستہ اور دوسرے مصنفوں نے
لکھا ہے کہ یہاں ایک بہت بڑی محراب تھی جو ایک چبوترے پر بہت اونچی
کرسی دے کر بنائی گئی تھی ۔ یہ خسرو پرویز کے زمانے کی تعمیر تھی ۔ اس میں بہت
سے ستون تھے ، اور عمارت چونے اور اینٹوں کی تھی کَنگُوَار کا شہر بہت وسیع تھا ، (۱۸۹)
اور اس میں خلیفہ مقتدر عباسی کے حاجب مُونِس کی بنائی ہوئی ایک جامع مسجد
تھی ۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ جس چبوترے پر ساسانی عمارتیں بنی ہوئی تھیں
زمین سے اُس کی بلندی بیس ذرع تھی ، اور مستوفی نے بیان کیا ہے کہ اس کی
تعمیر کے لئے بڑے بڑے پتھر کوہ بِیسُتُون سے لائے گئے تھے [1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بِیسُتُون ، جس کے معنے ظاہر ہیں ، غالباً غلط العام ہے ۔

[1] اصطخری ص ۱۹۶ ؛ ابن حوقل ص ۲۵۶ ؛ ابن رُستہ ص ۱۶۷ ؛ مقدسی ص ۳۹۳ ؛
یاقوت ج ۳ ص ۵۰ ، ۱۶۹ ؛ ج ۴ ص ۲۰ ، ۳۸۱ ؛ سِحنَہ کا املا سِحنَہ بھی کیا
جاتا ہے ؛ مستوفی ص ۱۶۸ ۔

کنگوار سے پچیس میل مغرب میں دینور کے کھنڈر ملتے ہیں۔ یہ شہر چوتھی (دسویں) صدی میں ایک چھوٹے سے خود مختار شاہی خاندان کا پایۂ تخت تھا۔ اس خاندان کا نام سب سے بڑے کرد قبیلہ کے سردار حسنویہ یا حسنویہ کے نام پر، جو یہاں آباد ہو چکا تھا، مشہور ہوا تھا۔ ایران کی اسلامی فتح کے وقت دینور کا نام ماہ الکوفہ رکھا گیا تھا، کیونکہ یعقوبی لکھتا ہے کہ "اس کے محاصل باشندگان کوفہ کے سرکاری وظائف ادا کرنے میں خرچ ہوتے تھے"۔ کچھ مدت کے لئے دینور، اور جو علاقہ اس کے گرد تھا، ان دونوں کا نام ماہ الکوفہ ہو گیا۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ دینور وسعت کے لحاظ سے ہمدان کا دو تہائی تھا، اور یہاں کے باشندے ہمدان والوں کے مقابلے میں زیادہ شائستہ اور خوش خلق تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہاں کے بازار عمدہ بنے ہوئے تھے، اور باغوں میں پھل بکثرت ہوتے تھے۔ حسنویہ کی بنائی ہوئی جامع مسجد بازار میں تھی، اور اس کے ممبر پر پتھر کا بنا ہوا ایک خوبصورت گنبد تھا، جس پر سنگ تراشی کا عمدہ کام تھا۔ مستوفی نے جب آٹھویں (چودھویں) صدی میں اپنی کتاب لکھی ہے تو دینور اس وقت تک ایک آباد شہر تھا، آب و ہوا معتدل تھی، پانی بکثرت تھا، اور غلہ اور انگور بافراط پیدا ہوتا تھا۔ غالباً تیمور کی فتوحات کے بعد یہ شہر اپنی موجودہ ویرانی تک پہنچا۔ علی یزدی لکھتا ہے کہ تیمور اپنی فوج کا کچھ حصہ یہاں چھوڑ کر آگے بڑھا تھا۔

غالباً دینور کے آس پاس کہیں، گو صحیح محل وموقع اب تک معلوم نہیں ہوا، سرماج کا عالیشان قلعہ تھا۔ یاقوت نے اس قلعہ کو ناممکن التسخیر لکھا ہے۔ حسنویہ نے، جو ۳۶۹ھ (۹۷۹ء) میں ابن الاثیر کی تحریر کے مطابق، تقریباً پچاس برس نہایت شان و شوکت سے حکومت کرنے کے بعد یہاں فوت ہوا۔ اس قلعہ کو تراشیدہ پتھروں سے بنایا تھا۔ آئندہ صدی (۴۳۹ھ ۱۰۴۷ء) میں چار برس کے محاصرے کے بعد طغرل بیگ سلجوقی نے اس قلعہ کو فتح کر لیا، مگر جب تک ایک لاکھ آدمیوں کا لشکر جمع کر کے مقابلہ پر نہ لایا اپنے بھائی ینال کو اس

زبردست قلعہ سے بے دخل نہ کر سکا۔[1]

(۱۹۰) دِینَوَر کے کھنڈروں کے ۱۰۰ میل شمال میں آج کل کا بڑا شہر سِینَہ آباد ہے۔ یہ کُردِستان کے ایرانی صوبے کا صدر مقام ہے۔ اگرچہ زمانہ وسطیٰ کے کسی عرب یا ایرانی جغرافیہ نویس نے اس نام سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن ابن خردادبہ اور قُدامہ کے بیانات کے مطابق موجودہ سِینَہ کے موقع پر زمانۂ وسطیٰ میں سِیسَر کا شہر تھا، اور یاقوت کا یہ کہنا کہ فارسی میں اس نام کے معنے "تیس ۳۰ سر" کے ہیں درست ہے۔ سِیسَر کے قریب کا علاقہ جس میں چشموں کی افراط تھی، اسی افراط کی وجہ سے صَدْ خانِیَہ (سو گھر یا سو چشمے) کہلاتا تھا۔ خلیفہ امین عباسی نے یہاں ایک قلعہ بنوایا تھا جس میں اس کے بھائی خلیفہ مامون عباسی نے ایک فوج رکھی ہوئی تھی، اس فوج میں کُردوں کے قبائل کو ملازم رکھا تھا، جو گرد و نواح کی چراگاہوں پر قبضہ رکھتے تھے۔ ان قبائل سے مامون نے امین کے برخلاف خانہ جنگی میں کام لیا، اور کچھ عرصہ بعد امین کو خلافت سے برطرف کر دیا۔ ہمذان کے چوبیس اعمال میں سے سِیسَر شمار ہوتا تھا۔ ممکن ہے کہ سِینَہ کا موجودہ نام صَدْ خانِیَہ بگڑی ہوئی شکل ہو، اور صَدْ خانِیَہ کو مخفف کر کے سی خانِیَہ بنا لیا گیا ہو! مگر اس کی کوئی صریح شہادت موجود نہیں۔

---

[1] یعقوبی ص ۲۷۱+ ابن حوقل ص ۲۶۰+ مقدسی ص ۳۹۴+ مستوفی ص ۱۴۷ یاقوت ج ۳۔ ص ۸۲+ علی یزدی ج ۲۔ ص ۳۰۵+ ابن اثیر ج ۸۔ ص ۵۱۸، ۵۱۹+ ج ۹۔ ص ۳۸۰+ یاقوت کی تحریر کے مطابق فارسی لفظ ماہ عربی لفظ (صدر مقام) کا مترادف ہے (ج ۴۔ ص ۴۰۵) یہ ماہ کا لفظ جو دِینَوَر اور نَہاوَند کے پرانے ناموں کے قبل لگایا جاتا تھا، دراصل قدیم فارسی لفظ مد ہے۔ اور مدا بحیثیت ایک مقامی نام ہونے کے وہی لفظ ہے جو یونانیوں کے توسط سے میڈ یا (Media) اور میڈس (Medes) کی شکل میں ہم تک پہنچا ہے۔ دِینَوَر کے آثار کو ڈی مارگن نے حال میں دیکھا اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔ دیکھو Mission en perse مصنفہ De Morgan ج ۲۔ ص ۹۶ تا ۹۹+

دِینَوَر کے شمال مغرب میں چار منزل کی مسافت پر شَہرزُور کا شہر اسی نام کے علاقہ میں آباد تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے شہرزور کو ایک مستحکم شہر لکھا ہے، جس کے گرد فصیل تھی، اور اُس میں گُرد آباد تھے۔ اُس نے ان کے قبائل کے نام بھی دیے ہیں۔ یہ لوگ تمام گرد و نواح کے علاقے میں، جو نہایت سیر حاصل تھا، آباد تھے۔ ابن مُہلہل سیاح نے (جس کے الفاظ یاقوت نے نقل کیے ہیں) چوتھی (دسویں) صدی میں اس علاقہ کے بہت سے شہروں اور قریوں کا تذکرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اس علاقے کے صدر مقام کو ایرانی "نیم راہ" کہتے تھے، کیونکہ وہ مدائن (طیسفون) اور شیز کی درمیانی منزل پر واقع تھا۔ یہ دونوں شہر ساسانی عہد میں بڑے آتشکدہ تھے۔ قریب کے پہاڑ شَعران اور زَلَم کہلاتے تھے۔ قزوینی لکھتا ہے کہ یہاں ایک خاص قسم کا غلہ پیدا ہوتا تھا جو مقوی باہ تھا۔ جب (191)
ابن مُہلہل اس جگہ آیا ہے تو یہاں کُردوں کے ساٹھ ہزار خیمے تھے، اور جب مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں اپنی کتاب لکھی ہے تو شہرزور اُس وقت تک آباد اور بارونق تھا، اور کُرد اُس میں رہتے تھے[1]۔

پہلے باب میں ہم لکھ آئے ہیں کہ خُراسان کی شاہراہ بغداد سے مشرق کی طرف چل کر اسلامی ممالک کی انتہائی حدود تک پہنچتی تھی۔ یہ سڑک مَیسُوپوٹیمیا کی سطح زمین سے گزر کر ایران کے کوہستانی علاقہ میں حُلوان کے مقام پر داخل ہوتی ہے۔ حُلوان صوبۂ جبال کا شہر ہے، لیکن بعض موقعوں پر عراق میں بھی شمار کیا گیا ہے۔ ابن حوقل راوی ہے کہ چوتھی (دسویں) صدی میں حُلوان بلحاظ وسعت دِینَوَر سے آدھا تھا، اور اُس کے مکانات پتھر اور

[1] ابن خرداذبہ ص ۱۲۰ + قدامہ ص ۲۱۲ + ابن حوقل ص ۲۶۲، ۲۶۵ + یاقوت ج ۳- ص ۲۱۶، ۴۰۳ + ج ۴- ص ۹۸۸ + قزوینی ج ۲- ص ۲۶۶ + مستوفی ص ۱۶۷ + شَہرزُور کے علاقے کا نام اب بھی یہی ہے۔ اور پرانا شہر اُس جگہ واقع تھا جہاں آج کل یَسین تپہ کے کھنڈر ہیں +

کچی اینٹوں، دونوں طرح کے تھے۔ آب و ہوا گرم تھی، کھجوریں، انار، انجیر پیدا
ہوتے تھے، اور اُن پہاڑوں میں، جو دو فرسخ کے فاصلے پر شمال میں تھے، تمام
موسم گرما میں بھی برف موجود رہتی تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر میں ایک پرانا
قلعہ تھا، جس میں مسجد تھی۔ فصیل شہر میں آٹھ دروازے تھے، جن کے نام اُس نے لکھے
ہیں۔ شہر کے باہر یہودیوں کا ایک صومعہ تھا، جس کا وہ بہت احترام کرتے تھے۔
یہ عمارت چوکور پتھروں کی چونے کی چنائی کی تھی۔ ساتویں (تیرھویں) صدی میں،
جب قزوینی نے اپنی کتاب لکھی ہے، حُلوَان ویران ہو چکا تھا، لیکن اُس کے
گندھک کے چشمے اُس وقت تک مشہور تھے۔ آئندہ صدی میں مستوفی نے یہاں کی فصلوں
کی تعریف کی ہے، لیکن لکھا ہے کہ شہر سوائے اولیا اکرام کے چند مزاروں کے،
بالکل ویران پڑا تھا، مگر اُس کے گرد و نواح میں تیس گاؤں آباد تھے۔

خراسان کی شاہراہ پر حُلوَان سے کِرِند کی سمت میں چار فرسخ پر
مَاذَرُوستَان تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ یہاں ایک عالیشان محراب دار عمارت ایک
اونچے چبوترے پر واقع تھی۔ یہ عمارت ساسانی بادشاہ بہرام گور کے محل کا ایک حصہ
تھی۔ اس محل کے گرد اس بادشاہ نے بہشت بنوائی تھی۔ یاقوت کے زمانے میں
یہ محل مدت کا برباد ہو چکا تھا۔ مَاذَرُوستان سے چھ فرسخ آگے کِرِند کا شہر تھا۔
بظاہر آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی سب سے پہلا جغرافیہ نویس ہے
جس نے اس شہر کا ذکر کیا ہے۔ اس نے کِرِند اور قریب کے گاؤں خُوشَان (۱۹۲)
کا تذکرہ ساتھ ساتھ کیا ہے۔ خُوشَان اب بالکل مٹ چکا ہے، لیکن مستوفی نے لکھا
ہے کہ اُس کے زمانے میں وہ کِرِند سے بھی زیادہ آباد اور معمور تھا۔ یہ دونوں
مقامات درہ حُلوَان کے سرے پر ایک سبز حاصل میدان میں واقع تھے۔ جیسا کہ
ہم لکھ آئے ہیں، کسی ابتدائی عرب جغرافیہ نویس نے اِن کا ذکر نہیں کیا لیکن ان کا موقع
وہیں تھا، جہاں اب مَرجُ القَلعَہ (قلعہ کی چراگاہ) واقع ہے۔ مَرجُ القَلعَہ کو
ابن حوقل نے ایک بڑا اور مضبوط شہر لکھا ہے، جس کے گرد فصیل تھی، اور شہر کے
گرد زرخیز اور خوب آباد و معمور علاقے تھے۔ یعقوبی نے لکھا ہے کہ ان چراگاہوں میں
عباسی خلفا اپنے گھوڑے رکھتے تھے۔ ان سے چار فرسخ آگے حد خراسان کی شاہراہ پر

طَزَر میں سے گذرتی تھی، مقدسی لکھتا ہے کہ یہاں شاہان ایران کے ایک محل کے شکستہ آثار نظر آتے تھے۔ یعقوبی نے لکھا ہے کہ یہ محل شہان کے بیٹے خُسرو جرد نے تعمیر کرایا تھا۔ طَزَر میں بازار اچھے تھے۔ بظاہر یہ وہی مقام ہے جسے قصر یزید کہتے تھے، اور جس کا ذکر دوسرے مصنفوں نے بھی کیا ہے۔ طَزَر سے چھ فرسخ آگے اَلزُّبَیدِیَہ تھا، جسے ابن حوقل نے "ایک عمدہ صحت آور مقام" لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ خُراسان کی سڑک پر الزُّبَیدِیَہ کا موقع ایسا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر وہیں تھا جہاں آج کل ہَارُون آباد کا گاؤں آباد ہے۔ یہاں خُراسان کی شاہراہ مشرق کی طرف مڑتی ہے، اور مائی دَشت (یا ماہی دشت) کے میدان میں سے گزر کر سیدھی کرمان شاہ چلی جاتی ہے۔ مستوفی نے مائی دَشت کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں پچاس گاؤں آباد تھے، اُن کے گرد عمدہ چراگاہ تھے، جو قریب کے پہاڑیوں کی ندیوں سے خوب سیراب ہوتے رہتے تھے۔ اسی نواح میں ھرسِین کا قلعہ مع ایک چھوٹے سے شہر کے، جو قلعہ کے نیچے اب تک آباد ہے، کرمان شاہ کے جنوب مشرق میں بیس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔[1]

صوبۂ کُردِستان کیونکر ایک صوبہ بنا، اس کی حقیقت اس طرح بیان ہوئی ہے کہ چھٹی (بارھویں) صدی کے وسط کے قریب سلطان سنجر سلجوقی نے صوبۂ جبال کے مغربی حصّے کو، یعنی اُس حصّے کو جو کرمان شاہ کے عمل میں تھا، صوبۂ جبال سے الگ کر کے اُس کا نام کُردِستان رکھا، اور اپنے بھتیجے سلیمان شاہ، الملقب بہ اَبُوہ (یا اَیُوہ) کو وہاں حاکم مقرر کیا۔ یہ سلیمان شاہ بعد میں (یعنی ۵۵۴ - ۵۵۶ھ = ۱۱۵۹ - ۱۱۶۱ء) اپنے چچا کی جگہ سلجوقیوں کا سر خاندان

[1] ابن حوقل ص ۱۶۸، ۲۵۶، ۲۶۲ + ابن رستہ ص ۱۶۵ + یعقوبی ص ۲۷۰ + مقدسی ص ۱۲۳، ۱۳۵، ۳۹۳ + قزوینی ج ۲، ص ۲۰۳، ۲۲۹ + مستوفی ص ۱۳۸، ۱۶۸ + یاقوت ج ۳، ص ۵۳۶، ج ۴، ص ۳۸۲ + جہاں نما ص ۴۵۰۔ حلوان کے کھنڈر اس گاؤں کے قریب واقع ہیں جو آج کل ہیریالی کہلاتا ہے، اور جہاں دریا کو عبور کرنے کے لئے ایک پل بنا ہوا تھا۔

اورعراقین کا سلطان ہوا۔ یہ بیان مستوفی کا ہے؛ اور وہی راوی ہے کہ سلیمان شاہ
کے زمانۂ حکومت میں کردستان خوب پھلا پھولا اور ملک کا مالیہ اس وقت بیس لاکھ (۱۹۳)
دینار (ڈیڑھ کروڑ روپیہ کے قریب) تھا۔ یہ رقم اس مالیہ سے دوچند تھی جو
آٹھویں (چودھویں) صدی میں مغل بادشاہوں کے زمانے میں اس ملک سے
وصول ہوتی تھی؛ اور حاکم وصول کنندہ خود مستوفی تھا۔ سلیمان شاہ نے بہار
کو، جو ہمدان سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر اب تک موجود ہے، اپنا مستقر حکومت
بنایا تھا۔ یہاں ایک مضبوط قلعہ تھا۔ مغلوں کے زمانے میں سلطان الجیتو نے
ایک دوسرا دارالحکومت سلطان آباد جمجمال (چمچمال) کے مقام پر بیستون کے
قریب پائے کوہ پر تعمیر کرایا۔ اس شہر کے متعلق مستوفی نے لکھا ہے کہ وہ ایک
زرخیز میدان میں، جہاں غلہ بافراط ہوتا ہے، آباد تھا۔ جمجمال یا چمچمال کی
جا، وقوع مستوفی نے اپنی کتاب میں (ملحقہ کے گاؤں سے چار فرسخ اور کرمانشاہ
سے چھ فرسخ) بتائی ہے جمجمال کے کھنڈر اب بھی موجود ہیں، اور جہاں یہ
واقع ہیں وہ جگہ نقشے میں جمجمال کے نام سے ظاہر کردی گئی ہے۔ علی یزدی
نے جہاں کردستان سے تیمور کے گزرنے کے حالات لکھے ہیں وہاں اس
شہر کا اکثر تذکرہ کیا ہے۔

تیمور کی فوجی مہموں کے تذکرے میں جن اور شہروں کے نام آئے ہیں
اور جن کا ذکر مستوفی نے کیا ہے ان میں ایک شہر دربند تاج خاتون ہے؛ اس
کی نسبت مستوفی لکھتا ہے کہ وہ ایک اوسط درجے کا شہر تھا، جس کا بڑا حصہ اب
ویران ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور شہر دربند زنگی تھا، جو دربند
تاج خاتون سے بھی چھوٹا تھا۔ یہاں عمدہ چراگاہیں تھیں، اور آب و ہوا معتدل
تھی۔ یہ دونوں شہر اب بظاہر نقشے سے غائب ہو چکے ہیں۔ لیکن دربند کے
معنے درّہ کے ہیں، اور علی یزدی کے بیان سے، جس نے پہلے شہر کا نام دربند
تاشی خاتون لکھا ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں دربند کردستان کی
مغربی سرحد پر، شہر زور اور حلوان کے درمیان، اُن پہاڑوں میں واقع
تھے جو یہاں میسوپوٹیمیا کی سطح زمین پر مرتفع ہیں۔

مستوفی نے کُردستان کے چار اور شہروں کا بھی ذکر کیا ہے، یعنی: اَلانی
اَلیشتَر، خُفیتان، اور دَرِبنیل۔ ان کے متعلق اُس نے لکھا ہے کہ اُس زمانہ
میں یہ چاروں بڑے شہر تھے۔ اب ان کے موقع کی شناخت آسان نہیں ہے۔
اَلانی (جسے بعض قلمی نسخوں میں اَلابی لکھا ہے) معلوم ہوتا ہے کہ آٹھویں
(چودھویں) صدی میں صوبۂ کُردستان کے بڑے شہروں میں سے تھا؛
گو مستوفی کے سوا غالباً کسی اور مصنف نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس کی زمین
میں گیہوں کی فصلیں ہوتی تھیں، آب وہوا اچھی تھی، شہر کے گرد سرسبز وشاداب
چراگاہ اور قرب وجوار میں عمدہ شکارگاہ تھے، جس میں شکار کرنے کے لئے
جانور بہت تھے۔ اَلیشتَر میں ایک پرانا آتشکدہ تھا، جسے اَزدَهِش (اَزوَخش
یا اَرَخش) کہتے تھے۔ افسوس ہے کہ کسی سیاحت نامہ میں اس کا موقع بیان
نہیں ہوا۔ لیکن اَلیشتَر کا میدان اب بھی موجود ہے، اور غالباً اس میں جو کھنڈر
ملتے ہیں ان ہی میں سے کوئی کھنڈر مستوفی کے شہر اَلیشتَر کا ویرانہ ہے۔ اس
میں شبہ نہیں کہ یہ اَلیشتَر شہر لِیشتَر یا الاشتَر سے، جس کا ذکر ابن حوقل اور (۱۹۴)
دوسرے مصنفوں نے کیا ہے، مطابق ہے۔ لِیشتَر یا الاشتَر کو ان مصنفوں
نے نِہاوَند سے جنوب مغرب میں دس فرسخ کے اور سابُورخواست سے
شمال میں بارہ فرسخ کے فاصلے پر لکھا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑتا ہے
کہ اَلیشتَر کا املا نہایت مشتبہ ہے۔ بہت سے بہترین قلمی نسخوں اور ترکی جغرافیہ
جہاں نما میں اُسے اَلیشُر لکھا ہے؛ اور اس کے علاوہ اور بہت سی شکلوں میں
بھی وہ تحریر ہوا ہے۔ خُفیتان کے متعلق (جسے مصنف جہاں نما نے حَفیشیان
لکھا ہے، اور قلمی نقشوں میں اس کی شکلیں کچھ اور ہی ہیں) صرف اتنا معلوم
ہوا ہے کہ وہ ایک مستحکم قلعہ تھا، اور اس کے گرد دریائے زاب کے کناروں
پر متعدد گاؤں آباد تھے۔ لیکن اس دریائے زاب کے متعلق کسی نے یہ نہیں
بتایا کہ آیا زاب اعلےٰ تھا یا زاب ادنےٰ۔ اس کی جائے وقوع معلوم نہیں،
اور یہی حال دَرِبنیل (یادِربنیل) کا ہے، جو ایک اوسط درجے کا شہر تھا،
اور اُس کی آب وہوا اچھی تھی، مستوفی نے اس شہر کی جائے وقوع اندازاً بھی

بیان نہیں کی۔ اسی شہر پر اُس نے کُردستان کے حالات ختم کر دئے ہیں[1]۔

ھَمَذان، جسے عرب جغرافیہ نویس ھَمَذان لکھتے ہیں[2]، قدیم شہر اکبتانا (Ecbatana) صوبہ میڈیا (Media) کا صدر مقام ہے[1]۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ ھَمَذان ایک عمدہ شہر تھا، طول و عرض دونوں ایک ایک فرسخ سے زائد رکھتا تھا، اور اسلامی فتوحات کے بعد دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کی فصیل میں چار دروازے تھے۔ اور فصیل کے باہر ایک آبادی تھی۔ اُس کے بازاروں میں سامان تجارت کی بہتات تھی، گرد و نواح کا علاقہ بہت زرخیز اور سیر حاصل تھا، اور اُس میں بڑی بڑی فصلیں اٹھتی تھیں؛ خصوصاً زعفران بکثرت پیدا ہوتی تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر میں بازاروں کی تین صفیں تھیں، اور انھیں میں سے ایک میں جامع مسجد تھی؛ یہ بہت ہی پرانی عمارت تھی۔ ھَمَذان ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں مغلوں کی یورش سے برباد ہوا۔ اس سے کچھ قبل یاقوت نے جو حال اس شہر کا لکھا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ چوبیس رُستاق، یا ذیلی علاقے ھَمَذان سے متعلق تھے۔ ان کے نام بھی اُس نے درج کئے ہیں۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں اسی فہرست کو دوہرایا ہے، اور ہر ایک رُستاق کے قریوں کے نام بھی لکھے ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن کی اب شناخت نہیں ہو سکتی۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں اس شہر کے متعلق لکھا ہے کہ اس کا قطر دو فرسخ تھا، شہر کے وسط میں ایک بڑا قلعہ تھا، جسے شہرستان کہتے تھے۔ ھَمَذان کے اس قدیم قلعہ کو، اصفہان کے قلعہ کی طرح، جس کا ذکر آئندہ آئیگا، ابن فقیہ نے سارُوق لکھتا ہے، لیکن اس لفظ کے معنے نہیں بتائے۔

---

[1] ابن حوقل ص ۲۶۰، ۲۵۶، ۲۶۲ + یاقوت ج ۱ ص ۲۶۷ + ج ۳ ص ۵ + مستوفی ص ۱۶۷، ۱۹۲ + علی یزدی ج ۱ ص ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۹۹، ۶۲۰ + جہاں نما ص ۵۰ + بہار، الاونی، خفیتان، اور دونوں دربندوں میں سے کسی کا تذکرہ ابتدائی عرب جغرافیہ نویسوں نے نہیں کیا۔

[2] ھَمَذان وہی شہر ہے جسے اخمنشی کتبوں میں ھگمتانا (Hagmatana) لکھا گیا ہے، اور جسے یونانی اکبتانا (Ecbatana) لکھتے ہیں۔

(۱۹۵ ن) ہَمَذان میں سناروں کا بازار بہت مشہور تھا، اور یہ بازار وہاں تھا جہاں ایک پرانا گاؤں مَلین دہ آباد تھا۔ فصیل شہر کا دور (۱۲۰۰۰) قدم تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ ابتداءً ہَمَذان کے اعمال میں پانچ شہر، یعنی قلعہ کَبنِہ‌یت (گندھک کا قلعہ)، قلعۂ ماکین، کُہدلانخ، خودشَیلا، اور کُرَشَت شامل تھے۔ اس نے لکھا ہے کہ کُرَشَت جو کسی زمانے میں بڑا شہر تھا، اب بالکل غیر آباد ہے۔ ہَمَذان ہی کے اعمال میں حسب ذیل پانچ علاقے اور اُن کے گاؤں شامل تھے: فَرِیوار جو ہَمَذان کے قریب تھا، پھر اَزمَلین، شَرامین، اور اَعلَم، شَردُوداوَر بَرہَمذاہ رُود کے علاقے تھے۔ لیکن یہ کہنا ضروری ہے کہ ان ناموں کی صحت کے بارے میں کوئی امر یقینی نہیں ہے، کیونکہ قلمی نسخوں میں بہت اختلاف ہے[1]۔

ہَمَذان سے تین فرسخ کے فاصلہ پر (یہ نہیں بتایا کہ کس سمت میں، اور نقشے پر نام بھی نہیں دیا) جَھَستَہ کے گاؤں میں شاہ بہرام گور کے پرانے محل کے کھنڈر تھے۔ اس محل کا حال ابن فقیہ نے لکھا ہے۔ یہ بڑی عالی شان عمارت تھی، اور اس میں بڑے بڑے اُطاق، راستے اور کمرے تھے، جن میں سے بعض چٹانوں کو کاٹ کر بنائے گئے تھے۔ اس کے چاروں گوشوں پر عورتوں کے سنگین بت تھے، اور عمارت کے ایک رُخ پر قدیم فارسی (فارسیہ) میں لکھا ہوا ایک کتبہ تھا، جس میں خسروان ایران کی فتوحات مذکور تھیں۔ اس محل سے نیم فرسخ کے فاصلے پر ایک پہاڑی تھی، جہاں گورخر کی قبر (ناؤُس الظبیۃ) واقع تھی۔ ابن فقیہ نے بہرام گور اور اُس کی معشوقہ کا قصہ بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے کہ کس طرح بادشاہ نے قریب کے میدان میں بہت سے غزال شکار کئے، اور کیونکر اُس نے اپنی معشوقہ کو اس قصور میں قتل کر دیا کہ اُس نے بادشاہ کی تیراندازی پر چند حقارت آمیز کلمے کہے تھے۔

[1] ابن حوقل ص ۲۵۶، ۲۶۰ + مقدسی ص ۳۹۱ + ابن فقیہ ص ۲۱۹ + یاقوت ج ۴۔ ص ۹۸۸ + مستوفی ص ۱۵۱، ۱۵۲ + ترکی "جہاں نما" ص ۳۰۰ (میں مستوفی کی لکھی ہوئی علاقوں اور قریوں کی فہرست نقل کر دی گئی ہے۔

ھَمَدَان کے جنوب مغرب میں بڑا پہاڑ اَلْوَنْد تھا جسے یاقوت اَرْوَنْد[1] لکھتا ہے۔ اور یہی نام آرْوَنْد دارالضرب کی حیثیت سے مغلوں کے ایل خانی بادشاہ ابوسعید کے چاندی کے درہموں پر جن کی تاریخ ۷۲۹ھ (۱۳۲۹ء) ہے، پڑھا جاتا ہے۔ مستوفی نے کوہ اَلْوَنْد کا ذکر بہت تفصیل سے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اس پہاڑ کا دور تیس فرسخ تھا، اور اس کی چوٹیاں ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی تھیں، اور سب سے اونچی چوٹی سے پانی کا ایک چشمہ ایسے مقام سے نکلتا تھا جو پہاڑ کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ مستوفی لکھتا ہے کہ بیالیس چشمے اس پہاڑ کی مختلف شاخوں سے (۱۹۶)
جاری ہوتے تھے۔ ھَمَدَان سے مغرب کی طرف سفر کرنے میں کوہ اَلْوَنْد کے درے سے گذرنے کے بعد کنگواد جانے والی سڑک پر اَسَدْ آباد کا شہر ملتا تھا جسے ابن حوقل نے خوب آباد اور معمور بتلایا اور لکھا ہے کہ اس مقام سے ایک فرسخ کے فاصلے پر محراب (اَیْوَان) تھا، جس کو یاقوت نے اس عمارت کا ایک حصہ لکھا ہے جسے مَطَابِخ الکِسْرِی (یعنی کسریٰ کے باورچی خانے) کہتے تھے۔ اَسَدْ آباد میں ایک مسجد اور اچھے بازار تھے۔ اس کا علاقہ بڑا زرخیز تھا، اور یہاں شہد بہت ہوتا تھا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ (۳۵) گاؤں اس شہر کے اعمال میں شامل تھے[2]۔

ھَمَدَان جس مسطح زمین پر واقع ہے اس زمین کا پانی شمال اور مشرق کی طرف

---

[1] ابن فقیہ (ص ۲۲۰) نے بھی اس کا نام اَرْوَنْد لکھا ہے، اور امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ اَرْوَنْد میں جنت کے چشموں میں سے ایک چشمہ ہے۔ اور لوگوں کا خیال ہے کہ قُلّۂ کوہ پر جو کنواں ہے جس میں پانی بافراط ہے وہی جنت کا چشمہ ہے؛ کیونکہ اس میں ہر سال وقت معلومہ پر پانی ایک چٹان کے شگاف سے نکلتا ہے، اور یہ پانی عمدہ اور شیریں، خوب ٹھنڈا اور ہلکا ہوتا ہے، یہاں تک کہ ایک دن رات میں سو رطل یا اس سے زیادہ اسے ایک آدمی پی جاتا ہے، اور بجائے نقصان کرنے کے یہ پانی اسے نفع دیتا ہے۔ چند روز جاری رہنے کے بعد یہ پانی آئندہ سال وقت مقررہ تک کے لئے بند ہو جاتا ہے۔ (مترجم)

[2] ابن حوقل ص ۲۵۶ + ابوالفدا ص ۲۵۵ + مقدسی ص ۳۹۲ + یاقوت ج ۱۔ ص ۲۴۵، ۲۵۵ + ج ۲ ص ۷۳۰، ۹۸۹ ج ۴ ص ۵۹۶، ۵۹۷ + مستوفی ص ۱۶۶، ۲۰۶ + نزہۃ القلوب ص ۱۶۶، ۲۰۶

بہتا ہے، اور اُس کی بے شمار ندیاں مل کر دریائے گادماہا (یا گاؤماسا) بن جاتی ہیں۔ اس دریا کے رہگزر کا حال ہم دریائے قم کے ذکر میں بیان کرینگے۔ ہمدان کے شمال میں درگزین کا علاقہ، اور درگزین کے شمال میں خرّقان کا علاقہ تھا۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں لکھا ہے کہ درگزین، جو پہلے ایک گاؤں تھا، اُس وقت بڑا شہر ہو گیا تھا، اور علاقۂ أعلم کا خاص شہر تھا۔ اس علاقے کا ہمدان کے پانچ اعمال میں سے ہونا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ مستوفی لکھتا ہے، (اور یاقوت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے) کہ أعلم کے علاقہ کو ایرانی غلطی سے الوَمر کہا کرتے تھے۔ یہ علاقہ ہمدان اور زنجان کے درمیان ایک سطح مرتفع تھا، اور وہاں انگور، روئی، اور غلّہ بافراط پیدا ہوتا تھا۔ خرّقان، جسے اکثر بصیغۂ تثنیہ خرّقانین کہتے تھے، علاقۂ أعلم کے شمال میں واقع تھا۔ اس میں بہت سے گاؤں شامل تھے، جن کے نام مستوفی نے لکھے ہیں (لیکن قلمی نسخوں میں ان کو صحت کے ساتھ پڑھنا مشکل ہے)۔ اس علاقے کا صدر مقام، جو اب بھی باقی ہے، آوہ یا آبۂ ہمدان تھا۔ یہ نام اس لئے رکھا گیا تھا کہ آوۂ ساوہ سے اُسے ممیز کیا جا سکے۔ آوۂ ساوہ کا ذکر آگے آئیگا۔ اس شمالی آوہ کا ذکر (جسے بعض مرتبہ آوا بھی لکھا جاتا ہے) یاقوت نے کیا ہے؛ اور اس سے پہلے چوتھی (دسویں) صدی میں مقدسی نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دریائے خرّقان کی نسبت مستوفی لکھتا ہے کہ اس کا اتصال موسم بہار کے سیلابوں کے زمانے میں خشک رُود میں سے ہوتا تھا، اور یہ دریا آخرکار علاقۂ ہاویہ کے ریگستان میں غائب ہو جاتا تھا؛ مگر موسم گرما میں دریائے خرّقان اپنے علاقے کی حدود سے آگے نہ بڑھنے پاتا تھا، اور آب پاشی کی نہروں میں اُس کا پانی خشک ہو جاتا تھا۔[1]

نہاوند کا شہر، جو ہمدان سے تقریباً چالیس میل جنوب میں واقع ہے اور جو ساسانیوں کے وقت سے چلا آتا تھا، بڑا مقام تھا۔ مسلمانوں کی پہلی فتوحات کے (۱۹۷)
بعد، جن میں بصرہ کی فوجوں نے خاص طور پر حصہ لیا تھا، اس شہر اور علاقہ

[1] مقدسی ص ۲۵، ۵۱، ۲۰۶، ۳۰۲ + یاقوت ج ۱ ص ۳۰۶، ۸۰۲، ۴ + مستوفی ص ۱۵۲، ۲۱۷ + جہاں نما ص ۳۰۱، ۳۰۵

کا نام ماہ بصرہ پڑ گیا تھا، کیونکہ اس کے محاصل اہل بصرہ کے وظائف ادا کرنے میں اُسی طرح صرف ہوتے تھے، جس طرح دِینَوَر کے محاصل سے اہل کوفہ کے وظائف ادا کیے جاتے تھے (دیکھو حاشیہ صفحہ ۱۸۹)۔ ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ یہاں کے بازاروں میں بیش قیمت مال فروخت ہوتا تھا، اور یہیں قریب کے علاقہ رُوذراوَر میں زعفران جمع ہو کر وساور کی جاتی تھی۔ نِہاوَند میں دو جامع مسجدیں تھیں، ایک پرانی اور ایک نئی۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ ابتدائی زمانے میں بہت سے عرب بصرہ سے آ کر یہاں آباد ہو گئے تھے، اور یہ شہر عطر سازی کے لئے مشہور تھا۔ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں یہاں زیادہ تر کُردوں کے قبیلے آباد تھے۔ قرب و جوار کے علاقوں میں روئی افراط سے بوئی جاتی تھی۔ ان علاقوں میں سے تین کے نام مستوفی نے خاص طور سے لکھے ہیں، یعنی: مَلاَیِر، اِسْفِیذان، اور جُھوق۔ ھَمَذان اور نِہَاوَنْد کے تقریباً وسط میں رُوذراوَر کا زرخیز علاقہ تھا، جس کی زعفران بہت مشہور تھی۔ اس علاقہ کا صدر مقام کَرَج تھا، جس میں ایک خوبصورت مسجد تھی۔ اس علاقہ کا قطر تین فرسخ تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ ترانوے گاؤں اس کے اعمال میں تھے۔ مستوفی نے بالعموم اِس کا املا رُوذاوَر کیا ہے، اور اس کے شہروں میں سَہ گان اور تُوِی بیان کیے ہیں۔ یہ دونوں شہر اب بھی موجود ہیں۔ آج کل پورے علاقے کو تُوِی کے نام سے پکارتے ہیں[1]۔

نہاوند کے مشرق کی سمت اَلْاِیغَارَیْن (بصیغۂ تثنیہ۔ واحد: اِیغار) کا علاقہ تھا۔ اس کے صدر مقام کا نام بھی کَرَج تھا، اور دوسرے کرج سے ممیز کرنے کے لئے اِسے کَرَج ابودُلَف کہتے تھے۔ اس کَرَج کا صحیح موقع معلوم نہیں؛ لیکن سفرناموں میں جو فاصلے بیان کیے گئے ہیں، اور اُس واقعہ سے جو مستوفی نے

[1] ابن رُستہ ص ۱۶۶ + ابن حوقل ص ۲۵۹ ، ۲۶۲ + مقدسی ص ۳۹۳ + یاقوت ج ۲۔ ص ۸۳۲ + ج ۴۔ ص ۸۲۷ + ۸۲۷ + مستوفی ص ۱۵۲ ، ۱۵۳ + کَرَج کے کھنڈر غالباً یہی ہیں جن کو ڈی مارگن نے تفصیل سے بیان کیا ہے، اور جن کا نام اُس نے رُوذی لاوَر لکھا ہے (دیکھو Mission en Perse مصنفہ De Morgan ج ۴۔ ص ۱۳۶)۔

لکھا ہے، یہ شہر کوہ رَاسمنَد کے نیچے (جس کو یقین کے ساتھ سلسلۂ راسمند سے
مطابق سمجھا جاتا ہے) واقع تھا۔ شہر کَرَج کا موقع اُس دریا کے ابتدائی حصہ کے
قریب کہیں تلاش کرنا چاہئے جو موجودہ دریائے قَرا سُو میں ملنے کے لئے
سلطان آباد کے پاس سے گزرا ہے۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے
لکھا ہے کہ کَرَج بُروجِرد سے چھوٹا تھا، لیکن وہ بڑا مقام تھا، اور بلندی پر
آباد تھا۔ شہر کے مکانات دو فرسخ سے زیادہ زمین پر پھیلے ہوئے تھے، اور وہاں
دو بازار تھے؛ ایک بازار باب مسجد الجامع کے قریب تھا اور دوسرا باب مسجد الجامع
۱۹۸ کے مقابلہ میں جو شہر کا دروازہ تھا، وہاں تھا۔ یہ دروازہ اُس میدان کے پار تھا
جسے بڑا میدان کہتے تھے۔ شہر میں حمام بہت تھے، مکانات اچھے تھے، اور اکثر
کچی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے۔ باغ کم تھے۔ لیکن شہر کی حدود کے گرد جو باغ تھے
وہ نہایت سرسبز و شاداب تھے۔ ابودُلَف، جس کے نام سے یہ شہر امتیاز کے
لئے کَرَج ابودُلَف موسوم ہوا، ایک مشہور سپہ سالار اور خلیفہ ہارون الرشید اور
اُس کے بیٹے مامون الرشید کے دربار کا شاعر تھا۔ ابودُلَف اور اُس کی اولاد
اس علاقہ میں بس گئی۔ یہ علاقہ مع بُرج کے علاقہ کے، جو اصفہان سے بارہ فرسخ
کی مسافت پر تھا، ابودُلَف اور اُس کی اولاد کو بطور ایغار، یعنی جاگیر دوامی کے
دیا گیا، جس کی بابت ان کو ایک سالانہ رقم سرکاری خزانہ میں ادا کرنی پڑتی تھی، اور
باقی تمام محاصل معاف تھے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ ایران کے لوگ کَرَج کا
تلفظ کَرَہ کرتے تھے۔ فَرَزِین نام ایک قلعہ تھا، جو کَرَج کے دروازے
سے دور نہ تھا۔ مستوفی، جس نے یہاں کے دریا کا ذکر کَرَہ رُود کے نام سے
کیا ہے، لکھتا ہے کہ یہاں سے کوہ راسمند شمال کی جانب سطح زمین سے
بلند ہونا شروع ہوا تھا۔ اُس پہاڑ کی تلیٹی میں پانی کا ایک چشمہ تھا جسے کیخسرو کہتے تھے۔ اس
چشمے سے قرب و جوار کے تمام چراگاہیں جو طول میں چھ فرسخ اور عرض میں تین
فرسخ تھیں سیراب ہوتی تھیں۔ یہ چراگاہیں مرغزار کیتو کہلاتے تھے، اور قلعہ
فَرَزِین کی پناہ میں تھیں۔ کوہ راسمند کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ سنگ
سیاہ کا ایک پہاڑ تھا، جو کوہ بیستون کی طرح بلند تھا۔ پہاڑ کے نیچے بڑی گہری

گھاٹیاں تھیں، اور پہاڑ کا دور دس فرسخ تھا۔ شہر بُرُج، جو ایغارَین کا دوسرا شہر تھا، اُس کے موقع کی شناخت ابھی تک نہیں ہوئی ہے؛ لیکن اندازے سے اس کا موقع معلوم ہے۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ بُرج ایک عمدہ اور خوشحال شہر تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ یہ شہر اصفہان[1] کی طرف جانے والی سڑک پر کَرَج سے تقریباً بارہ فرسخ کے فاصلے پر واقع تھا[2]۔

دریائے کَرَج کے زیرین حصہ، اور کَرَج ابودُلَف کے شمال میں علاقہ فَراہان کا شہر سَاوُرک ہے، جس کا ذکر یاقوت اور مستوفی نے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ ھَمَدان سے متعلق تھا۔ دولت آباد کو، جو اب تک موجود ہے، اس نواح کا ایک مشہور شہر بتایا گیا ہے۔ نمک کے آبی قطعات جو ایک جھیل کی وجہ سے بن گئے تھے، چار فرسخ مربع رقبہ واقع تھے۔ موسم گرما میں پانی خشک ہونے سے ان میں عمدہ نمک جم جاتا تھا، جسے نکال کر دساور کرتے تھے۔ مستوفی لکھتا ہے کہ مغلوں نے اس جھیل کا نام سَغَان نادُر (نمک کی جھیل) رکھا تھا۔ یہ بلاشبہ وہی جھیل ہے، جسے آج تولاَ کہتے ہیں۔ ھَمَدان کے جنوب مغرب میں، اور اس شہر اور نہاوند کے تقریباً درمیان، رامِین کا چھوٹا سا شہر واقع ہے، جسے یاقوت نے علاقہ ھَمَدان سے متعلق بتایا ہے۔ لیکن اس کے سوا اور کچھ حال اس شہر کا اور کسی مصنف نے نہیں لکھا[3]۔ (۱۹۹)

---

(۱) ابن حوقل (ص ۲۵۸) نے اس نام کا املا اِصبَہان کیا ہے۔ مترجم

[2] ابن حوقل ص ۲۵۸، ۲۶۲ + مقدسی ص ۳۹۴ + یاقوت ج ۱۔ ص ۴۲۰، ۸۰۴ + ج ۲۔ ص ۳۰۸ + ج ۴۔ ص ۲۵۰، ۲۷۰ + مستوفی ص ۱۵۱، ۱۴۰

[3] یاقوت ج ۳۔ ص ۲۶، ۸۶۷، ۸۸ + ج ۴۔ ص ۸۲۳ + مستوفی ص ۱۵۱ + آج کل اس علاقہ کا صدر مقام، جو قالینوں کے لئے مشہور ہے، سلطان آباد ہے۔ اسے انیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں فتح علی شاہ نے بسایا تھا، اور عام طور پر وہ شہر نو (نیا شہر) کہلاتا ہے۔

باب چہاردہم (۲۰۰)

جبال (جاری)

لُرِخُرد۔ بُرُوجِرد۔ خُرَّم آباد۔ شَاپُور خواست۔ سِیرَوان اور صَیمَرَہ۔ اصفہان اور اُس کے علاقے۔ فِیرُوزان، فارِفان اور نَہْرِ زَندَہ رُوذ۔ اَردِستان۔ کاشان۔ قُم، گُلپَایگان اور دریائے قُم۔ آوہ اور ساوہ۔ دریائے گاؤماہا۔

ہَمَدَان کے جنوب میں لُرِستان ہے۔ یہ علاقہ لُر قبائل کا، جو کردوں کے ہم جد ہیں، وطن ہے۔ اُس کوہستانی علاقے کو اُس کے دریاؤں نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ لُرِ کلان جنوب میں، اور لُرِ خورد شمال میں ہے، لُرِخورد کے علاقے کو دریائے کاشِ رود بالا کا اصلی دھارا لُرِ کلان سے جدا کرتا ہے؛ اور لُرِ کلان کے شہروں کے متعلق سہولت اس میں ہے کہ ان کو خوزستان کے حالات میں بیان کیا جائے؛ اگرچہ یہ درست ہے کہ بعض مصنف لُرِکلان کو عراقِ عجم کا ایک حصّہ تصوّر کرتے ہیں۔

لُرِخورد کے وہ بڑے شہر، جن کا تذکرہ مستوفی نے آٹھویں (چودھویں) صدی میں کیا ہے، بُرُوجِرد، خُرَّم آباد اور شاپُور خواست[۱] ہیں۔ بُرُوجِرد کے متعلق ابن حوقل نے چوتھی (دسویں) صدی میں لکھا ہے کہ وہ ایک خوبصورت شہر تھا؛ اور اُس کا نظم ونسق فراخ تھا۔ اُس کے میوے کَرَج بھیجے جاتے تھے۔ زعفران یہاں بکثرت پیدا ہوتی تھی۔ اُس شہر کی بزرگی اُس وقت اور

(۱ ابن حوقل (ص ۲۶۲) نے اس شہر کا نام شابُرخاست لکھا ہے۔ مترجم)

زیادہ ہو گئی تھی جب کہ بنی دُلَف (جن کا تذکرہ ہو چکا ہے) کے وزیر حَمُولَہ نے یہاں ایک جامع مسجد تعمیر کرائی۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو یہاں دو مسجدیں تھیں ایک پرانی اور ایک نئی۔ لیکن وہ لکھتا ہے کہ شہر اُس زمانے میں برباد ہونا شروع ہو گیا تھا۔ علی یزدی (جس نے اس کا نام ہر موقع پر وُرُوجِرد لکھا ہے) تیمور کی فوجی مہموں کی تاریخ میں اس شہر کا تذکرہ اکثر کرتا ہے۔ تیمور کے حکم سے یہاں کا قلعہ، جو قلعۂ اَرمیان کہلاتا تھا، ٹوٹ جانے کے بعد درست کیا گیا[۱]

(۲۰۱) تیمور کے زمانے میں خُرّم آباد کا شہر بُرُوجِرد کے بعد لُرِ خُورد کا سب سے بڑا شہر سمجھا جاتا تھا، لیکن زمانۂ وسطیٰ کا کوئی عرب جغرافیہ نویس اس کا ذکر نہیں کرتا۔ اکثر یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ خُرّم آباد اور شاپورِ خواست، جن کا ذکر پرانی کتابوں میں ملتا ہے، دونوں سے مراد ایک ہی شہر تھا۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ مستوفی نے ان دونوں شہروں کا ذکر الگ الگ کیا ہے؛ اور اس کے علاوہ اس مصنف نے شاپورِ خواست کی جائے وقوع بھی معین کی ہے۔ جب مستوفی نے اپنی کتاب آٹھویں (چودھویں) صدی میں لکھی ہے تو اس وقت خُرّم آباد، باوجود ایک حد تک برباد ہو جانے کے، بارونق اور اچھا شہر تھا۔ یہاں کھجور کے درختوں میں بافراط پھل آتا تھا؛ اور مستوفی کہتا ہے صَیمَرَہ کے سوا تمام کوہستانی علاقے میں یہی ایک مقام تھا جہاں کھجور کا درخت لگ سکتا تھا۔ لیکن اس قول کا بالکل درست ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

شاپورِ خواست کی کھجوریں بھی (جسے عرب جغرافیہ نویس سابُرخواست لکھتے ہیں) ابن حوقل کے زمانے سے مشہور تھیں۔ چوتھی (دسویں) صدی میں شاپورِ خواست، مع بُرُوجِرد اور نہاوند کے، کُرد سردار حَسَنوَیہ

[۱] ابن حوقل ص ۲۵۸، ۲۶۲ + یاقوت ج ۱- ص ۵۹۶ + ج ۲- ص ۷، ۳ + مستوفی ص ۱۵۱ + علی یزدی ج ۱- ص ۵۸۷ + ج ۲- ص ۵۱۵ +

کے قبضے میں آگیا۔ حَسنَوَیہ وہی شخص ہے جس کے متعلق ہم بیان کر آئے ہیں کہ اُس نے دِینَوَر میں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ شاپور خواست کے قلعہ دِزبَز میں، جو استحکام کے لحاظ سے قلعہ سَرماج کا ہمسر تھا، حَسنَوَیہ کا بیٹا، بدر، اپنا خزانہ رکھتا تھا۔ یہ خزانہ سنہ ۴۱۴ھ (سنہ ۱۰۲۳ء) میں بنی بُویہ کے ہاتھ آگیا۔ پانچویں (گیارھویں) صدی میں شاپور خاست کا ذکر سلجوقیوں کے تاریخی کارناموں میں اکثر آتا ہے۔ سنہ ۴۹۹ھ (سنہ ۱۱۰۶ء) میں نہاوند اور لیشتر (الیشتر) کے ساتھ شاپور خاست بھی منکوبرز اتابکوں کے قبضے میں آگیا۔ آٹھویں (چودھویں) صدی کی ابتدا میں مستوفی نے اپنی کتاب "تاریخ گزیدہ" میں لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں لرِ خورد میں تین بڑے آباد شہر موجود تھے، یعنی: بُروجِرد، خُرّم آباد اور شاپور خواست۔ اس کے بعد اُس نے بیان کیا ہے کہ یہ آخر کا شہر "شاپور خواست اگرچہ کسی زمانے میں بہت بڑا شہر تھا، مختلف اقوام کے لوگ اُس میں آباد تھے اور حکومت کا صدر مقام بھی تھا، لیکن اب وہ کم ہوتے ہوتے صوبہ کا ایک معمولی شہر رہ گیا ہے"۔ اس کی جائے وقوع کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ جو بڑی سڑک نہاوند سے اصفہان کو جاتی ہے، جب بیچ میں بُروجِرد پہنچتی ہے تو یہاں سے دائیں ہاتھ کو جنوب کی طرف اُس کی ایک شاخ شاپور خواست تک گئی ہے، اور بُروجِرد سے نہاوند اور اصفہان والی سڑک بائیں ہاتھ کو مشرق کی طرف مڑ کر کَرَج ابودُلَف تک چلی گئی ہے۔ اس تمام تفصیل سے ابن حوقل اور مقدسی کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے؛ کیونکہ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ نہاوند سے لاشتر دس فرسخ، اور لاشتر سے شاپور خواست بارہ فرسخ
(۲۰۲) تھا؛ اور اس مقام سے لرِ کلان، یعنی اُن میدانوں کا فاصلہ جو شہر دِزفل کے شمال میں واقع تھے (۳۰) فرسخ تھا۔ اِن میدانوں کا ذکر سولھویں باب میں کیا جائیگا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شاپور خواست سے کَرَج ابودُلَف چار منزل تھا، اور شاپور خواست سے لُر کا بھی یہی فاصلہ تھا۔[1]

---

[1] ابن حوقل ص ۲۵۹، ۲۶۴؛ مقدسی ص ۴۰۱؛ یاقوت ج ۲۔ ص ۲۷۵؛ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

لُرخوردکے جنوب میں، اور عراق عرب کی سرحد پر ماسَبَذان اور مِہرجان قُذَق کے دو علاقے تھے۔ ان کے دو بڑے شہر سِیرَوان اور صَیمَرہ تھے۔ ان دونوں شہروں کے کھنڈر اب تک موجود ہیں، اور اس کے علاوہ ماسَبَذان کا نام اب اُس علاقے کو دیا جاتا ہے جو مائی دشت کے جنوب میں واقع ہے۔ سِیرَوان (یا السِیرَوان) ابن حوقل کی تحریر کے مطابق ایک چھوٹا سا شہر تھا، جس کے مکانات پتھر اور چونے گچ کے بنے ہوئے تھے اور موصل کے مکانوں سے ملتے جلتے تھے۔ گرم و سرد [جَرُوم وصَرُود] دونوں ملکوں کے میوے خصوصاً اخروٹ، خربوزے، اور خربوزہ میں ایک خاص قسم کا پھل جسے دَستَبوِیہ[1] کہتے تھے یہاں خوب پیدا ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ، جیساکہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں، یہاں کھجور کے درخت بھی افراط سے اُگتے تھے۔ قزوینی نے لکھا ہے کہ ماسَبَذان کے علاقہ میں نمک، گندھک، زاج اور سہاگے کی کانیں تھیں۔ سِیرَوان سے تقریباً پچاس میل مشرق میں صَیمَرہ کا شہر سِیرَوان سے ملتا جلتا تھا، اور صَیمَرہ کا شہر سِیرَوان کے بعد بھی ایک مدت تک معمور و آباد شہر رہا، کیونکہ اس کی جائے وقوع سِیرَوان سے بہتر تھی۔ مِہرجان قُذَق کا علاقہ، جو صَیمَرہ کے گرد واقع تھا، چوتھی (دسویں) صدی میں اپنی زرخیزی کے لئے مشہور تھا، اور مقدسی نے یہاں کی گنجان آبادی کا تذکرہ کیا ہے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ یہاں کھجوریں اور زیتون، اخروٹ بافراط ہوتے تھے اور برف بھی بہت گرتا تھا۔ صَیمَرہ سے تَرحان کے قصبے کو جانے والی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ج ۲۔ ص ۴، ۲، ۸، ۲۲۵+ ابن اثیر ج ۹۔ ص ۴۱۷+ ج ۱۰۔ ص ۲۷۴+ مستوفی ص ۱۵۱، ۱۹۵+ تاریخ گزیدہ (گنٹن) ج ۱۔ ص ۶۲۳+ تاریخ گزیدہ کے قلمی نسخے (فولیو ۱۵۹) میں لُرخورد کے حالات باب ۴ کے حصہ یازدھم کے آخر میں ملتے ہیں، اور ان حالات سے قبل باب کا وہ حصہ ہے کہ جس میں مصنف نے تاتاریوں (مغول) کے حالات لکھے ہیں۔ شہر کا نام مختلف طور سے شابُورخواست، سابُورخواست، شابُرخَست لکھا جاتا ہے۔ اس شہر کے کھنڈروں کی نسبت اب تک نہیں معلوم ہوسکا کہ کہاں واقع ہیں۔

[1] غالباً یہ وہی چیز ہے جس کو ہندوستان میں کچری کہتے ہیں (مترجم)۔

سڑک پر ایک عجیب و غریب پل تھا' جو حُلوَان اور خانقین کی سڑک والے پل سے دگنا تھا"۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو ضیمرہ گو اُس وقت برباد ہو چلا تھا لیکن پھر بھی وہ ایک خوبصورت شہر تھا' اور اس کے گرد و نواح کے نخلستان مشہور تھے۔

صوبۂ جبال جنوب مشرقی گوشہ پر' اور ایران کے صحرائے اعظم کی سرحد
(۲۰) کے قریب اصفہان شہر تھا" جسے عرب اِصبہان اور ایرانی اِسپہان کہتے تھے۔ یہ شہر یقیناً بہت قدیم زمانے سے اپنی سیر حاصل زمینوں کی وجہ سے جو زایندہ رُود کے بافراط پانی سے سیراب ہوتی تھیں' بڑا مقام ہوگا۔ آج کل اصفہان اور اُس کے بیرونی بستیاں اسی دریائے زایندہ کے دونوں کناروں پر آباد ہیں' لیکن زمانۂ وسطیٰ میں شہر کے آباد حصے صرف دریا کے شمالی یا بائیں کنارے پر واقع تھے۔ یہاں دو شہر پہلو بہ پہلو آباد تھے: مشرق میں جَےّ یا شہرستان' جس کی فصیل تھی' اور فصیل پر سو برج تھے' اور اس شہر سے دو میل مغرب کی سمت میں اَلیہُودِیہ (یعنی یہودیوں کا شہر) جَےّ سے دگنا تھا۔ الیہودیہ کی نسبت یہ روایت تھی کہ یہ نام یہودیوں کی وجہ سے پڑا' جو یہاں قدیم بابل کے بادشاہ بنوکد نصر کے زمانہ میں آباد کر دیئے گئے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۴) اور ان حالات سے قبل باب کا وہ حصہ ہے کہ جس میں مصنف نے تاتاریوں مغول کے حالات لکھے ہیں۔ شہر کا نام مختلف طور سے شاپور خواست' شابرخست لکھا جاتا ہے۔ اس شہر کے کھنڈروں کی نسبت اب تک نہیں معلوم ہو سکا کہ کہاں واقع ہیں۔

۵۱ ابن حوقل ص ۲۶۳' ۲۶۲ + مقدسی ص ۳۹۴' ۳۸۶ + یعقوبی ص ۲۶۹ + قزوینی ج ۲ ص ۱۷۲ + یاقوت ج ۳ ص ۴۳۳' ۵۲۵ + مستوفی ص ۱۵۱ +

۵۲ فارسی میں شہرستان یا شہرستانہ کے معنی وہی ہیں جو انگریزی میں ٹاؤن شپ (Township) کے ہیں' یعنی کسی شہر کی حدودِ حکومت + شہرستان یا شہرستانہ اکثر دارالحکومت کیلئے بولا جاتا تھا +

ابن رُستہ نے تیسری (نویں) صدی میں لکھا ہے کہ جَے کے شہر کا قطر نصف فرسخ، اور اس کا رقبہ (۲۰۰۰) جریب (یعنی چھ سو ایکڑ کے قریب) تھا۔ شہر پناہ میں چار دروازے تھے، باب الخوَر (خلیج والا دروازہ) یا باب زریاین رُوذ (زایندہ رُود کو پہلے زریاین رُوذ لکھا کرتے تھے) بَاب اَشفِیج، باب طِیرَہ اور بَاب یَہُودِیہ۔ ابن رُستہ نے دو دو دروازوں کے درمیان فصیل پر جتنے بُرج تھے اُن کی تعداد، اور انکا باہمی فاصلہ (ذرع میں) بیان کیا ہے۔ جَے میں ایک پرانی عمارت قلعہ کے شکل کی تھی، جسے سارُوق کہتے تھے۔ یہی نام، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، ہَمَدَان کے قلعہ کا بھی تھا۔ ابن رُستہ نے لکھا ہے کہ جَے والا یہ سارُوق طوفان نوحؑ کے وقت سے چلا آتا تھا۔ آیندہ صدی (یعنی چوتھی (دسویں صدی)) میں ابن حوقل اور مقدسی دونوں نے جَے اور یہودیہ کا تذکرہ کیا ہے۔ ہر شہر میں ایک بڑی جامع مسجد تھی، اور صرف یہودیہ وسعت کے لحاظ سے ہَمَدَان کے برابر، اور صوبۂ جبال کا درحقیقت سب سے بڑا شہر تھا۔ ممکن ہے کہ رَے کا شہر اِس کلیہ سے مستثنیٰ ہو۔ اِس زمانہ میں اصفہان تجارت کا بڑا مرکز بن چکا تھا، اور اس کے ریشمیں پارچے، خصوصاً عتابی، اور سوتی کپڑے بہت درساور کئے جاتے تھے۔ زعفران اور ہر قسم کے پھل اس علاقہ میں عمدہ پیدا ہوتے تھے، اور یہ علاقہ تمام صوبۂ جبال میں سب سے زیادہ وسیع اور مرفہ الحال تھا۔ مقدسی کی تحریر کے مطابق بخت نصر نے ابتداء میں یہودیوں کو الیَہُودِیہ میں بسایا تھا، کیونکہ اُس کی آب و ہوا بیت المقدس کی سی تھی۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر میں بارہ دروازے (درب) تھے، اور اُس کے مکانات کچی اینٹوں کے تھے، اور شہر میں کھلے اور مسقف (۲۰۴)
دونوں طرح کے بازار تھے۔ ان میں سے ایک بازار میں مسجد تھی، مسجد میں گول ستون لگائے گئے تھے، اور قبلہ کی طرف ستر ذرع اونچا ایک مینار تھا۔ مقدسی لکھتا ہے کہ قریب کے شہر جَے کی حدود حکومت کو، جو شرق میں صرف دو میل کے فاصلے سے تھیں، عرب، المدینہ کہتے تھے، جو فارس

میں شہرستانہ کا مترادف ہے۔ اس شہر کے قدیم قلعہ کے نیچے چوتھی (دسویں) صدی میں، دریا کو کشتیوں کے پل سے عبور کیا جاتا تھا۔

۴۴۴ھ (۱۰۵۲ء) میں مشہور ایرانی سیاح ناصر خسرو اصفہان سے گزرا تھا؛ اس نے لکھا ہے کہ فارسی بولنے والوں کی تمام سرزمین میں جہاں جہاں وہ گیا ہے ان میں یہ شہر سب سے بڑا تھا۔ اس میں دو سو تو صرّاف ہی تھے۔ اور پچاس کاروان سرائیں تھیں۔ شہر کے گرد ایک فصیل تھی، جس کا محیط ساڑھے تین فرسخ تھا، فصیل میں کنگرے اور برج تھے، اور فصیل کے اوپر ایک راستہ برابر چلا گیا تھا۔ جامع مسجد ایک نہایت عالی شان عمارت تھی، اور صرّافوں کا بازار قابل دید تھا۔ بازار متعدد تھے، مگر سب سربستہ۔ ہر ایک بازار کا ایک دروازہ تھا، جس کے بند کر لینے سے کل بازار بند ہو جاتا تھا۔ ساتویں (تیرھویں) صدی کے شروع میں جب یاقوت نے اپنی کتاب لکھی ہے تو یہودیہ اور جے دونو ویران ہو چکے تھے، تاہم دونوں میں سے جے زیادہ آباد تھا۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ جے کی جامع مسجد خلیفہ منصور راشد کی تعمیر کرائی ہوئی تھی۔ اس خلیفہ کو اس کے چچا محمد مقتفی نے ۵۳۰ھ (۱۱۳۶ء) میں خلافت سے برطرف کر دیا تھا۔ اس کے بعد منصور راشد ایک جنگ میں کام آیا۔ اس کا جنازہ اصفہان لاکر دروازۂ شہر کے باہر دفن کیا گیا۔ بہر حال مغلوں کی یورش کے بعد یہودیہ کی رونق ایک حد تک پھر بحال ہو گئی اور ۷۲۰ھ (۱۳۲۱ء) میں ابو الفداء نے اپنی کتاب لکھی ہے تو وہ ایک آباد اور معمور شہر تھا۔ چنانچہ ابو الفداء لکھتا ہے کہ یہودیہ کے باہر ایک میل کے فاصلے پر مشرق کی سمت میں شہرستان نام کی ایک بیرونی بستی تقریباً اسی جگہ واقع تھی، جہاں کسی زمانہ میں جے کا شہر آباد تھا۔

ابو الفداء کے ہمعصر مستوفی نے اصفہان اور اس کے علاقوں کے حالات بہت طول و تفصیل سے بیان کئے ہیں، اور بہت سے ایسے مقامات کے نام بھی بیان کئے ہیں جو اب تک موجود ہیں۔ اس کے

بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ وسطیٰ کا یہودیہ وہ اصفہان تھا جس کا ذکر سترھویں صدی کے آخری حصہ میں شارڈین (Chardin) نے اُس وقت کیا ہے جبکہ اصفہان شاہ عباس صفوی کے زمانہ میں تمام ایران کا دارالسلطنت ہوگیا تھا، اور جس کی قدیم شان و شوکت کے آثار اب بھی پائے جاتے ہیں۔ مستوفی کے قول کے مطابق اس کی شہر پناہ کا دور (۲۱۰۰۰) قدم تھا، اور اسے بنی بُوَیہ کے بادشاہ عَضُدُ الدَولہ نے چوتھی (دسویں) صدی میں تعمیر کرایا تھا۔ جس رقبہ پر اصفہان آباد تھا اس پر کسی زمانہ میں چار قریئے تھے، اُن قریوں کے مٹ جانے کے بعد ان کے نام شہر کے محلوں کے ناموں میں باقی ہیں۔ یعنی کرّان[1] (باب کرّان کا ذکر شارڈین نے کیا ہے کہ وہ شہر کی شرقی سمت میں تھا) گوشک[2] جُوجُوہ[3] (شارڈین کے زمانہ میں یہ شہر کا شرقی محلہ تھا اور باب جُوبَارَہ شہر کی شمالی شرقی سمت میں تھا)، کردَشت[4] (اس نام کا دروازہ شمال کی سمت میں تھا، اور اس نام کا محلہ شمال مغرب میں)۔ مستوفی لکھتا ہے کہ سلجوقیوں کے عہد میں شہر کا سب سے زیادہ آباد حصہ جُلْبَارہ کہلاتا تھا (یہ وہی محلہ ہے جسے شارڈین نے گلبار لکھا ہے، اور موجودہ میدان کُہنہ کے گرد واقع تھا) اسی محلہ میں سلطان محمّد سلجوقی کا مدرسہ اور مقبرہ تھا اور یہیں ایک دس ہزار من (یعنی کچھ کم (۳۲) ٹن[1]) کا وزنی پتھر تھا۔ یہ حقیقت میں ایک بڑا بت تھا، جسے سلطان محمّد ہندوستان سے لایا تھا، اور یہاں مدرسہ کے دروازہ پر نصب کیا تھا[2]۔ (۲۰۵)

آٹھویں (چودھویں) صدی کے اختتام پر جب تیمور نے اصفہان کو

---

(۱) ایک ٹن = ساڑھے ستائیس انگریزی من کے مترجم) +

(۲) سلطان محمّد نے ۴۹۸ھ سے ۵۱۱ھ تک (۱۱۰۴ء تا ۱۱۱۷ء) حکومت کی۔ یہ ملک شاہ سلجوقی کا بیٹا تھا۔ تاریخ میں کہیں مذکور نہیں کہ اس سلطان محمّد نے کبھی ہندوستان میں فتوحات حاصل کی ہوں۔ غالباً مستوفی نے سلطان محمود غزنوی کی جگہ سلطان محمّد سمجھ لیا ہے۔

فتح کر لیا تو جس قلعہ میں وہ ٹھیرا تھا اُس کا نام قلعہ طَبَرَک بیان کیا گیا ہے۔ طَبَرَک کے معنی فارسی بولی میں چھوٹی پہاڑی کے ہیں۔ اس قلعہ کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ شارڈین لکھتا ہے کہ وہ باب دَرِدَشت کے باہر واقع تھے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ملک شاہ سلجوقی نے ایک اور مضبوط قلعہ شاہ دیز (شاہی قلعہ) (سنہ ۵۰۰ھ سنہ ۱۱۰۷ء) میں اصفہان کے قریب ایک پہاڑ کی چوٹی پر تعمیر کرایا تھا، اور قزوینی نے ایک طویل حکایت بیان کی ہے کہ وہ کیا حالات تھے جس میں اس قلعہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ دسویں (سولھویں) صدی کے شروع میں ایران پر شاہ اسمٰعیل صفوی کی حکومت قائم ہوگئی، اور اسی صدی کے اختتام پر شاہ عباس اعظم نے اپنا دارالسلطنت اَردَبیل سے اصفہان کو منتقل کیا، اور اسی شہر کے ایک نئے محلہ میں، جسے زندہ رود کے جنوبی یعنی دائیں کنارے تعمیر کرایا تھا، دریائے اَرَس کے ساحل کے شہر جُلفہ کے تمام ارمنی باشندوں کو اُن کے شہر سے اٹھا کر آباد کر دیا۔ شاہ عباس صفوی نے اصفہان میں اور نئے محلے اور شہر کے باہر بستیاں بسائیں۔ لیکن یہ کل اضافے زندہ رود کے شمال میں ہوئے۔ شارڈین نے، جو سترھویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں برسوں تک اصفہان میں رہا تھا، ان بستیوں کا ذکر بہت تفصیل سے کیا ہے۔[۱]

[۱] ابن رستہ ص ۱۶۰، ۱۶۱ + ابن حوقل ص ۱۶۱ + مقدسی ص ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹ + ناصر خسرو ص ۹۲ + یاقوت ج ۱ ص ۱۸۱ + ج ۳ ص ۲۴۲ + ج ۴ ص ۵۲، ۱۰۴ + ابوالفداء ص ۴۱۱ + مستوفی ص ۱۴۲ + علی یزدی ج ۱ ص ۴۳۱ + قزوینی ج ۲ ص ۲۶۵ + شارڈین کی کتاب کا نام حسب ذیل ہے:۔ Voyages du Chavalier Chardin en Perse (امسٹرڈم سنہ ۱۷۱۱ء) + اس کی آٹھویں جلد میں صرف اصفہان کے حالات ہیں۔ خصوصاً دیکھو صفحہ ۱۲۲، ۱۲۰، ۱۴۷، ۱۵۳، ۲۱۳، ۲۲۷، ۲۲۹ + موجودہ اصفہان کے لئے دیکھو:۔ Houtum Schindlen کی کتاب Eastern Persian Iraq (سنہ ۱۸۹۶ء) ص ۱۰، ۱۹، ۱۲۲ +

(۲۰۶) اصفہان کے گرد کے آٹھ علاقے، جن کے نام، مع اُن کے متعلقہ دیہات کے مستوفی نے بہت احتیاط سے گنوائے ہیں۔ یہ اب تک موجود ہیں، اور جو نام ان کے مستوفی نے لکھے ہیں وہی یعقوبی اور تیسری اور چوتھی (نویں اور دسویں) صدی کے اور پُرانے مصنفوں نے بھی لکھے ہیں۔ ان میں سے چار علاقے دریا کے شمال میں، اور باقی چار دریا کے دائیں کنارے پر جنوب کی طرف ہیں۔ اگر شمالی علاقوں سے شروع کیا جائے تو وہ علاقہ جو بالکل شہر کے گرد واقع تھا جے کہلاتا تھا، یہ نام در اصل پرانے شہر کا تھا جو مشرق کی سمت میں تھا۔ علاقۂ مَارِبِیْن اصفہان کے مغرب میں تھا، اور یہیں وہ پرانا علاقہ موسوم بہ دیو بند تھا، جسے ایران کے اساطیری بادشاہ طَہمُورَث نے بنوایا تھا۔ شمال مغرب میں، شہر کے دروازوں سے تھوڑے فاصلے پر بُرْخَوار کا علاقہ تھا، اور اس علاقہ میں جَبْ (موجودہ گز) سب سے بڑا قریہ تھا۔ شہر کے شمال میں قَہاب کا علاقہ تھا، یہ دریا کے شمالی کنارے پر چوتھا علاقہ تھا۔ زاینده رُود کے جنوب اور قدیم شہر شَہرِستانہ کے جنوب مشرق میں بَرَاآن کا علاقہ تھا، اور اس سے آگے، دریا کے بہاؤ کی طرف کچھ دُور جاکر علاقۂ رُوْدَشْت تھا۔ رُوْدَشْت کا خاص مرکز فارِفَان تھا، جو آٹھویں (چودھویں) صدی میں ایک بڑے شہر کی حیثیت رکھتا تھا، گو آج کل محض ایک گاؤں رہ گیا ہے، جو گاؤخانہ کے بڑے مُرداب کے قریب واقع ہے۔ کَرَارِیج کا علاقہ بَرَاآن کے جنوب میں ہے، اور اس کے مغرب میں زاینده رُود کے دائیں کنارے پر، دریا کے چڑھاؤ کی طرف کچھ دُور جاکر خَالَنْجان کا بڑا علاقہ تھا۔ یہ دریا کے جنوب والے چار علاقوں میں سب سے آخری علاقہ تھا۔ خَالَنْجان کا خاص شہر فِیرُوزان تھا۔ اگرچہ بظاہر فیرُوزان کا اب کوئی نشان باقی نہیں ہے، لیکن آٹھویں (چودھویں) صدی میں، وہ زاینده رُود کے کنارے پر بڑا شہر تھا، جس کو دُو حصّوں والا لکھا ہے + ابن بطوطہ، جو فیرُوزان

میں سے گزرا تھا، لکھتا ہے کہ یہ شہر اصفہان سے چھ فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ہی خَالَنْجَان کا علاقہ میوؤں کی افراط اور زمین کی زرخیزی میں مشہور تھا۔ اس کا نام خَالَنْجَان یا خُولَنْجَان دونوں صورتوں میں لکھا جاتا ہے، اور خان (لاَبِرْاد (اینک لوگوں کی سرائے) کے نام سے بھی وہ مشہور تھا۔ اور ایک شہر کا نام ہونے کی حیثیت سے خَالَنْجَان بلاشبہ وہی شہر ہے جسے فِیْرُوزَان کہتے ہیں۔ سفرناموں میں اس شہر کو اصفہان کے جنوب میں اُس سڑک پر پہلی منزل لکھا ہے جو اصفہان سے مغرب کی سمت میں شروع ہو کر
شیراز کو جاتی تھی۔ پانچویں (گیارھویں) صدی میں ناصر خسرو (۲۰۷)
اصفہان جاتے ہوئے خَالَنْجَان سے گزرا تھا، اور اُس نے اس شہر کے دروازہ پر ایک کتبہ دیکھا، جس میں سلطان طغرل بیگ سلجوقی کا نام درج تھا[1]۔

دریائے اصفہان کا بڑا دھارا آج کل زَایَنْدَہ رُود کہلاتا ہے۔ اس کو ہمارے مختلف مصنفوں میں کوئی زَائِنْدَہ رُود اور کوئی زَرِین رُود لکھتا ہے، گو زَرِیْن رُوْد کا نام آج کل عام طور سے ایک معاون دریا کو دیا جاتا ہے۔ اس دریا کا اصلی دھارا اپنے رہگزر کے شروع

[1] ابن خرداذبہ ص ۲۰، ۵۸ + ابن رستہ ص ۱۵۲ + قدامہ ص ۱۹۷ + ابن حوقل ص ۲۰۱ + یعقوبی ص ۲۷۵ + مقدسی ص ۳۸۹، ۴۵۸ + یاقوت ج ۱ ص ۲۹۴ + ج ۲۔ ص ۴۹۴ + ج ۳۔ ص ۹۲۹ + مستوفی ص ۱۴۳ + ایک حد تک اس کی نقل جہاں نما (ص ۲۹۱) نے کی ہے + ابن بطوطہ ج ۲۔ ص ۴۲ + ناصر خسرو ص ۹۲ + خَالَنْجَان اس وجہ سے مشہور ہے کہ مشہور شاعر فردوسی نے سلطان محمود غزنوی کے عتاب سے بچنے کے لئے یہاں پناہ لی تھی۔ برٹش میوزیم میں شاہنامہ کے ایک قلمی نسخے میں اس واقعہ کا تذکرہ ہے کہ خَالَنْجَان کے حاکم نے کس طرح فردوسی کی خاطر و مدارات کی تھی (Or ۱۴۰۳، فولیو ۵۱۸)۔ اُس کی عبارت اور اُس کا ترجمہ شیفر Scheffer نے ناصر خسرو کے سفرنامہ میں جو خود اُس نے چھپوایا ہے، درج کیا ہے۔ دیکھو ضمیمہ ہ۔ ص ۲۵۸۔

حصے میں جوئے سود کہلاتا تھا۔ اس کا منبع اصفہان سے مغرب میں تیس فرسخ کے فاصلے پر، جہاں سے خوزستان کے دریائے دُجَیل یا کارُون کے سرچشمے دور نہ تھے، ہنادکوہ میں واقع تھا۔ اس پہاڑ کا نام اکثر یہی چلا آتا ہے، کیونکہ اس کی چوٹیاں زرد رنگ کے چونے کے پتھر کی ہیں اور یہیں، مستوفی لکھتا ہے کہ، اُشکہران کے پہاڑ تھے، جن سے لُرِ کلان کی سرحد معین ہوتی تھی۔ علاقہ خالنجان میں شہر فیرُوزان سے زِندہ رُود کے بہاؤ کی طرف کچھ دُور جاکر زندہ رُود میں اس کا ایک معاون دریا شامل ہوتا ہے، جو جسم میں قریب قریب زندہ رُود کے برابر ہے، یہ معاون دریائے گُلپیگان (جُرباذقان) کے قریب ایک مقام سے آتا ہے۔ زندہ رُود اصفہان سے گزرنے اور اس کے آٹھ علاقوں کو سیراب کرنے کے بعد، علاقہ رُودَشت سے کسی قدر مغرب کی طرف بہتا ہوا آخرکار ایران کے صحراء اعظم کی سرحد پر گاؤخانہ کی مُرداب میں گر جاتا ہے۔ عام طور پر یہ یقین کیا جاتا ہے، اور اس کا ذکر تیسری (نویں) صدی میں ابن خُردادبہ نے بھی کیا ہے کہ یہ دریا اس مُرداب میں شامل ہونے بعد نوّے فرسخ کے فاصلے پر صوبہ کرمان میں پھر زمین پر اُبھر آتا تھا، اور یہاں سے آگے چل کر سمندر تک پہنچتا تھا؛ لیکن مستوفی نے، جیسا کہ قیاس چاہتا ہے، اس خیال کو اس بناء پر نہیں مانا کہ اصفہان اور کرمان کے درمیان بڑے بڑے اونچے پہاڑ واقع ہیں۔ اس نے لکھا ہے کہ گو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نرسلوں کے ٹکڑے جب گاؤخانہ کے مُرداب میں ڈالے گئے تو وہ کرمان میں جاکر نکلے، لیکن یہ تمام باتیں قابل یقین نہیں[۱]۔

گاؤخانہ کی مُرداب کے شمال میں بادیۂ ایران کی سرحد پر نائین آباد تھا۔ اِس کے جنوب مشرق میں جو شہر یزد کی طرف آباد تھے وہ

---

[۱] ابن رُستہ ص ۱۵۲؛ ابن خردادبہ ص ۲۰؛ مستوفی ص ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۱۴۔

(۲۸۸) سب زمانہ وسطیٰ میں صوبۂ فارس میں شامل سمجھے جاتے تھے۔اس کی صراحت اٹھارویں باب میں ہوگی۔ لیکن نائین سے شمال مغرب میں چند میل کے فاصلے پر اَرْدِسْتان کا شہر صوبۂ جبال ہی میں شامل تھا۔ابتدائی زمانہ میں یعنی چوتھی (دسویں) صدی میں ہی، اصطخری نے لکھا ہے کہ اَرْدِسْتان کے گرد فصیل تھی، شہر کا قطر ایک میل تھا، فصیل میں پانچ دروازے تھے، اور شہر کی حفاظت کے لئے استحکامات عمدہ بنے ہوئے تھے۔جامع مسجد شہر کے مرکز میں تھی۔ ریشم زیادہ تر باہر بھیجنے کے لیے تیار ہوتا تھا۔ اَرْدِسْتان کے شمال مشرق میں زَوارَہ کے مقام پر چند قدیم آثار تھے، جن کو انوشیروان عادل سے منسوب کیا جاتا تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ اَرْدِسْتان کی مٹی گیہوں کے آٹے کی مانند سفید تھی، اور اس وجہ سے اسے اَرْدِسْتان کہا جاتا تھا، کیونکہ فارسی میں آرد کے معنی آٹے کے ہیں، اور اس طرح آرْدِسْتان کے معنی "آٹے جیسا مقام" ہوئے۔ یاقوت نے ان قدیم آثار کا ذکر اَزْوارَہ کے نام سے کیا ہے۔وہ لکھتا ہے کہ یہاں بہت سی سنگ بستہ محراب دار عمارتیں تھیں، اور ایک آتشکدہ کے کھنڈر بھی تھے۔یہی آتشکدہ کسی زمانہ میں شاہی محل بنا لیا گیا تھا۔ ایک روایت تھی کہ انوشیروان یہیں پیدا ہوا تھا، لیکن مستوفی جس نے اس مقام کا نام زُوارَہ لکھا ہے، لکھتا ہے کہ یہاں کے تمام آثار مع آتشکدہ کے اسفندیار کے بیٹے بہمن کے زمانہ کے تھے۔اور یہ شہر، جو بادیہ کے قریب واقع تھا، اس کے گرد بیس گاؤں تھے۔مستوفی نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ان قریوں کو ایران کے مشہور پہلوان رستم کے بھائی زَوارہ نے بسایا تھا۔

بادیہ کی سرحد پر اَرْدِسْتان اور کاشان کے بیچ میں کرکس کوہ تھا، جسے مقدسی نے ایران کے صحرائے اعظم کا سب سے اونچا پہاڑ لکھا ہے۔اس کے پاس ہی سیاہ کوہ بلندی اور ناہمواری

میں قریب قریب اسی کے برابر تھا، اور دونوں ہیبت ناک اور سیاہ تھے۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ یہ پہاڑ قزاقوں کے چھپنے کے مشہور مقام تھے کرگس کوہ کی ایک وادی میں ایک چشمہ آب بنارہ نام تھا۔ یہ چشمہ پہاڑ کے ایک شگاف سے، جو ہر طرف سے چٹانوں سے گھرا ہوا تھا، جاری تھا۔ کرگس کوہ اور سیاہ کوہ کے تقریباً وسط میں ریگستان کی سڑک پر دَیرُ الجِصّ (کھریامٹی والی خانقاہ) نام ایک کاروان سرائے تھی۔ یہ عمارت محفوظ اور مستحکم تھی بالکل پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی تھی اور آہنی دروازوں سے بند کی جاتی تھی۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ اس کاروان سرا میں بادیہ کے سفر کے لئے رہنما ملتے تھے جو سلطان کے حکم سے یہاں مقرر کئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ پانی کو ذخیرہ کرنے کے لئے یہاں بڑے (۲۰۹) بڑے تالاب بنا دیئے گئے تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ یہ تالاب کبھی بے آب نہ رہتے تھے۔ سرائے میں کھانے پینے کی چیزوں کی فروخت کے لئے دکانیں تھیں۔ مستوفی کا بیان ہے کرگس کوہ تنہا میدان میں کھڑا تھا، کسی سلسلہ کوہ سے اس کا تعلق نہ تھا۔ پہاڑ دور میں نیچے سے دس فرسخ تھا۔ اس کی بلندیوں میں گدھوں کے آشیانے تھے، اور بزکوہی (وَعْل) جو ایک مدت تک بغیر پانی کے رہ سکتے تھے، یہاں بکثرت تھے، آردِستان کے مغرب میں نَطَنز یا نَطَنزَہ کا شہر تھا، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یاقوت سے پہلے کسی عرب جغرافیہ نویس نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ مستوفی نے لکھا ہے کہ اس شہر کا محل وَشاق تھا۔ یہ نام اس شہر کے ایک حاکم کے نام پر مشہور ہوا تھا، گو اصل میں اس کا نام کمَرَت تھا۔ نَطَنز کے قریب طَرق کا بڑا گاؤں تھا، جسے یاقوت نے خاصا ایک شہر لکھا ہے قزوینی لکھتا ہے کہ عاج و آبنوس کے پیالے اور پیالیاں بنانے میں یہاں کے لوگوں کی کاریگری مشہور تھی۔ یہ پیالے بڑی تعداد میں دساور کئے جاتے تھے[1]۔

---

[1] اصطخری ص ۲۰۲، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۳۱ + ابن حوقل ص ۲۸۸-۲۹۱ + مقدسی

کاشان کے شہر کو اصطخری نے "خوشنما شہر" بتایا ہے، اور لکھا ہے کہ "اس کے مکانات قم کی طرح کچے بنے ہوئے تھے۔" ابتدائی عرب جغرافیہ نویس اس شہر کا نام ہمیشہ بجائے ک کے ق سے قاشان لکھتے ہیں۔ یہ مقام تمام مشرق میں روغنی ظروف اور روغنی اینٹوں کے لئے مشہور تھا۔ یہ چیزیں (بجائے کاشانی کے) قاشی کہلاتی تھیں۔ چنانچہ آج کل بھی یہی لفظ اُن نیلی اور سبز روغنی اینٹوں کے لئے بولا جاتا ہے جو مسجدوں میں حسن تعمیر کے لئے لگائی جاتی ہیں۔ مقدسی لکھتا ہے کہ قاشان بچھوؤں کی وجہ سے بہت بدنام تھا۔ یاقوت نے یہاں کے کاشی ظروف میں ہرے رنگ کے پیالوں کی بہت تعریف کی ہے "جو فروخت ہونے کے لئے باہر بھیجے جاتے تھے"؛ اور یہاں کے باشندوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ سب فرقۂ امامیہ کے نہایت غالی شیعہ تھے۔ مستوفی کا بیان ہے کہ کاشان دراصل ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے تعمیر کرایا تھا۔ اس مصنف نے قصر فِیْن کی جو کاشان سے قریب تھا، اور اُس کے تالابوں اور نہروں کی بہت تعریف کی ہے۔ ان تالابوں میں اُس دریا کا پانی آتا تھا جو قہرود سے بہتا ہوا آیا تھا۔ یہ محل فِیْن کے قریب واقع تھا۔ دریائے کاشان گرمیوں کے زمانہ میں شہر کی حدود تک پہنچنے سے پہلے ہی خشک ہوجاتا تھا۔ لیکن موسم بہار میں اس میں اکثر ایسے سیلاب آتے تھے کہ شہر کی حالت مخدوش ہوجاتی تھی۔ ان سیلابوں کا پانی آگے بڑھ کر قریب کے ریگستان میں غائب ہوجاتا تھا۔

قم کا شہر (جسے عربی تحریر کے مطابق قُمّ لکھنا زیادہ صحیح ہے) کاشان کے شمال میں واقع تھا۔ شیعوں میں یہ مقام اس لئے قابل احترام ہے کہ یہاں ایک روایت کے مطابق چھٹے امام حضرت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ص۔ ۳۹۰، ۹۰۴، ۴۹۱ + یاقوت ج ۱۔ ص ۱۹۸ + ج ۳۔ ص ۵۲۱ + ج ۴۔ ص ۹۳، + مستوفی ص ۱۵۰، ۱۵۱، ۲۰۶ + جہاں نما ص ۲۹۹ +

امام علی رضا کی بہن فاطمہ کا مزار مبارک ہے۔ حضرت امام علی رضا ہارون الرشید کے ہمعصر تھے، اور حضرت فاطمہ کے متعلق شیعوں کا بیان ہے کہ جب وہ اپنے بھائی کے پاس خراسان جارہی تھیں تو انہیں قم میں زہر دے دیا گیا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ابن حوقل نے لکھا ہے کہ قم میں شیعہ آباد تھے، (۲۱۰)
اور اس زمانہ میں شہر کے گرد فصیل تھی، اور شہر کے ہر طرف سرسبز باغات تھے، اور ان باغوں کے پستے [فِستق] اور بندق مشہور تھے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ قم کا پرانا نام کُمَنْدَان تھا، جسے عربوں نے مخفف کرکے قم کرلیا۔ وہ لکھتا ہے کہ شہر کے ویران حصے میں اب بھی ایک پرانے ایرانی قلعہ کے کھنڈر ملتے ہیں۔ یہاں ایک پرانے سنگین پل سے دریا کو عبور کیا جاتا ہے، دریا پرانے شہر کے موقعہ اور مسلمانوں کے بنائے ہوئے شہر میں حائل ہے۔ مستوفی کا بیان ہے کہ شہرپناہ کا محیط (۱۰۰۰۰) قدم تھا، اور آدہ کی طرح اس شہر میں بھی بکثرت برف خانے مشہور تھے، جو زمین کھود کر بنائے گئے تھے، یہاں کے سرو کے درخت اور تاکستان جن میں سُرخ رنگ کے انگور پیدا ہوتے تھے، مشہور تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو قم کا بڑا حصہ ویران تھا۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس نے یا کسی اور پرانے مصنف نے حضرت امام علی رضا کی بہن حضرت فاطمہؑ کا مزار ہونا بیان نہیں کیا، حالانکہ قم کا شہر ہمیشہ سے شیعوں کا بڑا مرکز رہا ہے[۱]

قم کا دریا گلپیگان کے علاقہ میں خانسار کے پہاڑوں سے نکلا ہے (مستوفی نے یہ نام اسی طرح لکھا ہے)۔ خانسار کے پہاڑی سلسلے دریائے قم اور دریائے اصفہان کے بائیں کنارے والے معاون ندیا کے درمیان ایسے مرتفع مقامات ہیں جہاں سے تمام ندیاں نکلکر

[۱] اصطخری ص ۲۰۱ + ابن حوقل ص ۲۶۴ + مقدسی ص ۳۹۰ + یاقوت ج ۴ ص ۱۵، ۱۷ + مستوفی ص ۱۵۰، ۲۱۷ + جہان نما ص ۳۰۵ +

نیچے بہتے ہیں گلپیگان کا عربی نام جُرباذقان ہے، اور اس کا پرانا نام گرُبائیگان تھا۔ مستوفی نے گل آبادِ کان لکھا ہے، اور بیان کیا ہے کہ اس کے معنی ایسی جگہ کے ہیں جہاں گلاب پایا جاتا ہو۔ اُس نے اس علاقہ کی زرخیزی اور وہاں کے پانی کی عمدگی کی بہت تعریف کی ہے۔ پچاس گاؤں اس کے اعمال میں شامل تھے۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ جُرباذقان، کرج ابودُلَف اور اصفہان کے تقریباً وسط میں تھا، اور خانسار گاؤں، جس کے نام سے یہ علاقہ موسوم تھا، یاقوت کی تحریر کے مطابق اس کے قریب ہی واقع تھا۔ دُلیجان کا شہر قم کے دریا کے بہاؤ کی طرف کچھ دور آگے بڑھ کر تھا۔ یاقوت نے اس نام کا تلفظ دُلیجان یا دُلیگان کیا ہے۔ کسی زمانہ میں یہ بہت بارونق شہر تھا۔ لیکن جب مستوفی اپنی کتاب لکھی ہے تو اس وقت وہ بالکل کھنڈر ہوچکا تھا۔ قُم کے شہر سے گزرنے کے بعد قم کا دریا ہمذان سے آنے والے بڑے دریا میں، جو گاؤماھا یا گاؤماسا کہلاتا تھا، شامل ہوجاتا تھا اور قُم سے کچھ دور آگے دریائے گاؤ ماہا میں دریائے آوہ دائیں کنارے سے، اور دریائے ساوہ بائیں کنارے سے شامل ہوچکا ہوتا تھا۔ ان دریاؤں نے اپنی شاخیں پھیلا کر پانی کے متعدد رہگزر بنادئے تھے جو ان دونوں دریاؤں کی نہروں سے مل کر آخر کار قُم کے شمال شرقی جانب بادیہ ایران میں غائب ہوجاتے تھے۔

(۲۱۱) آوہ کا شہر، جسے آوۂ ہمذان سے ممیز کرنے کے لئے آوۂ ساوہ کہتے تھے، (دیکھو صفحہ ۱۹۶) قُم کے مغرب میں تھوڑے فاصلے پر واقع تھا۔ آوہ کا دریا تفرِیش سے نکلتا تھا، اور تفرِیش کے متعلق مستوفی لکھتا ہے کہ "وہ ایک علاقہ ہے، جس کے اندر آنے کے لئے کسی سمت سے بھی داخل ہوں پہاڑی دروں میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ یہاں کی زمینیں زرخیز و شاداب تھیں۔ اور گاؤں متعدد تھے۔" مقدسی نے بھی شہر آوہ کا ذکر کیا ہے، لیکن اُس نے اس کا نام آوا یا آوۂ سایے

لکھا ہے، اور یاقوت، جس نے اسے ایک بڑا گاؤں یا چھوٹا سا شہر بتایا ہے، اس کا نام آبَہ لکھا ہے۔ یاقوت نے بیان کیا ہے کہ یہاں کے لوگ غالی شیعہ تھے۔ آٹھویں (چودھویں) صدی میں مستوفی نے لکھا ہے کہ آوَہ کے گرد ایک ہزار قدم دور کی شہر پناہ تھی، اور برف جمع کرنے کے لئے کھتے تھے، اور ان کی بڑی شہرت تھی؛ کیونکہ گرمیوں میں یہاں برف کی مانگ بہت رہتی تھی۔ لیکن یہاں کی روئی خراب ہوتی تھی۔ آوہ اور قُم کے درمیان اس نے ایک پہاڑی کا ذکر کیا ہے جو سب سے الگ کھڑی تھی۔ اس کا نام اس نے کوہ نمک لَون (نمک کی سی پہاڑی) لکھا ہے، کیونکہ یہاں ہر جگہ مٹی میں نمک ملا ہوا تھا۔ اس پہاڑی کی زمین اس قدر پُھسپُھسی تھی کہ اس کی چوٹی پر پہنچنا ناممکن تھا۔ اس کے دامنوں پر برف بھی نہیں جمتا تھا، اور وہاں کا نمک اس قدر کڑوا ہوتا تھا کہ انسان اسے استعمال نہیں کرسکتا تھا۔ اس پہاڑی کا محیط تین فرسخ تھا، اور وہ اتنی بلند تھی کہ جدھر سے دیکھو دس فرسخ کے فاصلے سے نظر آتی تھی۔[۵۷]

ساؤہ کا شہر جو ہَمَدان اور رَے کے بالکل وسط میں، قافلوں کی اُس سڑک پر جو سرزمین ایران کو طے کرتی تھی، یعنی خراسان والی شاہ راہ پر، واقع تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں ہی، جبکہ ابن حوقل نے اس کا تذکرہ کیا ہے، وہ بڑا مقام تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ یہاں کے اونٹ اور ساربان، جن کی ضرورت حاجیوں اور مسافروں کو اس سرزمین میں ہمیشہ رہتی تھی، مشہور تھے۔ مقدسی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ شہر مورچے اور فصیلیں رکھتا تھا، اس میں عمدہ حمام تھے، اور جامع مسجد بڑی سڑک کے قریب، اور بازار سے کچھ فاصلے پر

---

[۵۷] اصطخری ص ۱۹۵، ۱۹۸ + مقدسی ص ۲۵، ۵۱، ۲۵۷، ۳۸۶، ۴۰۲ + یاقوت ج ۱ ص ۵۷ + ج ۲ ص ۴۶۴، ۳۹۲، ۴۵۸ + مستوفی ص ۱۴۷، ۱۵۰، ۲۰۶، ۲۱۶ +

واقع تھی۔ ساؤہ کے باشندے سنی تھے؛ اور یاقوت لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں آوہ کے لوگوں سے، جو شیعہ تھے، ان کا ہمیشہ بگاڑ رہتا تھا۔ سنہ ۶۱۷ھ (سنہ ۱۲۲۰ء) میں مغلوں کے ہاتھوں ساؤہ کو شدید نقصان پہنچا۔ انھوں نے شہر کو لوٹا اور اس کے باشندوں میں سے اکثر کو قتل کر ڈالا۔ علاوہ اور عمارتوں کے ایک کتب خانہ بھی انھوں نے جلا دیا، جسے یاقوت نے دیکھا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ تمام عراق عجم میں اس کے مثل کوئی کتب خانہ نہیں ہے۔ قزوینی نے بھی اس کتب خانہ کا تذکرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ جامع مسجد میں تھا، اور مختلف علوم و فنون کی کتابوں کے علاوہ اس میں علم ہیئت کے مطالعہ کے لئے، بہت (۲۱۲) سے اصطرلاب اور کرے بھی تھے۔ شہر میں ایک شفا خانہ (مارستان) متعدد مدرسے (کالج) اور کاروان سرائے تھیں۔ مسجد کے دروازے پر ایک بہت بڑی محراب تھی، جس کو دیکھ کر ساسانی بادشاہوں کی بنائی ہوئی مدائن کی محرابیں یاد آجاتی تھیں۔

مسلمانوں کی روایت میں اس شہر کی شہرت اس لئے تھی کہ ظہور اسلام سے پہلے کی یہاں ایک جھیل تھی، جو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی شب میلاد کو دفعتاً خشک ہو گئی تھی۔ بقول مستوفی "مولود مبارک کی خبر سن کر پانی فرط مسرت سے زمین کی تہ میں غائب ہو گیا۔" اسی مصنف نے لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں ساؤہ کی شہر پناہ "حال میں پختہ اینٹوں سے از سر نو تعمیر کی گئی ہے۔" اس شہر پناہ کا محیط (۶۲۰۰) ذرع تھا۔ ساؤہ سے چار فرسخ مغرب میں حضرت سماؤل نبی کا مزار تھا، اور جب مستوفی نے اپنی کتاب لکھی ہے تو اس شہر کے تمام باشندے شیعہ ہو چکے تھے۔ شہر کے گرد جو گاؤں آباد تھے ان میں سے اکثر کے نام مستوفی نے بیان کئے ہیں، اور لکھا ہے کہ وہاں غلہ، اور انار بافراط پیدا ہوتے تھے۔

ساؤہ کے دریا کا نام مزدقان تھا۔ یہ نام اس وجہ سے